

غزوة ہند

اگست و ستمبر ۲۰۲۲ء

محرم الحرام و صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

بانی مَدینہ: حافظ طیب نواز شہید رحمہ اللہ

9/11 یوم تفریق
جس دن دنیا دو خیموں میں تقسیم ہو گئی

”یا تو تم ہمارے ساتھ ہو یا دہشت گردوں کے ساتھ!“

صلیبی صدر جارج بش کا اعلان

جس پر دنیا دو دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی قائم ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں



حضرت ابو العالیہؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیں، آپؓ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی کتاب کو امام بنا لو اور اس کے قاضی اور فیصلہ کرنے والا، حکم ہونے پر راضی رہو کیونکہ اسی کو تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔ یہ ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش مانی جاتی ہے اور ایسا گواہ ہے جس پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اس میں تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ ہے اور اس میں آپ کے جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور اس میں تمہارے بعد والوں کے حالات ہیں۔

جو بندہ بھی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز اس کو وہاں سے دیتے ہیں جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو بندہ کسی چیز کو ہلکا سمجھ کر اسے وہاں سے لے لیتا ہے جہاں سے لینا ٹھیک نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اس سے زیادہ سخت چیز وہاں سے دیتے ہیں جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

مومن چار حالتوں کے درمیان رہتا ہے۔ اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو صبر کرتا ہے اور اگر نعمت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور اگر بات کرتا ہے تو سچ بولتا ہے اور اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو انصاف والا فیصلہ کرتا ہے۔ اور ایسے مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نُوْذِرْ عَلٰی نُوْرٍ (النور: ۳۵)۔ یہ مومن پانچ قسم کے نوروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کا کلام نور ہے اور اس کا علم نور ہے۔ یہ اندر جاتا ہے تو نور جاتا ہے، یہ باہر نکلتا ہے تو نور سے باہر نکلتا ہے اور قیامت کے دن یہ نور کی طرف لوٹ کر جائے گا اور کافر پانچ قسم کی ظلمتوں (اندھیروں) میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کا کلام ظلمت ہے، اس کا عمل ظلمت ہے اور اندر جاتا ہے تو ظلمت میں اور باہر آتا ہے تو ظلمت سے اور قیامت کے دن یہ بے شمار ظلمتوں کی طرف لوٹ کر جائے گا۔“

غزوة ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۵

اگست و ستمبر ۲۰۲۲ء

محرم الحرام و صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

بِسْمِ اللَّهِ... مسلسل اشاعت کا پندرہواں سال!



تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Channel

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس مجلے کی قیمت آپ کی دعا..... اور اس دعوت کوئی اللہ آگے پھیلا نا ہے!



حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا گیا کہ ”یا رسول اللہ! سب لوگوں میں افضل کون ہے؟“۔ فرمایا ”وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔“ پھر صحابہ نے عرض کیا ”اس کے بعد کون؟“ فرمایا ”وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو اور وہیں اللہ کی عبادت کرتا ہو اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔“

(صحیح بخاری)

اس شمارے میں

5	اداریہ چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی خطبہ امیر المومنین
11	علمائے کرام، مجاہدین اور تاجروں کی ذمہ داریاں تزکیہ و احسان
14	استغفار کے ثمرات قیامت کی نشانیاں [الآخرة]
20	إِشْرَاطُ السَّاعَةِ حلقہ مجاہد
27	امیر المومنین کی ہدایات شہادت کی قبولیت کی شرائط
28	مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ یوم تفریق
31	یوم تفریق [گیارہ ستمبر] کے تزویراتی فوائد فَأَسْأَلُوْا أَهْلَ الدِّيَارِ
35	بیت المال کی گاڑی ذاتی استعمال کرنے کا حکم فکر و منہج
39	چراغِ راہ (تحریک جہاد کی خود اپنی آزادی کا مسئلہ) افکار و شعائر اسلام علامہ محمد اقبالؒ
40	حدت عالمی منظر نامہ
48	تباہ نظام میں اسقاطِ حمل پر پابندی چہ معنی prolife؟ خیالات کا ماہنامہ
49	
50	

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے.....

اعلانات از ادارہ:

- مجلہ ”نوائے غزوہ ہند“ میں شائع ہونے والے ”مستعار مضامین“ (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس، سٹیٹس، رٹویٹس) مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوہ ہند‘ تمام اہل ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہل ایمان بالخصوص برصغیر میں بسنے والے ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوہ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوہ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوہ ہند:

♦ اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور مجتہدین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔

♦ برصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورت حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔

♦ امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے..... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@ngmag.com



چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

جند

لحوں کے لیے ماضی میں لوٹے ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک ہی نہیں تھوڑا اور پیچھے ۱۸۵۷ء تک چلتے ہیں، بلکہ اس سے بھی پیچھے۔ ماضی کو یاد کیے بغیر ہم حال کو نہیں سمجھ سکتے اور حال کو بدلے بغیر مستقبل میں کوئی تغیر لانا ممکن نہیں۔ بڑے صغیر میں اہل اسلام کے منزل کی بنیادی وجہ دین متین کو چھوڑنا ہی۔ دین متین چھوڑنا تو کہاں؟ بڑے صغیر میں مغلوں کے آخری نصف زمانے میں یہی اسلام بطور دین (دین یعنی سلوک زندگی و سلوک حکومت)، کمزور پڑنا شروع ہو گیا۔ جس قدر اتباع شریعت کم ہوا، اسی قدر مسلمان حصوں بخروں میں بننے لگے۔ موقع کے متلاشی سات سمندر پار سے آئے، دشمن صلیبیوں نے اپنا نکر چلا اور بڑے صغیر میں نفاذ اسلام کا چراغ گل ہو گیا۔ بڑے صغیر میں جہاد آزادی کی بہت سی تحریکات اٹھیں لیکن بہترین متبع شریعت تحریک جہاں دین کے کسی شعبے میں حتی المقدور کوئی فرق نہ برتا گیا، امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک تھی۔ اہل بڑے صغیر کی آزمائش کا وقت ابھی ٹلا نہیں تھا، لہذا اللہ کی مشیت سے یہ تحریک ۱۸۳۱ء میں بالا کوٹ میں سید صاحب اور مولانا شاہ اسماعیل صاحب کی شہادت کے ساتھ ماند پڑ گئی۔ لیکن یہ تحریک، بڑے صغیر کے اہل دین کو قوت و شوکت اسلام کی ایک واضح جھلک دکھلا گئی۔ ایمان کی باد بہاری چلی اور محض پچیس برس میں بڑے صغیر کے قلب میں اقامت دین کی ایک اور زوردار تحریک اٹھی۔ قائدین تحریک حضرت حاجی صاحب مولانا امداد اللہ مہاجر کی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی اور حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسی نابغہ شخصیات تھیں۔ ۱۸۵۷ء میں شاملی کامیدان سجا، ابھی اللہ کو مزید امتحان منظور تھا، لہذا اہل اسلام کو شکست ہوئی۔ یہ تھا وہ زمانہ جب بڑے صغیر کی اسلامی تحریک نے ایک فیصلہ کیا۔ آج ڈیڑھ صدی سے زیادہ کا زمانہ بیت جانے کے بعد اس فیصلے کو بہت سے رنگ دیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہتھیار رکھ دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ لیکن مستند تاریخ اکابر کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی ہتھیار رکھ دینے کا فیصلہ نہ ہوا تھا^۱۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر ہم حضرت نانوتوی و گنگوہی اور ان اکابر کے شاگرد مگر اکابر کے پائے کے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع مانتے ہیں، تو یہ کہاں ممکن ہے کہ جس نبیؐ نے احد و حنین کے بعد ہتھیار رکھے نہ ہوں، بلکہ مزید مضبوطی سے تھام لیے ہوں، اس سچے نبیؐ کے سچے امتی اس طریق سے ہٹ جائیں جس طریق کو قرآن عظیم الشان فتنہ کفر و شرک کے خاتمے کا ذریعہ بتاتا ہے؟ اور جس کا حکم اللہ جل جلالہ نے ایسی صراحت کے ساتھ نازل فرمایا جس کا قادیانی و غامدی اور ان کے روایتی و غیر روایتی مشنری کچھ بھی کر لیں، اس حکم کی قتال کے سوا کوئی توجیہ ممکن ہی نہیں!

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كَلَهُ لِلَّهِ (سورۃ الانفال: ۳۹)

”اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہے، اور

دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔“

الغرض جہاد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا، اگر کچھ اور ہوا تو یہ کہ ’مرکز‘ میں قتال کی استطاعت نہ ہونے کے سبب قتال سے پہلے کے نصرت قتال کے مراحل، دعوت و اعداد کی طرف پوری توجہ سے متوجہ ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے بعد سنہ ۱۲۷۴ء تک بلکہ اس کے بھی بعد تک اس تحریک نے

اگاہے ہم مولانا مناظر احسن گیلانی کا یہ قول نقل کرتے رہتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند نے بذات خود مولانا گیلانی کو بتایا کہ میں دارالعلوم کا اولین طالب علم تھا، حضرت الاستاذ نے دارالعلوم ۱۸۵۷ء کی شکست کا عسکری انداز سے بدلہ لینے کے لیے قائم فرمایا تھا۔ اسی طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند دراصل ایک فوجی چھاونی تھی!

بہت سی شکلیں بدلیں، لیکن قتال یا نصرتِ قتال کا طریق کہیں نہیں چھوٹا، بھلے وہ آزاد قبائل یا غستان کی تحریکِ قتال ہو یا تحریکِ ریشمی رومال جیسی عالمی جہادی تنظیم سازی۔

مسلمانوں کے ضعف اور اہل باطل کے مضبوط غلبے نے بڑے صغیر میں بالکل نئے سیاسی حالات پیدا کر دیے۔ نتیجے میں اہل دین کی کثیر تعداد نے اسلامی شعائر کی طرف داری کرتی اور نفاذِ اسلام کا وعدہ کرنے والی متحدہ بڑے صغیر کی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور پاکستان و ہندوستان دونوں ممالک کی شکل میں نقشہ عالم پر ابھرے۔

بڑے صغیر کے مسلمانوں نے سنہ ۱۹۷۱ء میں کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا۔ عزت و ناموس لاکھوں بہنوں اور بہو بیٹیوں نے قربان کیں، دس لاکھ لوگوں نے جامِ شہادت نوش کیا، نجانے کتنے لاکھ مہاجر ہو کر پاکستان پہنچے۔ زمینیں، جائیدادیں، مکان اور نقدی و زیورات کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ یہ سب بس ایک ہی مقصد کی خاطر تھا۔ بڑے صغیر کے ہر بوڑھے اور نوجوان نے، ہر بچے اور خاتون نے یہ نعرہ سنا تھا:

”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!“

عام مسلمانوں کے حوالے سے تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ جو مسلمان اس زمانے میں پاکستان ہجرت نہ کر سکے تو ان کی امیدوں کا مرکز بھی جلد یا بدیر پاکستان ہی تھا۔ اور پاکستان ان کی امیدوں کا مرکز کیوں تھا، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقسیم بڑے صغیر سے قبل، بانی پاکستان لکھنؤ میں کسی مقام پر ایک جلسے میں موجود تھے۔ وہاں ایک لکھنوی نعرے لگانے لگا ’پاکستان زندہ باد‘، یہ سن کر بانی پاکستان نے اس لکھنوی نوجوان سے پوچھا کہ ’تم کیوں بڑھ چڑھ کر پاکستان کے حق میں نعرے بازی کر رہے ہو۔ تمہارا علاقہ تو پاکستان میں شامل نہیں ہونا؟‘۔ سوال سنتے ہی اس نوجوان نے فوراً جواب دیا ’اس لیے کہ پاکستان کا وجود میرے (مسلمانوں کے) تحفظ کا ضامن ہے‘۔

پاکستان کا وجود مسلمانانِ بڑے صغیر کے تحفظ کا ضامن کیسے ہونا تھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ریڈ کلف لکیر کو بھلانا پڑے گا۔ ذہن میں ایک بات کو حاضر رکھنا ہو گا کہ پاکستان کا مقصد تاسیس کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ مقصد تاسیس لا الہ الا اللہ تھا۔ لا الہ الا اللہ کا وہ نظام جو ہر باطل نظام کو ٹھکرا دے اور نچا کر دے، لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كَلِمَةُ لا اله الا الله، جس کی خاطر تحریکِ ریشمی رومال نے خلافتِ عثمانیہ کی تائید کی اور خلافت کی تائید حاصل بھی کی۔ مومن تورنگ و نسل اور قوم و وطن کے بتوں سے آزاد ہوتا ہے اور اس کے بارے میں تو فرمایا گیا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ پاکستان کا سچا مقصد تاسیس، پاکستان کو سچ میں مدینہ ثانی بنانا تھا۔ جدید دنیا کی اصطلاح میں ایک نظریاتی اسلامی ریاست۔ ایک ایسا مرکزِ اسلام جہاں سے اندلس و اقصیٰ کی جانب قافلے نکلیں۔ لیکن ایسا نہ ہوا، جو پاکستان بنا وہاں فوجی و سوبیلین ڈکٹیٹر حاکم ہو گئے۔ کبھی مارشل لاء کا تماشہ لگایا گیا تو کبھی جمہوری ڈگڈگی بچی۔ پاکستان جس کو اسلام کا قلعہ بنا تھا، یہاں کی اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھ میں کھلونا بن گیا۔ نواب لیاقت علی خاں کے زمانے میں ہی یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ پاکستان امریکی ہلاک کا حصہ بنے گا^۱۔ اگر پاکستان محض امریکی ہلاک کا ایک عزت دار رکن رہتا تب بھی دنیوی پیانے سے کوئی بات تھی۔ لیکن پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ امریکہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئی۔ پھر زیادہ دور کی بات نہیں کرتے، آج سے دو دہائی قبل چلتے ہیں، جب امریکہ کے عسکری مرکزینٹاگان اور اقتصادی مرکز ٹوئن ٹاورز پر نائن ایون کے جہادی حملوں کے بعد دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ جارج ڈبلیو بوش، وقت کا پوپ ار بن ثانی بن کر سامنے آتا ہے، صلیبی جنگ کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا تو تم ہمارے ساتھ

^۱ ان تفصیلات کے لیے دیکھیے ادارہ السحاب بڑے صغیر کی چار حصوں پر مبنی دستاویزی فلم ’پیغامِ اسلام‘

ہو یا دہشت گردوں کے ساتھ۔ دنیا کی اکثریت وقت کے پوپ ار بن ثانی کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے اور فرنٹ لائن اتحادی کا تمغہ پرویز مشرف (غزله اللہ فی الدنیا والآخرۃ) اور اس کی قیادت کے تحت پاکستان فوج کے سینے پر سجتا ہے۔ پاکستان فوج ایک mercenary army کا روپ دھار لیتی ہے اور اس کے جرنیل و کرنیل اور انٹیلی جنس اہلکار ڈالروں کے بدلے اپنا ایمان و وطن بیچ کھاتے ہیں۔ افغانستان میں جاری وار آن اسلام (المعروف وار آن ٹیرر) کے دوران اریوں ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ بعض ذرائع کے مطابق اس زمانے میں حکومت و پاکستان فوج کو نیو سپلائی کے فی کنٹینر کے حساب سے معاوضہ ملتا ہی تھا، بعض چار ستارہ جرنیل بھی ہر کنٹینر پر فیصدی کمیشن وصول کرتے تھے۔

پرویز مشرف کہا کرتا تھا کہ 'جب طوفان چل رہا ہو تو سر نیچا کر لینا چاہیے، کہیں سر ہی نہ اڑ جائے'۔ بیس سال امریکہ کی غلامی اور نمک کھانے کو شاید کسی کی عقل مادہ و مفاد پرست پھر بھی تسلیم کر لے کہ امریکہ کا اتحادی بننا ہی درست فیصلہ تھا۔ لیکن پاکستان محض افغانستان کی حد تک اتحادی نہ بنا تھا، بلکہ عالمی وار آن ٹیرر میں ایک کلیدی اتحادی کے طور پر سامنے آیا تھا۔ اسی کلیدی اتحادی نے عالمی وار آن ٹیرر کے تحت جنوبی وزیرستان میں سنہ ۲۰۰۴ء میں مجاہدین قبائل کے خلاف پہلا فوجی آپریشن شروع کیا۔ مجاہدین قبائل سے پہلے ہی معرکے میں منہ کی کھانے کے بعد پاکستان فوج نے مجاہدین قبائل کے اس وقت کے امیر ملانیک محمد سے ایک معاہدہ کر لیا اور محض دو ماہ کے اندر ملانیک محمد کی جاسوسی کر کے امریکی ڈرون طیاروں کے ہیل فائر میزائلوں سے جون ۲۰۰۴ء میں شہید کر دیا۔

مجاہدین قبائل جن کے ساتھ پاکستان کے آزاد قبائل کے تمام غیور مسلمان کھڑے تھے، پاکستان فوج کے مقابلے میں اپنے تمام مطالبات میں حق بجانب تھے۔ اہل قبائل نے قیام پاکستان کے زمانے میں ایک معاہدے کے تحت پاکستان سے الحاق کیا تھا اور بائی پاکستان نے قبائل کی آزاد حیثیت کو تسلیم کیا تھا۔ اہل قبائل الحاق پاکستان سے اب تک نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے آئے ہیں اور جب اہل قبائل کا یہ برحق مطالبہ قبول نہ کیا گیا، بلکہ نفاذ شریعت کے مطالبے پر اہل قبائل پر بمباریاں کی گئیں اور فوجی آپریشن مسلط کیے گئے تو اہل قبائل نے دینی حمیت و غیرت کے سبب امریکی فرنٹ لائن اتحادیوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ یہاں یہ امر بھی بھلانا نہیں چاہیے کہ ۱۹۴۸ء میں بھارت کے خلاف کشمیر کے محاذ پر جنگ بھی انہی قبائلی مجاہدین نے لڑی تھی اور آج وہاں کا جو علاقہ 'ریاست آزاد جموں و کشمیر' کہلاتا ہے، انہی مجاہدین قبائل نے آزاد کروا کر دیا تھا۔ بلکہ سچ تو اس قدر تلخ ہے کہ یہ مجاہدین سری نگر ایئر پورٹ کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے اور ان مجاہدین کے ساتھ پاکستان فوج کے وہ مجاہد بھی تھے جن کا مقصد جنگ حقیقتاً ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ تھا، لیکن ان مجاہدین قبائل اور فوج میں موجود مجاہدوں کو جبراً کیانی کی اصطلاح میں 'abandon' کر دیا گیا، کہ اس وقت کی فوجی و سویلین اسٹیبلشمنٹ بھی مسئلہ کشمیر کو 'مسئلہ' ہی رکھنا چاہتی تھی۔ مجاہدین قبائل کی یہ برحق جنگ نیک محمد شہید کے بعد امیر صاحب بیت اللہ محمود شہید، مفتی ولی الرحمن محمود شہید، کماندان خالد محمود شہید اور ان کے بعد ان کے ورثانے آج تک جاری رکھی ہوئی ہے۔ مجاہدین قبائل کی نصرت اور نفاذ اسلام کی محنت کی خاطر قبائلی مجاہدین کے اسی قافلے میں مولانا فضل اللہ سواتی شہید بھی اپنا قافلہ فدا کرنے لے کر شامل ہو گئے۔ نتیجتاً آج یہ جنگ وزیرستان تا سوات، آزاد قبائل کی سرزمین کی بازیابی اور نفاذ شریعت محمدی (علی صاحبہا ألف صلاة و سلام) کی خاطر جاری ہے۔

بیس سال افغانستان کے صحراؤں اور پہاڑوں میں رسوا کن شکست کھانے کے بعد جب امریکہ نکل جاتا ہے تو تب بھی پاکستان کی امریکہ غلام اسٹیبلشمنٹ اپنی گردن سے طوق غلامی اتارتی نہیں ہے۔ اس طوق غلامی کو نہ اتارنے کا ایک سبب تو پرانی جنگ کو اپنی جنگ بنالینا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اسٹیبلشمنٹ خاص کر جرنیلوں اور انٹیلی جنس افسروں نے منافقت کے بجائے لادینیت و سیکولرزم کو اپنا دین بنالیا ہے۔ ثنائی بنگال و مہران و بولان غم قبائل، لال مسجد اور سوات میں کشت و خون کرنے والی فوج، mercenary army بھی ہے۔ ایٹ انڈیا کمپنی کی فوج کی وارث، برطانوی

جرنیل ایلن بی کی قیادت میں مسجد اقصیٰ فتح کرنے والی فوج کی وارث فوج اچھے دام پر دنیا کے کسی بھی خطے میں لڑ سکتی ہے^۱۔ اور دوسروں کے لیے لڑنے کے سوا ان کا ذریعہ معاش بھی کچھ اور نہیں رہا۔

عسپشت سے ہے پیشہ آبسپہ گری

اخلاقی، معاشی، فکری، سیاسی اور علمی کرپشن کے سبب آج جب پاکستان کی معیشت کا بھٹ بیٹھ چکا ہے تو یہاں کی اسٹیبلشمنٹ نے ایک بار پھر مجاہدین کی جاسوسی اور ان کو بیچ کر پیسے کمانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ وقت کے ساتھ ماہر ہونے والے شطرنج کے کھلاڑیوں نے امریکہ کو ایک بار پھر یہ باور کروایا ہے کہ افغانستان و قبائل عالمی دنیا کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔ افغانستان میں جاسوسی کی ایک بڑی واردات کرنے کے بعد (پاکستانی) روپے کی قدر میں تھوڑی سی بہتری آئی اور عالمی مالیاتی اداروں کی جانب سے ایک اعشاریہ ایک سات ارب ڈالر کی امداد کی منظوری بھی دی گئی۔ اس کے معا بعد امریکی وزارتِ دفاع نے پاکستان ائیر فورس کو ایف سولہ طیاروں کی دیکھ بھال کے لیے پینتالیس (۳۵) کروڑ ڈالر کے ہارڈ ویئر و سافٹ ویئر آلات دینے کی منظوری دی۔

بعد ازاں نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں وزیر اعظم شہباز شریف نے دنیا کو افغانستان کے تناظر میں 'عالمی دہشت گردی' کے ایک بے حقیقت امر سے ڈرا کر اپنی حیثیت بڑھانے، امداد مانگنے اور اپنی خدمات پیش کرنے کی کوشش کی۔ شہباز شریف کے امریکہ میں پیش کردہ فن کا مکمل سکرپٹ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی کاوش تھا، جس کو مستقبل کے حالات نے مزید ثابت کیا۔ جس وقت ادارہ ہذا کی یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو پاکستان فوج کا سربراہ (اور پاکستان کا درحقیقت حاکم) جنرل قمر جاوید باجوہ واشنگٹن کے پانچ روزہ دورے سے واپس لوٹا ہے۔ مختلف دفاعی و اخباری ذرائع کے مطابق جنرل باجوہ کے دورے کے کلیدی نقاط میں

- امارت اسلامیہ افغانستان کی سرزمین اور سرزمین قبائل میں (counter terrorism) دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے ساتھ تعاون پر بات،
- پاک افغان بارڈر پر سکیورٹی صورت حال،
- دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی خدمات کے تناظر میں ایف اے ٹی ایف کی گرے لسٹ سے پاکستان کو نکالے جانے کی درخواست،
- نیز افواج پاکستان کو امریکہ کی جانب سے سالانہ بنیادوں پر دی جانے والی عسکری امداد (جو ٹرمپ نے بند کر دی تھی) کی بحالی کی گزارش وغیرہ شامل تھے۔

پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے نائن الیون کے فوراً بعد امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف جو روش اپنائی تھی، بظاہر وہ چند برس قبل کافی مختلف سی نظر آتا شروع ہوئی اور تقریباً سو سال قبل فتح کابل کے بعد اس میں مزید ظاہری تبدیلی نظر آئی۔ لیکن پاکستان فوج کے مجاہدین قبائل کے ساتھ مذاکرات میں خاص پیش رفت نہ ہونے کے سبب اور امارت اسلامیہ افغانستان کی خود مختار سیاسی دفاعی خارجہ پالیسی کے تناظر میں، پاکستانی اسٹیبلشمنٹ تقریباً

^۱ اردن میں سنہ ۷۰-۷۱ء میں فلسطینی مسلمانوں کا قتل اور صومالیہ میں سنہ ۹۳ء میں امریکیوں کی دفاع کی جنگ اس کی ایک مثال ہیں۔
^۲ بعض ادارتی و تکنیکی مشکلات کے سبب ماہ اگست و ستمبر ۲۰۲۲ء کا یکجا شمارہ شائع کیا جا رہا ہے اور سطور ہذا اوائل اکتوبر ۲۰۲۲ء میں لکھی گئی ہیں۔

اسی روش پر واپس پلٹ رہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا۔ اسٹیبلشمنٹ کی پالیسیوں سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے کہ نائن الیون کے بعد امریکی اتحاد کا حصہ بننے کا فیصلہ محض کسی ایک شخص (پرویز مشرف) کا نہیں تھا، بلکہ پوری عسکری قیادت آن بورڈ تھی اور آج تک اس فیصلے پر قائم و دائم ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان میں کاؤنٹر ٹیررازم کے سلسلے میں پاکستان کا اعلانیہ یا غیر اعلانیہ معاہدے کے تحت امریکی ڈرون طیاروں کو افغانستان میں جاسوسی (surveillance) کرنے اور افغانستان میں امریکی اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے اپنی فضائی راہداری دینا ایک اہم قدم ہے۔ امارت اسلامیہ افغانستان کے وزیر دفاع مولوی محمد یعقوب مجاہد نے اگست ۲۰۲۲ء کے وسط میں ایک اخباری کانفرنس کے دوران کہا تھا کہ امریکی ڈرون طیارے پاکستان کی فضا استعمال کرتے ہوئے افغانستان میں داخل ہوتے ہیں، جس کی پاکستان کی وزارت خارجہ نے تردید کی تھی۔ البتہ ڈرون طیاروں کے لیے راہداری کے طور پر پاکستان کی فضا کے استعمال کے حوالے سے امریکی سیاست دان اور امریکی نیشنل سیورٹی کونسل کی سابقہ رکن لیزا کرٹس نے بھی تائید کی ہے۔

پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اور فوج کا کردار بہت واضح ہے۔ اگر آج پاکستان میں کسی کو واضح موقف اپنانے اور عمل کی ضرورت ہے تو وہ پاکستان کا اہل دین طبقہ ہے، جسے وضاحت سے اس نظام اور اس نظام کی رکھوالی فوج کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔ پاکستان میں تقریباً دو دہائیوں سے دعوت و جہاد میں برسرِ پیکار مجاہدین کی دعوت اظہر من الشمس ہے۔ یہ دعوت کوئی ایسی انوکھی دعوت نہیں جسے مجاہدین ہی لے کر اٹھے ہیں، بلکہ یہ تو وہی دعوت ہے جس کی خاطر پون صدی قبل لاکھوں مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑے تھے اور دس لاکھ مسلمانوں نے پاکستان ہجرت کرتے ہوئے شہادتیں پیش کی تھیں۔ پاکستان کا مقصد و مطلب تو لا الہ الا اللہ ہے! حیاتِ دنیوی یا چند امدادی پیسوں کی خاطر مسلمانوں کا قتل یا دنیا کی واحد اسلامی حکومت کی جاسوسی کے لیے اپنی فضا کرائے پر دینا حصولِ پاکستان کا مقصد نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی پیشین گوئی، غزوہ ہند کے معرکوں کے لڑے جانے کے لیے ارضِ نصرت، 'لا الہ الا اللہ' والا پاکستان ہے۔ لیکن پاکستان غزوہ ہند کے لیے تب تک ارضِ نصرت کا کردار ادا نہیں کر سکتا جب تک خود پاکستان میں شریعتِ محمدی (علی صاحبہا آلف صلاۃ و سلام) نافذ نہ ہو۔ گجرات فسادات میں بلقیس بانو کے ساتھ اجتماعی زیادتی کرنے والے گیارہ مجرموں کی رہائی کا بدلہ لینے والے ابنِ قاسم کا راستہ پاکستان سے ہو کر گزرتا ہے۔ باری مسجد کی دوبارہ سے تعمیر، رام مندر کے انہدام اور گیان وپی کی جامع مسجد کا دفاع کسی سلطان محمود نے کرنا ہے، لیکن اس کی رہ گزروہی ہوگی جس نقشے پر شیر شاہ سوری نے سڑک بنوائی تھی۔ آج کا پاکستان ان خوابوں کی تعبیر اور ان کو ششوں کا شمر آور نتیجہ نہیں ہے جس کی خاطر حصولِ پاکستان کی جدوجہد کی گئی تھی۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل

سفینہ غم دل ابھی رکا نہیں ہے۔ جشنِ آزادی کا وقت ابھی نہیں آیا۔ سری نگر میں نیلوفر و آسیہ آج بھی بے ناموس ہو رہی ہیں۔ چٹاگانگ و ڈھاکہ کی بیٹیاں آج بھی ہندوؤں کے ہاتھوں نیلام ہو رہی ہیں۔ ہندوستان کے شہروں میں محض 'مسلمان' ہونے کے 'جرم' کے سبب مسلمانوں کو سرعام ہند توائی

بھگواندہشت گرد عوام اور پولیس بجلی کے کھیموں سے باندھ کوڑے اور ڈنڈے لگا رہے ہیں۔ پہلے تو ۳۷ء کے آئین میں زنا بالرضا کے لیے سہولتیں تھیں، اب اسی قرارداد مقاصد والے آئین میں بآسانی LGBTQ کو تروتق و تحفظ دینے کے لیے ٹرانس جینڈر قوانین بھی شامل ہیں۔ اسلام آباد میں آج بھی آزادی و خود مختاری کا نہیں، انگریز اور انگریز کے چھوڑے نظام کی غلامی کا پرچم لہرا رہا ہے، جسے ملکہ برطانیہ کے مرنے پر پورے چوبیس گھنٹے تک سرنگوں رکھا گیا۔ مجاہدین بڑے صغیر کے داعی و عظیم قائد، شہید عالم ربانی، استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

”پس انگریز تو یہاں سے چلا گیا، لیکن فوجی جرنیل، بیوروکریٹ افسر اور جاگیر دار و سرمایہ دار سیاسی خاندان..... جو انگریز اپنے عہد حکومت میں تیار کر چکا تھا، وہ پھر بھی باقی رہے۔ مسلمانان ہند نے آزادی کا جو خواب دیکھا تھا وہ بس خواب ہی رہا۔ نہ تو فرنگی جمہوری نظام کی جگہ شرعی نظام واپس لوٹا، نہ ہی اقتدار معاشرے کے فرنگی نواز غدار طبقوں کے ہاتھ سے نکل کر علمائے کرام اور حقیقی معززین معاشرہ کے ہاتھ میں واپس آیا اور نہ ہی ہند کی وہ عظیم تر اسلامی سلطنت بحال ہوئی، جس کا دار الخلافہ کبھی کابل اور کبھی دہلی تھا اور جس کی حدود پورے بڑے صغیر کے شرق و غرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بڑے صغیر کے بے چارے عوام تو انگریز کی غلامی سے نکل کر انگریز کے غلاموں کے غلام بن گئے۔ آزاد تو بس انگریز کا آلہ کار یہ حکمران طبقہ ہوا، کہ انہیں ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے وسائل لوٹنے اور زمین میں فساد مچانے کی مکمل آزادی مل گئی۔ ہر سال منایا جانے والا جشن آزادی ہماری نہیں، انہی کی آزادی کا جشن ہوتا ہے۔

ہمیں تو ایک اور تحریک آزادی سے گزرنا ہو گا۔ خون کا ایک اور دریا پار کرنا ہو گا!“

ابھی چراغ سر رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرائی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دماننا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنا وأعطنا ولا تحرمنا وأثرا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إننا نسئلك الثبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا رب العالمين!

♦♦♦♦♦

علمائے کرام، مجاہدین اور تاجروں کی ذمہ داریاں

عالی قدر امیر المومنین، فضیلۃ الشیخ حبیب اللہ اخندزادہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد،

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِّ ذِيَعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝١

صدق الله العظيم

قدھار کے شریف اور قدر مند مسلمانوں، اور اس اجتماع کے تمام شرکاء کی خدمت میں.....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ اجتماع بھی اس سلسلے میں منعقد ہوا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو نصیحت کریں کہ ہم کیسے رب جل جلالہ کے دیے گئے اس انعام کا شکر بجالائیں۔ اللہ جل جلالہ ہمارے عوام کی قربانیوں کو قبول فرمائے، جنہوں نے اس راستے میں بہت قربانیاں دی ہیں، اپنی اولاد، اپنے گھروں، اپنی جائیداد اور اموال کی، ہر قسم کی قربانی چاہے وہ جسمانی ہو یا روحی تکالیف، اس راستے میں برداشت کیں اور رب جل جلالہ نے اس کے نتیجے میں فتح، آزادی اور استقلال اس مقدس سر زمین کو عطا فرمائی۔ عجیب آزادی ہے جو بلند ہمتی سے واقع ہوئی ہے۔ یہ آزادی خون کی قیمت پر آئی ہے، یہ آزادی سروں کو قربان کرنے کی قیمت پر آئی ہے۔ ایسی عجیب آزادی جس کی خاطر معصوم خون بہا ہے اور معصوم جانیں قربان ہوئی ہیں۔ گزرے بیس سالہ جہاد میں سارے مجاہدین فدا کیں تھے، سارے استشہاد بین تھے۔ کیونکہ دشمن کے مقابل ان کے اسباب نہ ہونے کے برابر تھے۔ بس للہ فی اللہ لڑ رہے تھے۔ یہ پیسوں کی فوج نہیں، یہ کرایے کی فوج نہیں، یہ مادیت کی فوج نہیں، یہ عقیدے کی فوج ہے، یہ نظریے کی فوج ہے۔ ان لوگوں نے شریعت کے لیے قربانی دی ہے۔ ان لوگوں نے اس نعرے کے لیے قربانی دی ہے کہ افغانستان میں ایک اسلامی اور خالص شرعی نظام نافذ ہو گا۔ اس نعرے کے تحت رب جل جلالہ نے کامیابی دی، ہم کامیاب ہو گئے۔ اگر ہمارے گھروں کے اندر خواتین ہیں یا باہر مرد اور جوان سبھی مسلمان ہیں، اسلامی احکام کے تابع ہیں۔

میرے بھائیو! یہ جو امارت اسلامیہ ہے..... یقیناً یہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ یہ اس عوام کی امارت ہے۔ یہ دنیا کی کسی بھی طاقت، قوت اور تنظیم سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ میں بحیثیت امیر آپ

۱”پھر (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہذا تم ایسی پیروی کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔“ (سورۃ الجاثیہ: ۱۸)

کے سامنے یہ بات واضح کر دوں کہ میں آپ میں سے ایک فرد ہوں۔ آپ جیسا ایک آدمی ہوں۔ آپ سب دنیا کی کسی طاقت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں کہ نہیں؟ اس سوال کا جواب اپنے اوپر لے لیں اور مجھے اپنے جیسا سمجھ لیں، میں آپ ہی کی طرح کا ایک فرد ہوں۔ دنیا کی کسی بھی قسم کی طاقت و قدرت کے ساتھ میرا تعلق نہیں ہے۔ افغانستان میں نظام صرف اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق بنانے سے قائم ہو گا۔ بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ رب جس کے ساتھ ہمارا تعلق و رابطہ ہے، ہم اس کے زیر اثر ہیں، وہ صرف اللہ ہے۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں اور کل اللہ کے حضور بھی آپ سب نے گواہی دینی ہے..... کہ وہ چیزیں جس پر ہم دنیا والوں کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں، شریعت کے دائرے میں، جس میں شریعت کا تحفظ بھی ہو گا، اس ملت کا فائدہ بھی ہو گا، مصلحت کا خیال بھی رکھا جائے گا، اس میں ہمیں کسی بھی قسم کی مشکل نہیں ہے۔ ہم اس کے تحت ہر کسی کے ساتھ تعامل کر سکتے ہیں اور کریں گے۔ لیکن جس وقت ہمارے دین اسلام کے خلاف، ہماری شریعت کے خلاف، ہمارے قومی مفادات کے خلاف کوئی چیز آئے گی، اس میں ہمیں شریعت نے اجازت نہیں دی ہے..... کوشش کیجیے اس نظام کو اپنا نظام سمجھیے اور یہ نظام آپ ہی کا نظام ہے۔ اپنے گورنروں کو اپنا سمجھیں، یہ آپ ہی کے گورنر اور اولادیں ہیں۔ وزراء کو اپنا سمجھیے، یہ آپ کے وزراء ہیں، آپ ہی عوام کے نمائندے ہیں۔ ان کی مدد کیجیے، ان کو نصیحت کیجیے، ان کو نیک مشورے دیں، ان کے سامنے بیٹھ کر مشورے دیں، اگر ان کی ملاقات میسر نہ ہو تو ان کے نام خط لکھیں۔ اگر کسی کے ذریعے خط بھجوا سکتے ہیں تو ان کے ذریعے بھجوائیں۔ کسی گورنر کے ذریعے یا میرے ساتھ جو اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے ذریعے ہمیں خطوط بھجوائیں۔ نیک مشورہ، نیک نظریہ اس امت کے لیے، اسلام، شریعت اور عوام کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ ہمیں مشورہ دینا اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ اگر آپ کی حمایت، مومنین اور مسلمانوں کی حمایت امارت کے ساتھ نہ ہو گی تو امارت اسلامی کا نظام نہیں چل سکتا۔ میں اکیلے یا تنہا وزیر کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ جو میں اسلامی نظام کی بات کرتا ہوں تو یہ آپ کی مدد سے کر رہا ہوں، کیونکہ آپ میرے ساتھی ہیں۔ آپ اسلامی نظام کے پشت پناہ ہیں اور اسلامی نظام ہی کی پشت پناہی کریں گے۔

ہمارے عوام افغانستان میں عدل کے محتاج ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ مظالم کا راستہ روکا جائے۔ جو مظالم ہوئے ہیں اور جو ہو رہے ہیں ان کو اسلامی اور شرعی عدالت کے

ذریعہ روکا جائے۔ ہم نے مستقل عدلیہ بنائی ہے۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں عدلیہ مستقل تھی۔ گورنروں اور امراء کی یہ ذمہ داری ہے کہ عدالت کے حکم کا اجرا کرے۔ عدالتیں فیصلہ کریں گی میں اور گورنر اس کا اجرا کریں گے۔ عدالتوں سے میری گزارش ہے کہ کوشش کیجیے لوگوں کے مسائل کی تحقیقات سے تھکاوٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔ مسائل میں ہر ممکن تحقیق کیجیے اور اصل نتیجے تک اپنے آپ کو پہنچائیے۔ کسی کی ملامت کی پروا نہ کریں۔ آج ہمارے عوام پر امید ہیں کہ عدل قائم ہو گا۔ لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں گے۔ اور اسی عدل کے نتیجے میں رب ﷻ اس نظام کی مدد کریں گے۔

طالب کے مخالف ایسے پروپیگنڈے ہوئے ہیں جیسا کہ طالب، طالب نہیں ہے۔ طالب ایک آدمِ خور ہے۔ طالب ایک دہشت گرد ہے۔ طالب اجتماعیت کا دشمن ہے۔ ایسا پروپیگنڈہ کیا ہے انہوں نے۔ میں مجاہدین کو کہتا ہوں کہ پنج شیر میں عوام کے ساتھ باقی صوبوں کی نسبت زیادہ اچھا برتاؤ کرو۔ وہاں کے لوگوں کے ساتھ زیادہ نرمی اور احتیاط کرو۔ کیونکہ اگر یہاں جنگ اور پروپیگنڈے کے بیس سال گزر گئے تو پنج شیر میں چالیس سال طالب کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے گزر گئے۔ مجھے مجاہدین نے بتایا کہ جب ہم پنج شیر میں داخل ہو گئے تو خواتین اور مرد پہاڑوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جب ہم نے ایک سفید ریش سے پوچھا آپ سب کیوں بھاگ رہے ہیں؟ تو اس نے کہا ہمیں تو یہی کہا گیا تھا کہ طالبان آئیں گے تو تمہاری عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالیں گے۔ یہ پرانے لوگ ہیں، یہ پاکستانی لوگ ہیں، یہ فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں۔ اسی طرح کا ذہن بناتے ہیں۔ پھر ہم نے بچوں میں چاکلیٹیں تقسیم کیں، ان کو کھانے پینے کی چیزیں دیں اور ان کو بتایا کہ ہم وہ نہیں ہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ ہم آپ کی عزت و ناموس کے محافظ ہیں۔ ہم آپ کے امن کے محافظ ہیں۔ ہم بد امنی پھیلانے والے نہیں ہیں۔ یہ اسی طرح کی ذہنیت بناتے ہیں۔ کیونکہ ان کفار اور ان کے معاونین نے (نظامِ باطل کے زیرِ سایہ) شہروں میں زندگی گزاری ہے اور وہاں لوگوں کے اسی طرح کی ذہنیت بنائی ہے۔

میں راستے میں آ رہا تھا۔ راستے میں ایک محافظ نے میرے ساتھ نامناسب برتاؤ کیا۔ مجھے اس نے روکا اور نامناسب رویہ دکھایا، یہ طریقہ مجھے پسند نہیں آیا، جو طریقہ آپ چیک پوائنٹ پر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو میں آگیا اور مسؤلین کو کہا کہ محافظ نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا۔ لیکن لائقِ ملامت میں خود ہوں کیونکہ آپ نے چیک پوائنٹ والے کو اصول و ضوابط نہیں سکھائے، آپ نے اس کو اس کی تعلیم نہیں دی ہے، تو وہ ایسا ہی کرے گا کیونکہ اس کو اصول کا پتا ہی نہیں۔ لہذا لائقِ ملامت آپ ہیں۔ علما کی مسؤلیت ہے کہ وہ لوگوں کی ذہن سازی کریں۔ علما کے پیچھے امارت کھڑی ہے۔ بے شک علما کے فتوے، علما کے حکم اور علما کے مشورے کی امارت میں کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ جو علما ذمہ داریوں پر ہیں ان پر فرض ہے کہ وہ کسی کے زیرِ اثر نہیں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا حکم انتہائی مضبوطی کے ساتھ چھوٹوں اور بڑوں پر نافذ کریں گے۔ دیکھیے میں ایک بار کہتا ہوں کہ میں اس قاضی سے بے زار ہوں جو بڑوں کے ساتھ

گزارہ کرتا ہے اور چھوٹوں پر فیصلے نافذ کرتا ہے۔ میں ان سے بے زار ہوں۔ آپ بھی ان سے بے زار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ بھی بے زار ہے۔ اس میں اللہ کی خاطر فرق نہیں کریں گے، مسئلہ چھوٹے کا ہو یا بڑے کا شریعت کا حکم نافذ کریں گے۔ میں افغانستان میں ایسی شریعت چاہتا ہوں جس میں چھوٹا بڑا دونوں برابر عدالت میں کھڑے ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ میں نہیں کر سکتا تو پھر میں بھی سر پر کفن باندھوں گا اور آپ بھی باندھیں گے لیکن اس کو نافذ کریں گے۔ یہ علما کی ذمہ داری ہے کہ دنیا والوں کو طالب کی پہچان کروائیں کہ طالب کون ہے؟ طالب کی ہمت و غیرت کا آپ سب نے مشاہدہ کیا، طالب کون ہے؟ افغانستان کے اندر طالب نے بیس سال مقابلہ کیا۔ اس نے قصداً کسی افغان کو نہیں مارا ہے۔ اگر کسی افغان کو مارا بھی ہو گا تو وہ افغان ہو گا جو کفار کی حمایت کرتا ہے۔ کفار نے افغانیوں پر ملین ہاڈلر اس لیے خرچ کیے کہ وہ طالب کا راستہ روکے اور افغانستان میں اپنے اہداف تک پہنچ جائے۔ جب طالب کے ہاتھ میں طاقت آتی ہے، تو وہ قاتل جس کا مقصد ہی افغانوں کا قتل عام تھا وہ جب اس زمین سے بھاگ رہا ہوتا ہے اس وقت اس کو عام معافی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ میں نے ان مسؤلین کو ذمہ داریوں سے ہٹایا ہے جن کے بارے میں مجھے علم ہوا ہے کہ انہوں نے عام معافی کے امر سے تجاوز کیا ہے۔ ان کو میں عدالت کے سامنے پیش کروں گا، ان کو ہرگز معاف نہیں کروں گا، جنہوں نے بے اطاعتی کی ہو۔ آپ مجھے دنیا بھر میں کوئی ایسی فوج دکھائیں جس نے اپنے امیر کے حکم پر دشمن پر تسلط ہونے کے باوجود اپنی بندو قوں کا رخ زمین کی طرف کیا ہو۔ آفرین اس طالب پر، جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی۔ طالب کو پہچانیے یہی طالب ہے۔ جس نے اپنی ملت کے لیے، افغانستان کے لیے اور امن کے لیے عہد کیا ہے اور اس عہد پر قائم ہے۔

دوسرے نمبر پر ذمہ داری تاجروں پر عائد ہوتی ہے۔ افغانستان کی آزادی اور استقلال کی حفاظت دوسرے قدم پر تاجروں کے ذمے ہے۔ تاجر افغانستان کے اندر ایسی منصوبہ سازی کریں، ایسی کمپنیاں بنائیں جس کے سبب سے افغانستان دنیا سے مستغنی ہو جائے۔ تاجروں کو کہنا چاہتا ہوں کہ ہمت کرو۔ اپنے ملک کے اندر سرمایہ کاری کو فروغ دو۔ یہ تمہارا ہی بچہ ہے تمہاری اولاد ہے ان کو اپنے مال میں سے اجر و ثواب کی نیت سے دیا کرو۔ جب تمہارا منافع دوسرے ملک میں ہوتا ہے تو وہ منافع اپنے ملک کے بچوں کو کیوں نہیں پہنچاتے۔ کیوں اپنے ملک کے کسی غریب کو نہیں دیتے۔ دوسرے ملک میں اس لیے سرمایہ کاری کرتے ہو کہ پانچ روپے زیادہ کمائو۔ آج اپنے ملک میں سرمایہ کاری کرو، ان پانچ روپے کو کم کر کے اس کا نفع اپنی اولاد، اپنے افغانستان اور ہم وطنوں کو پہنچاؤ۔ سرمایہ دار اور تاجر آجائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھا موقع فراہم کیا ہے۔ میں نے دس دن قبل اقتصادی کمیشن کے ایک ساتھی کو بلایا اور ان کو کہا کہ پورے افغانستان میں صنعت کاروں کو صنعتی پارک دے دیں، میں نے ان کو کہا کہ جگہ اور زمین کا انتخاب آپ کر کے میرے پاس اس کی درخواست دائر کریں اور جن صوبوں میں میوہ جات کی پیداوار زیادہ ہے وہاں میوہ جات کی منڈیاں بنائیں۔ اور معدنیات کے لیے ایسی منصوبہ

سازی کریں کہ یہ بہتر طریقے سے افغانستان کے فائدے کے لیے استعمال ہو۔ اپنے معدنیات سے استفادہ کریں۔ تاجر حضرات امارت اسلامیہ کے اقتصادی کمیشن کے ذریعے اقتصادی منصوبہ سازی اور سرمایہ کاری کریں۔ ان شاء اللہ اقتصاد ہمارا اتنا مضبوط ہو جائے گا کہ ہم اس ملک کے ہر آدمی کے لیے تنخواہ مقرر کر دیں گے۔ ہم اس کو تنخواہ دیں گے۔ دیکھیے یہ ایک سال سے نظام چل رہا ہے روز بروز یہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تمہاری سرمایہ داری کا فائدہ افغانستان کے بچے کو ہو گا۔ میں قندھار میں اپنے گھر سے نکلا، راستے میں آ رہا تھا میں نے بچوں کو دیکھا کہ انہوں نے کمر پہ بوری اٹھائی ہوئی ہے، پلاسٹک جمع کر کے اس بوری میں ڈال رہے ہیں۔ میں نے گاڑی کے ڈرائیور کو کہا، اپنے بیٹے کو کہا، دیکھو، ہم امارت کے بڑے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کو عصری اور دینی علوم حاصل کرنے کے لیے اچھے مدرسے میں داخل کروائیں۔ اپنے بچے کو مدرسہ لے جانے کے لیے ہم نے ایک گاڑی بھی کھڑی کی ہوتی ہے۔ یہ بچے کس کا ہے؟ کیا یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ کیا ان بچوں کے بارے میں اللہ پاک مجھ سے نہیں پوچھے گا؟ میں نے گورنر صاحب کو بلایا، ان سے پوچھا یہ بچے کس کے ہیں؟ ان بچوں کو میری اولاد ہی سمجھو۔ ان کو جمع کر کے ان کو ان کے والد کے پاس لے جاؤ اور اسے کہنا کہ اگر ان بچوں پر کو تعلیم دلوانی ہے تو ہم نے ان کے لیے ادھر کھلی مورچک میں مدرسہ بنایا ہے۔ ابھی ہمارے پاس کافی بچے ہیں۔ اور اگر ان کو کوئی ہنر سکھانا ہے تو اس کے لیے اپنا ادارہ موجود ہے وہاں ان کو لے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ غریب لوگ پیسے مانگ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ قندھار میں بیس گھرانے میری طرف سے منظور ہوئے ہیں، ان کو میں تنخواہ دوں گا۔ اے تاجر تمہارے صنعت کاری اور سرمایہ کاری کا فائدہ تو اس غریب بچے کو ملے گا۔ اس کو تعلیم ملے گی۔ اس کو پیشہ ملے گا۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے۔

جو جنگ کر رہے ہیں ان کو میں کہتا ہوں تم جنگ کس لیے کر رہے ہو؟ ہم تو جنگ اس لیے کر رہے تھے کہ ان کافروں نے ہمارے ملک پر قبضہ کیا تھا۔ ابھی ہمارے ملک پر کس نے قبضہ کیا ہے؟ آج تو تم یہ گولی شریعت اور اسلام پر چلا رہے ہو۔ کیا تم نے نہیں سنا ہم ہمیشہ کہتے آ رہے ہیں کہ ہم اسلامی نظام لائیں گے، اسلامی نظام لائیں گے۔ میں تمام افغان مسلمانوں کو اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آجائیں اگر ہم میں کوئی شرعی غلطی دیکھ رہے ہیں تو ہمیں متوجہ کریں ہم اس کی اصلاح کریں گے۔ تم جنگ کیوں کر رہے ہو؟ پہاڑوں میں کیوں جا رہے ہو؟ کیوں دوسروں کی باتوں میں آ رہے ہو؟ کیوں دوسروں کی خواہشات کے لیے اس ملک کو قربان کر رہے ہو؟ ”الفتنة نائمة لعن الله من أيقظها“..... ”فتنہ سو رہا ہے اس پر لعنت ہو جو اس کو جگائے۔“ تم کیوں اپنے آپ کو اللہ کے نزدیک ملعون بنا رہے ہو؟ لہذا آپ سب کو چاہیے کہ خیر کی طرف دعوت دیں۔ مثبت باتیں کریں۔ سیاسی لوگوں اور جنگ کرنے والے لوگوں کو بھی کہتے ہیں کہ پہاڑوں میں رہنا چھوڑ دو، ہم نے سب کے لیے عام معافی کا اعلان کیا ہے۔ آجائے آپ سب کا اپنا گھر ہے۔ اس افغانستان میں بیٹھ جاؤ۔ ہم شریعت کے

مطابق سب کو ان کے حقوق دیں گے۔ مزید لوگوں کو تکلیف سے دوچار نہ کرو۔ اختلافات پیدا نہ کرو۔ اگر عالم کے لباس میں کھڑے ہو کر اختلاف پھیلا رہے ہو تو اس اختلاف سے اپنے آپ کو نکال دو۔ سیاسی لباس میں ہو یا پیر کے لباس میں، جس لباس میں بھی مزید اختلافات سے اپنے آپ کو نکال دو۔ ایسا نہ ہو کہ قتال کا ہدف اور مقصد تو اسلام رکھا ہو..... یہ جو گروہ ہے جو کہتا ہے ہم تو (نام نہاد) اسلامی خلافت لائیں گے۔ اے بد بخت اسلامی خلافت، (جہاں اسلام نافذ ہے اس) اسلامی ملک پر لا رہے ہو۔ تم ہمارے پیچھے پڑے ہو۔ ہم تو اللہ اللہ کہہ رہے ہیں۔ تم آجاؤ ہمیں دیکھ لو ہمارا مقصد کیا ہے؟ تم آکر مسجد میں خود کو مار دیتے ہو وہاں حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیتے ہو۔ عجیب بات ہے، میں تو اس پر حیران ہوں، کہ تمہارے پاس ان مسلمانوں کے قتل کی کون سی دلیل ہے۔ مشائخ کرام حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں تم ان پر خود کش حملہ کرتے ہو، ان کو مارتے ہو۔ وہ عالم کیا کر رہا ہوتا؟ وہ قرآن اور احادیث کا درس دیتا ہے۔ تم اس پر حملہ کرتے ہو اپنے آپ کو مار دیتے ہو۔ مدرسے میں اپنے آپ کو پھاڑتے ہو۔ مسجد میں اپنے آپ کو پھاڑتے ہو۔ یہ تمہاری خلافت ہے؟! خلافت کس پر قائم کرو گے؟ یہ تو تمہاری بہت غلط فکر ہے۔ یہ جائز جنگ نہیں یہ تو حرام جنگ ہے، یہ بہت بری جنگ ہے۔ یہ ظلم و وحشت ہے، اس وحشت سے اللہ کی خاطر اپنے آپ کو دور کر دو۔

سیوریٹی سنبھالنے والے مجاہدین سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ نے قندھار میں امن قائم کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ تمام صوبوں میں اس مسلمان عوام کی حفاظت کیجیے۔ ان کی خدمت کیجیے، ان کی تکالیف کو رفع کر دیں۔ ان کے لیے اپنے دروازوں کو بند نہ کریں۔ مجھے یہ شکایتیں پہنچی ہیں کہ یہ مسئولین علما اور لوگوں کے ساتھ ملاقات نہیں کرتے ہیں۔ کوشش کیجیے، ان سے ملاقات کا ایک منظم طریقہ بنائیں، تاکہ لوگ مایوس نہ ہو جائیں۔ ان سے ملاقات کیجیے، ان کے مسائل سنیں۔ سیوریٹی سنبھالنے والے افراد دن اور رات اپنے نمبروں کو فعال رکھیں۔ گشت کیا کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: امداد طاوفان: بنگلہ دیش.....

اگر ہم ان نتائج کو قبول کر لیں، تو پھر ہم اپنی گفتگو آگے بڑھا سکتے ہیں کہ ایسی کوئی تحریک کیسے بپا کی جاسکتی ہے اور اسے کیسے کامیابی کے راستے پر ڈالا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

استغفار کے ثمرات

حضرت مولانا شاہ کلیم محمد اختر نور اللہ مرقدہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد

قفال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجاً ومن كل هم فرجاً ورزقه من حيث لا يحتسب". (سنن ابن ماجه)
مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث پاک آپ حضرات کو سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بزبان رسالت ﷺ اپنے خطاکار اور گناہ گار بندوں کے لیے ایک عظیم نعمت اور عظیم تدبیر عطا فرمائی ہے کہ اگر تم سے کچھ خطائیں ہوتی رہتی ہیں اور یقیناً کل بنی آدم خطاء، تم سب کے سب کثیر الخطاء ہو جیسے کہ اس کی شرح ملا علی قاری نے فرمائی ہے کہ خطاء کے معنی ہیں کثیر الخطاء، لیکن کثرت خطا کا علاج کیا ہے؟ کثرت خطا کا علاج کثرت استغفار و توبہ ہے، جیسا مرض ویسی دوا۔ لہذا فرمایا:

کل بنی آدم خطاء وخير الخطائين التواين. (جامع الترمذی)

بہترین خطاکار وہ ہے جو کثیر التوبہ ہے۔ لیکن توبہ کی شرائط کیا ہیں؟ اور توبہ کب قبول ہوتی ہے؟ اس کی تین شرطیں محدثین نے بیان کی ہیں۔

شیخ محی الدین ابوزکریا نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ توبہ کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اس گناہ سے الگ ہو جائے۔ بعض لوگ بے پردہ عورتوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں لا حول ولا قوۃ إلا باللہ..... مولانا! ذرا دیکھیے کیا بے پردگی ہے! لا حول بھی پڑھ رہے ہیں اور دیکھتے بھی جارہے ہیں، تو ایسا لا حول خود ان پر پڑتا ہے۔ ایسا استغفار دوسرے استغفار کا محتاج ہے، اس لیے توبہ جب قبول ہوتی ہے کہ اس گناہ سے انسان علیحدہ ہو جائے۔

۲۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس گناہ پر ندامت قلب بھی ہو، شرمندگی ہو۔ ندامت کی حقیقت تألم القلب ہے کہ قلب میں الم پیدا ہو جائے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ حضرات جانتے ہیں کہ جب انہیں پتا چل گیا کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ ہم سے ناراض ہیں تو قرآن پاک اعلان کرتا ہے، صَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ..... ساری کائنات ان پر تنگ ہو گئی اور، وَصَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ..... اور وہ اپنی جانوں سے بیزار ہو گئے۔ اور یہ محبت کے حقوق میں سے ہے، جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کی ناراضگی سے ایسا ہی اثر ہونا چاہیے۔ پس اگر گناہ ہو جائے تو اللہ کی ناراضگی اور غضب کے ساتھ کوئی چیز اچھی نہ لگے، بال بچے بھی اچھے نہ لگیں، کھانا پینا بھی اچھا نہ لگے، مکان بھی اچھا نہ لگے، ساری دنیا اس کی نگاہوں میں تنگ پڑ جائے اور اپنی جان سے بیزار ہو جائے، جب تک کہ دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر

اشکبار آنکھوں سے استغفار و توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کرے۔ حالتِ نارمانی میں اور حالتِ اصرار علی الذنب میں دنیا کی نعمتوں کو برتنا شرافتِ عبدیت کے خلاف ہے۔ بدایوں کا ایک شاعر تھا جس کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ محبت کے حق پر ایک شاعر کا شعر اور ذوق پیش کرتا ہوں۔ وہ ظالم کہتا ہے:

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبض کائنات
جب مزاج یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

یعنی میری بیوی جو ذرا سی ناراض ہو گئی تو مجھے ساری کائنات کی نبض ڈوبتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ لو بھائی! اپنی ہی نبض ڈوبتی ہوئی نہیں معلوم ہوئی، بلکہ کہتا ہے کہ ساری کائنات اندھیری نظر آرہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ محبت کے حقوق میں سے یہ ہے کہ محبوب کی ناراضگی سے ایسا حال ہو جاوے، اور یہ محبت تو مجازی اور چند دن کی محبت ہے اور عارضی وفانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہم پر کتنا ہے، اس کو تو ہم بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری رگ جان سے بھی وہ قریب تر ہیں۔ ہمارا وجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے موجود ہوا۔ ہماری دنیا و آخرت کے سارے مسائل اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ اگر ساری دنیا ہماری تعریف کرے تو اس تعریف سے ہمارا کچھ بھلا نہ ہو گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ نہ فرمادیں کہ میں تم سے راضی ہو گیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا شعر یاد آیا۔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اگر بہت سے لوگ تمہاری تعریف کریں تو تم اپنی قیمت نہ لگا لینا، کیونکہ غلاموں کے قیمت لگانے سے غلام کی قیمت نہیں بڑھتی، غلاموں کی قیمت مالک کی رضا سے بڑھتی ہے۔ لہذا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہاں ہماری خوب تعریفیں ہو رہی ہیں، لیکن وہاں ہماری قیمت کیا ہوگی یہ قیامت کے دن معلوم ہو گا۔ اور ان کا دوسرا شعر بھی سنائے دیتا ہوں، کیوں کہ عارضی حیات سے بعض وقت آدمی کو دھوکا لگ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

حیاتِ دو روزہ کیا عیش و غم
مسافر رہے جیسے تیسے رہے

کیونکہ جسے دنیا کا عیش حاصل ہو، ضروری نہیں ہے کہ اس کے قلب میں بھی عیش ہو۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

ازبروں چوں گور کافر پُر حلال

واندروں قہر خدائے عزوجل

اگر کسی کافر بادشاہ کی قبر پر سنگ مرمر لگا دیا جائے اور دنیا بھر کے سلاطین آکر وہاں پھولوں کی چادر چڑھادیں اور بینڈ بے نچ جائیں اور فوج کی سلامی ہو، لیکن

واندروں قہر خدائے عزوجل

قبر کے اندر جو اللہ کا عذاب ہو رہا ہے اس کی تلافی قبر کے اوپر کے سنگ مرمر نہیں کر سکتے اور اوپر کی روشنیاں اور بجلیاں اور دنیا والوں کے سلوٹ اور سلامی کچھ مفید نہیں ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کیا، چاہے ایئر کنڈیشن میں بیٹھے ہوں، بیوی بچے بھی ہوں اور خوب خزانہ ہے، ہر وقت ریالوں گنتی ہو رہی ہے اور بینک میں بھی کافی پیسہ جمع ہے، لیکن یہ ظاہر کا آرام ہے۔ یہ جسم ایک قبر ہے، جسم کے اوپر کا ٹھٹھا باٹ دل کے ٹھٹھا باٹ کے لیے ضروری نہیں۔ ایئر کنڈیشن ہماری کھالوں کو تو ٹھنڈا کر سکتے ہیں، مگر دل کی آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہیں تو جسم لاکھ آرام میں ہو، لیکن دل عذاب میں مبتلا رہے گا اور جین نہیں پاسکتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار

دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

اگر دل میں بہار ہے تو باہر بھی بہار ہے اور اگر دل ویران ہے سارا عالم ویران ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

آں یکے در سنج مسجد مست و شاد

ایک شخص مسجد کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر مست ہے۔ محبت و اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا ہے۔ اللہ کہنے میں اس کو اتنا مزہ آتا ہے کہ گویا ساری کائنات کی لذت کا کیپیول اس کے دل میں داخل ہو گیا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

نام بر چوبر زبانم می رود

ہر بئن مو از غسل جوئے شود

فرماتے ہیں جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں، جب میری زبان سے اللہ نکلتا ہے تو میرے بال بال شہد کا دریا ہو جاتے ہیں، اس کی دلیل دیوان شمس تبریز میں دیتے ہیں۔ دیوان شمس تبریز کے نام سے جو دیوان لکھا ہے، وہ مولانا رومیؒ ہی کا کلام ہے، لیکن اپنے شیخ کی طرف منسوب کر دیا۔ فرماتے ہیں:

اے دل اس شکر خوشتر یا آنکہ شکر سازو

اے دل! یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا پید ا کرنے والا زیادہ میٹھا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ گنوں میں رَس نہ پیدا کریں تو سارے گنے چھردانی کے ڈنڈوں کے بھاؤ بک جائیں، کوئی انہیں پوچھے گا بھی نہیں۔ اور فرماتے ہیں:

اے دل اس قمر خوشتر یا آنکہ قمر سازو

یہ چاند زیادہ حسین ہے یا جس نے چاند میں حسن پیدا فرمایا ہے وہ زیادہ حسین ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت جب اللہ والوں کو مل گئی تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دہلی کی جامع مسجد کے منبر سے سلاطین مغلیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے سلاطین مغلیہ! دیکھو، ولی اللہ سینے میں ایک دل رکھتا ہے اور اس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ جواہرات ہیں۔ بڑے بکس میں ایک چھوٹا صندوقچہ ہوتا ہے اور چھوٹے صندوقچہ کی قیمت سے اس بڑے بکس کی قیمت لگتی ہے، اگر بڑے بکس میں روٹی اور گدڑی اور بچوں کے پیشاب پاخانہ کے کپڑے بھرے ہوئے ہیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کی حفاظت بھی نہیں کی جاتی، لیکن اگر کسی بڑے بکس میں ایک چھوٹا صندوقچہ ہے، جس میں ایک کروڑ کا کوئی موتی رکھا ہوا ہے تو وہاں سنتری اور پھرے دار بھی ہوتا ہے، چھوٹے صندوقچہ کی وجہ سے بڑے بکس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے، لہذا ہمارے قلب میں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت، ایمان اور تقویٰ جیسی نعمتیں حاصل ہیں تو ہمارے ظاہر کی بھی حفاظت کی جائے گی۔

آج ہم کو اشکال ہوتا ہے کہ ہم اسرائیل سے کیوں پٹ گئے؟ ہندوستان میں ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ دنیا بھر میں مسلمان کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس صرف بڑے بکس ہیں اور پہلے سے بہت شاندار ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے ظاہر سے ہمارا ظاہر کہیں زیادہ مزین ہے، لیکن ان کے باطن میں جو قیمتی موتی تھا، آج ہمارے قلب اس سے خالی ہیں اور آج اس کی ہمیں ضرورت ہے، اور وہ کیا ہے؟ تعلق مع اللہ! اللہ تعالیٰ کی محبت، خشیت اور تقویٰ ہے۔ اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا تھا:

دلے دارم جواہر پارہ عشق است تحویش

کہ دارد زیرِ گردوں میر سامانے کہ من دارم

اے سلاطین مغلیہ! ولی اللہ اپنے سینے میں ایک دل رکھتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ موتی اور جواہرات ہیں۔ آسمان کے نیچے اگر مجھ سے زیادہ کوئی امیر ہو تو سامنے آئے۔ یہ ہیں اللہ والے کہ جب اللہ کی محبت عطا ہو جاتی ہے تو سلاطین کو خاطر میں نہیں لاتے۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

چو حافظ گشت بے خود کے شمارد

بیک جو مملکت کاؤس و کے را

جب حافظ شیرازی اللہ کے نام سے مست ہوتا ہے اور عرشِ اعظم سے بے قرب آتی ہے:

ہوئے آں دلبر چوں حیراں شود

جب محبوب حقیقی کی خوشبو عرشِ عظیم سے زمین پر آتی ہے تو اولیاء اللہ اور ان کے غلاموں کو کیا ہوتا ہے؟ اس وقت ان کا حال یہ ہوتا ہے:

ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

جتنی زبانیں ہیں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اللہ تعالیٰ کی محبت غیر محدود کی لذت کو یہ زبان مخلوق اور محدود اس کی تعبیر کرنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔ لہذا حافظ شیرازیؒ نے فرمایا:

چو حافظ گشت بے خود کے شمارد

بیک جو مملکت کاؤس و کے را

جب حافظ شیرازی اللہ تعالیٰ کی محبت سے مست ہوتا ہے تو کاؤس و کے کی سلطنتوں کو خاطر میں بھی نہیں لاتا، اور ایران کی سلطنتوں کو ایک جو کے عوض میں خریدنے کے لیے تیار نہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو شاہِ سنجر نے لکھا تھا کہ میں آپ کی خانقاہ پر ملکِ نیر و زوقف کرنا چاہتا ہوں، تو آپ نے اس کو لکھ بھیجا:

چوں چترِ شجرِی رُخِ بختم سیاہ باد

گر در دلم بود ہوسِ ملکِ سنجرم

مثل شاہِ سنجر کی چھتری کے میر انصیب بھی سیاہ ہو جائے اگر تیری سلطنت کی ہوس و لالچ مجھے ہو۔ فرماتے ہیں:

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب

جب سے مجھے آدھی رات کی سلطنت مل گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تہجد کا سجدہ نصیب ہو گیا ہے جیسا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سجدہ کی لذت اگر مل جائے تو مثل ابراہیم بن ادہم کے تم سلطنت کو چھوڑ دو گے۔

سبحان ربی الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے ’ی‘ لگوا دیا کہ چلتے پھرتے تو سبحان اللہ کہو، لیکن سجدے میں چونکہ انتہائی قرب ہے اور علیٰ قدمی الرحمن تمہارا سر ہے، لہذا اب اپنا رشتہ ظاہر کرو کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں، کہو کہ آپ میرے رہا ہیں۔ سبحان ربی الاعلیٰ، پاک ہے میرا رب جو بہت اعلیٰ ہے۔ اسی کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب

من ملکِ نمرود بیک جو نمی خرم

یعنی جب سے مجھے آدھی رات کی سلطنت کی خبر ملی ہے تو تمہاری سلطنت کو میں ایک جو کے عوض خریدنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا تھا کہ میاں اشرف علی! جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے اتنا مزہ آتا ہے کہ جیسے رب اللہ تعالیٰ نے میرا پیار لے لیا، اور جب تلاوت کرتا ہوں تو اتنا مزہ خدا مجھے دیتا ہے کہ تمہیں اگر وہ مزہ مل جائے تو کپڑے پھاڑ کر جنگل میں بھاگ جاؤ۔ اور فرمایا جنت میں جب میرے پاس حوریں آئیں گی تو میں ان سے کہوں گا کہ بی! اگر قرآن سننا ہو تو بیٹھو، ورنہ اپنا راستہ لو۔ دیکھو ہم لوگ کیا سوچ رہے ہیں اور اہل اللہ کیا سوچتے ہیں؟ ہماری سوچ میں اور ان کی سوچ میں کتنا فرق ہے! یہ عاشق ذاتِ حق ہیں۔ ایک سرکاری تنخواہ دار مولوی جو ریاست رام پور سے تنخواہ لیا کرتے تھے، شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحبؒ بخاری کا درس دے رہے تھے، درمیان میں ذرا سامو قع ملا تو جلدی سے بول پڑے کہ حضرت! انواب رام پور نے کہا ہے کہ اگر آپ ریاست میں آئیں تو میں آپ کو ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کروں گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو بہت رنج ہوا۔ فرمایا کہ ارے مولوی صاحب! لاکھ روپے پر ڈالو خاک، میں جو بات کہہ رہا ہوں اس کو سنو۔ پھر شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا:

جو دل پر ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں

تو دل کو یہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

یعنی ہم اپنے قلب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش دیکھتے ہیں تو ہمارا قلب انوابوں کی ریاست اور لاکھوں روپوں سے بے نیاز ہے، کیونکہ فیل بان جس سے دوستی کرتا ہے تو مع باقی کے آتا ہے، اس لیے اس کا دروازہ بھی بڑا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کے قلب کو اپنا نورِ خاص، تجلی خاص، قرب خاص عطا کرتے ہیں اس کے دل کو بہت بڑا بنا دیتے ہیں۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

ظاہر شِ راہِ پیرِ آردہ چرخ

باطن شِ باشد محیطِ ہفت چرخ

کسی ولی اللہ کا ظاہر تو اتنا کمزور ہو سکتا ہے کہ اگر مچھر کاٹ لے تو ناچنے لگے، لیکن اس کا باطن ساتوں آسمان کی گردش کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کا ایک شعر یاد آیا۔ فرماتے ہیں:

جب کبھی وہ ادھر سے گزرے ہیں

کتنے عالمِ نظر سے گزرے ہیں

اور اسی کو جگر مراد آبادیؒ نے یوں تعبیر کیا ہے:

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد

طواف کرتے ہوئے ہفت آسمان گزرے

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں دوستو! کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں لذت اور مٹھاس اس قدر ہے کہ زبان اس کی تعبیر سے قاصر ہے۔ تھانہ بھون میں ایک بزرگ تھے سائیں تو کل شاہ۔ حضرت

حکیم الامت تھانویؒ سے کہتے تھے کہ حضرت جی! مجھے اللہ کے نام میں اتنا مزہ آوے ہے کہ میرا منہ میٹھا ہو جاوے ہے (یہ تھانہ بھون کی زبان ہے)۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! میرا منہ میٹھا ہو جاوے ہے۔

شیخ محی الدین ابو زکریا نوویؒ نے حلاوتِ ایمانی کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حلاوتِ ایمانی اللہ تعالیٰ پر ہر اس شخص کو عطا فرماتے ہے جو ان اعمال کو اختیار کرتا ہے جن پر حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے۔ مثلاً اہل اللہ سے محبت رکھنا، بد نظری سے اپنی حفاظت کرنا وغیرہ یعنی جن اعمال پر حلاوتِ ایمانی کے وعدے وارد ہیں، ان سب کے سبب قلب کو اللہ تعالیٰ حلاوتِ ایمانی عطا فرماتے ہیں، لیکن بعض لوگوں کو حلاوتِ حبیبہ بھی عطا کر دیتے ہیں، یعنی ان کے منہ میں بھی مٹھاس محسوس ہو جاتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جس کو چاہیں عطا فرمادیں، لیکن قلب تو ہر ایک کا اس حلاوت کو پا ہی جاتا ہے، قلب کے اندر ایک سکون فوراً ہر ایک کو مل جاتا ہے۔

تو میرے دوستو اور عزیزو! میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ظاہر کے عیش کی جتنی فکر ہے، اس سے زیادہ ہمیں اپنے قلب کو باخدا بنانے کی فکر ہونی چاہیے اگر چین سے رہنا ہے، ورنہ ایئر کنڈیشن میں افکار و پریشانی اور مصیبتوں سے دل گرم رہے گا۔ ہزاروں لاکھوں ریالوں میں قلب افکار کی لاتوں اور گھونسلوں سے غزدہ، مٹوس اور پریشان رہے گا۔ اس لیے کہ ظاہر کا عیش باطن کے عیش کے لیے ضروری نہیں۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

آں یکے در کُنج مسجد مست و شاد
وال یکے در باغ ترش و نامراد

ایک شخص مسجد میں چٹائی پر مست ہے اور ایک باغ میں ہے، چاروں طرف پھول ہیں، لیکن غموں کے کانٹوں سے تنگین و نامراد ہے۔ یہ پھولوں میں رو رہا ہے اور وہ کانٹوں میں ہنس رہا ہے۔ اب کوئی کہے کہ یہ تو اجتماعِ ضدین ہے۔ غم میں اللہ تعالیٰ کیسے خوش کر دیتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ کیوں صاحب! یہ واٹر پروف گھڑیاں جو سوئٹزر لینڈ بنا رہا ہے، چاروں طرف پانی ہے، مگر پانی اثر کیوں نہیں کر رہا؟ یہ کیوں واٹر پروف ہے؟ اللہ اپنے عاشقوں کے قلب کو بھی غم پروف کر دیتا ہے۔ جس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نظر عنایت ہوتی ہے ہزاروں غم میں بھی وہ خوش اور بے غم رہتا ہے۔ وہ غم اس کی اصلاح اور تربیت کے لیے ہوتے ہیں، اس کی ایمانی ترقیات کے لیے ہوتے ہیں، مگر اس وقت بھی وہ اندر اندر مست اور خوش رہتا ہے، چاہے وہ رو بھی رہا ہو، آنکھیں اشکبار ہوں غم سے، مثلاً اپنے بچوں کی بیماری سے یا اپنی بیماری سے، مگر اس کے قلب میں پریشانی نہیں گھستی اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کی دلیل شامی کباب ہے۔ مرغ والا شامی کباب ایک شخص کھا رہا ہے، آنسو بہہ رہے ہیں، ذرا اس سے کوئی کہہ تو دے کہ میاں آپ کچھ مصیبت میں معلوم ہو رہے ہیں، یہ شامی کباب چھوڑ دیجیے، آپ بلا وجہ رو رہے

ہیں، آپ نہ کھائیے، مجھے دے دیجیے، تو وہ کیا کہے گا کہ دل اندر اندر لذت لے رہا ہے، میں اندر لذت در آمد کر رہا ہوں، یہ مزے داری کے آنسو ہیں، یہ غم کے آنسو نہیں ہیں۔

اسی طرح اگر اللہ کو راضی کر لیا جائے، ہر نافرمانی چھوڑ دی جائے، کیوں کہ نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت دور ہو جاتی ہے، ہر معصیت خدا سے دور کرتی ہے، معصیت کی خاصیت ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی اللہ سے دور کرتا ہے اور نیکی کی خاصیت ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اللہ سے قریب کرتی ہے، لہذا جتنے گناہ ہیں ان کو زہر سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اور صالحین کی صحبت میں رہا جائے اور اللہ کا نام لیا جائے تو اللہ قلب کو غم پروف کر دیتا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں ہر وقت مست و شاد رہتا ہے، جتنے بھی غم ہیں وہ دل کے باہر ہی باہر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت جب کسی پر ہوتی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ میں اس بندے کو خوش رکھوں تو دنیا کے حوادث اس کو غمگین نہیں کر سکتے۔ اب مولانا جلال الدین رومیؒ کا شعر سنئے، وہ فرماتے ہیں:

گر اوخواہد عین غم شادی شود
عین بندِ پائے آزادی شود

اگر اللہ تعالیٰ فیصلہ کر لے کہ میں اس بندے کو خوش رکھوں تو غم کی عینیتِ مصطلح یعنی اصطلاحاً جو عینیت ہے، یعنی غم کی ذات کو اللہ تعالیٰ خوشی بنا دیتا ہے (یہ حضرت حکیم الامتؒ کی شرح ہے کلید مثنوی دفتر ششم میں)۔ دنیا والے تو غم کو ہٹائیں گے اور خوشی کے اسباب لائیں گے، آگ کو ہٹائیں گے اور پانی لائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ اجتماعِ ضدین پر قادر ہے، وہ آگ کو پانی بنا دیتا ہے اور غم کی ذات کو خوشی بنا دیتا ہے اور پاؤں کی بیڑی اور قید کو آزادی بنا دیتا ہے۔

چنانچہ سیدنا یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں ڈالے گئے تو انہوں نے کیا فرمایا؛ رب السجن احب الی..... اے میرے رب! یہ آپ کی راہ کا قید خانہ ہے، آپ کی وجہ سے قید خانے جا رہا ہوں اور جہاں آپ ہوں، خالق گستاں جہاں ہو وہ قید خانہ نہیں رہتا، وہ مجھے احب ہے۔ اسی کو میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے پیارے ہیں، اتنے محبوب ہیں کہ جن کی راہ کے قید خانے ہوتے احب ہیں ان کی راہ کے گستاں کیسے ہوں گے۔

دوستو! اگر خدا کی راہ میں نظر کی حفاظت کرنے میں، گناہ کے چھوڑنے میں ایک کاٹنا بھی چھ جائے اور دل میں غم پیدا ہو جائے تو واللہ! ساری دنیا کے پھول اگر اس کاٹنے کو سلامی پیش کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ کے کانٹوں کی عظمت کا حق ساری دنیا کے پھول اپنی سلامی سے ادا نہیں کر سکتے۔ خدا کی نافرمانی چھوڑنے میں جو دل کو غم آیا ہے، ساری دنیا کی خوشیاں اگر اسے سلام کریں تو اس غم کی عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے کا کاٹنا ہے، خدا کے راستے کا غم ہے، اس کی قیمت کچھ نہ پوچھو، اس کی قیمت انبیاء اور اولیاء کی جانیں سمجھتی ہیں۔ اس لیے وہ ہر حال میں مست و شاد رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کے دل کو ہر وقت خوش رکھتا ہے، پریشانی اور غم ان کے دل تک نہیں پہنچ سکتے،

باہر باہر رہتے ہیں۔ خوشی اور غم دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں اور کانٹوں کے ساتھ دل کیسے مسکرا سکتا ہے؟ اس پر میرا ایک شعر ہے:

صدمہ و غم میں مرے دل کے تبسم کی مثال
جیسے غنچہ گھرے خاروں میں چنگ لیتا ہے

اگر کلیوں کو یہ نعمت مل سکتی ہے کہ وہ کانٹوں میں کھل جائیں تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص بندوں کے قلوب کو تسلیم و رضا کی برکت سے عین غم کی حالت میں خوش نہیں رکھ سکتا؟ میرا ایک شعر ہے:

اس خنجر تسلیم سے یہ جانِ حزیں بھی
ہر لحظہ شہادت کے مزے لوٹ رہی ہے

جس حالت میں اللہ رکھے، بندے کا کام ہے کہ راضی رہے۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تسلیم و رضا کی برکت سے وہ ہر حال میں خوش رہے گا۔ مجھے اپنا ایک شعر اور یاد آیا:

زندگی پُر کیف پائی گرچہ دل پُر غم رہا
اُن کے غم کے فیض سے میں غم میں بھی بے غم رہا

یہ تسلیم و رضا بہت بڑی چیز ہے۔ حکیم الامت تھانویؒ نے میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے پوچھا تھا کہ بتاؤ! اخلاص سے اونچا کیا مقام ہے؟ حضرت نے عرض کیا کہ مجھے نہیں معلوم، فرمایا کہ تسلیم و رضا، اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہنا۔ اس تسلیم سے بہت بڑا انعام ملتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا:

ترے غم کی جو مجھ کو دولت ملے
غمِ دو جہاں سے فراغت ملے

اللہ تعالیٰ کا غم بڑا ہی لذیذ ہے۔ میاں! یہ انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے راستے میں آدمی جان لیتا ہے لیکن سینکڑوں جان عطا کرتا ہے:

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
انچہ در و ہمت نیاید آں دہد

اس لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور معرفت عطا فرمادی وہ سب گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ جگر مراد آبادی نے شراب چھوڑ دی، داڑھی رکھ لی حالانکہ اتنا پیتا تھا کہ مشاعرے میں لوگ اٹھا کر لے جاتے تھے۔ خود کہتا ہے کہ:

اب ہے روزِ حساب کا دھڑکا
پینے کو تو بے حساب پی لی

لیکن جب اللہ کا خوف آیا تو بہ کر لی اور حضرت حکیم الامت سے جا ملا، دُعا کرائی کہ حضرت! دعا کر دیجیے کہ شراب چھوڑ دوں، حج کر آؤں اور داڑھی رکھ لوں۔ داڑھی ایک مشت پوری رکھ لی، شراب چھوڑ دی۔ ڈاکٹروں کے بورڈ نے کہا کہ شراب نہ پی تو مر جاؤ گے۔ کہا کہ مر جاؤں گا، لیکن اگر شراب پیتا رہا تو کب تک زندہ رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ دو چار سال اور گاڑی چل جائے گی، فرمایا کہ اللہ کے غضب کے ساتھ جینے سے بہتر ہے کہ جگر اسی وقت شراب چھوڑنے سے مر جائے کیونکہ اس وقت اللہ کی رحمت کے سائے میں جگر کی موت ہوگی، اور اگر پیتا ہوا مروں گا تو اللہ کے غضب کے ساتھ موت آئے گی، اس سے بہتر ہے کہ میں ابھی مر جاؤں۔ پھر اللہ کی رحمت سے جگر صاحبِ خوب بیجے اور خوب اچھی صحت بھی ہوگئی، اور سنت کے مطابق داڑھی رکھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے ایک شعر کہلادیا:

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

میرٹھ میں ایک باریہ تانگے میں بیٹھے ہوئے تھے اور تانگے والا ان کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ اس ظالم کو خبر نہیں تھی کہ جگر آج داڑھی لیے ہوئے صحیح معنوں میں مسلمان بنا ہوا میرے تانگے میں بیٹھا ہوا ہے۔ جگر اس شعر کو سن کر رونے لگے کہ اللہ! آپ نے اپنی عطا سے پہلے ہی یہ شعر کہلوا دیا اور نافرمانی اور گناہ سے نجات عطا فرمائی۔

تو میرے دوستو! یہ عرض کر رہا تھا کہ پاجامہ ٹخنے سے اوپر کرنا، ایک مشت داڑھی رکھنا، بد نظری کو چھوڑنا، غیبت چھوڑنا، اپنے کو سب سے حقیر سمجھنا، یعنی تمام ظاہری و باطنی احکام کو بجالانا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اہل اللہ کی صحبتوں کا اہتمام ضروری ہے۔ اہل اللہ کی صحبتوں سے یقین منتقل ہوتا ہے۔ صالحین کی صحبت کی اہمیت بخاری و مسلم کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ سو قتل کے مرتکب ہوا کہ جاؤ ایک قریہ صالح ہے، وہاں تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی یہ شان ہے کہ جس زمین پر وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، سبحان اللہ، الحمد للہ کہتے ہیں، اشکبار آنکھوں سے آنسو گر ادیتے ہیں، اس زمین کو خدا یہ عزت دیتا ہے کہ اس بستی میں سو قتل کرنے والے کی توبہ کی قبولیت کی قید لگ رہی ہے، جبکہ اس قادرِ مطلق، غفار اور تواب کی طرف سے ہر زمین پر یہ مغفرت ممکن تھی لیکن اپنی عنایات اور رحمتِ خاصہ کے ظہور و نزول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کی سر زمین کو تجویز فرمایا۔ اس سے اللہ والوں کی عظمت اور قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ صالحین کی بستی کا نام نصرۃ اور گناہوں والی بستی کا نام کفرۃ تھا اور وہ شخص صالحین کی اس بستی تک پہنچ بھی نہ سکا کہ راستے میں موت آگئی۔ فناء بصدردہ نحوھا..... پس مرتے وقت اپنے سینے کا رخ اس بستی کی طرف کر دیا اور اس ادا پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمادیا اور کیسے فضل فرمایا؟ عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اسے ہم لے جائیں گے، کیوں کہ اس بستی تک نہیں پہنچا اور رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ تو اس طرف چل دیا تھا۔ موت تو اس کے اختیار میں نہیں تھی، لہذا اسے

ہم لے جائیں گے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرشتہ بھیجا۔ اس نے کہا کہ قیسوا ما بینہما..... دونوں بستیوں کے فاصلوں کی پیمائش کر لو اور ادھر صالحین کی بستی کو حکم دیا کہ تقرباً..... تو تھوڑی سی قریب ہو جا کہ تجھ پر اہل تقرب رہتے ہیں اور گناہوں والی بستی سے فرمایا تباعدی..... تو دور ہو جا کہ تجھ پر اہل تباعد رہتے ہیں، جو مجھ سے دور ہیں اور اس کا نام محدثین نے فضل فی صوۃ عدل رکھا ہے۔ یہ فضل بصورتِ عدل ہے، یعنی فرشتوں سے تو پیمائش کر رہے ہیں اور کام خود بنا رہے ہیں۔ اس پر مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا شعر یاد آیا:

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظام تھا، ورنہ وہ بستی دور تھی:

عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے

ارے اگر تھوڑا سا ہم ان کا نام لے لیں اور ان کو استغفار کر کے راضی کر لیں تو مستغفرین بھی متقین کے درجہ میں ہو جائی گے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

یہاں یہ بات ثابت ہو گئی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے لیے پہرا دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ لہذا مسلمانوں کے باقی امرا کی حفاظت کے لیے پہرا دیا جائے، ان کو دشمن نقصان پہنچا سکتا ہے کیونکہ ان کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے نہیں کیا ہے اور نقصان سے بچنے کے لیے ایک اہم راستہ یہ بھی ہے کہ ان کے جگہ کی حفاظت کی جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ پہرہ بھی دیا جائے، خصوصاً ان اقدامات کی ضرورت آج کل کے حالات میں زیادہ اہم ہے۔

(وما علینا إلا البلاغ المبین!)

بقیہ: بیت المال کی گاڑیوں سے متعلق فتویٰ

6. "درر الاحکام" شرح "مجلة الاحکام" (ص 53، ج 1، ط: مکتبہ حنفیہ، کویتا)
 7. "شرح المجلة" لمحمد خالد الاتاسی (ص 163، ج 1، جزء اول، ط: مکتبہ حنفیہ، کویتا)
 8. "الموسوعة الفقهية" (ص 265-266، ج 8، ط: مکتبہ میا عبد الحکیم، قندھار)
- استفتاء نمبر: ۴۴۸۔ فتویٰ نمبر ۴۴۸۔ تاریخ استفتاء: ۲۲/۱/۱۴۳۲ھ ق۔ تاریخ صدور فتویٰ: ۱۸/۲/۱۴۳۲ھ ق۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: امیر المومنین کی ہدایات

۸۔ مجاہدین کو چاہیے کہ اپنے امیر کے رہنے کی جگہ کو خفیہ رکھیں تاکہ دشمن کے ممکنہ حملے سے حفاظت میں رہے۔

کیونکہ الحرب خدعة (جنگ دھوکہ ہے)، اور اسی طرح اس قسم کے واقعات دشمن کے پروپیگنڈے کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں اور مسلمانوں کو غمگین کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ مجاہدین کے لیے لازم ہے کہ اپنے امرا اور قائدین کی حفاظت کریں، تاکہ دشمن کے ضرر سے حفاظت میں رہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرا دیا جاتا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہو گئی: وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ..... اور اللہ تمہیں لوگوں (دشمنوں) سے بچائے گا...، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے خیمے سے سر باہر نکالا اور ان کو کہا: "اے لوگو! واپس چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لیا ہے۔"

ہمیں لڑتے رہنا ہے!

"ہمیں لڑتے رہنا ہے حتیٰ کہ ہم تمام مسلمان سرزمینوں کو قابض افواج سے پاک کر دیں اور مسلمان ممالک سے ظالم و فاسد حکمرانوں کو بے دخل کر کے ایک ایسی شرعی حکومت قائم کریں جو فساد کو ختم کر کے عدل کو عام کرے۔ ہمارے لیے عسکری قتال، دعوتی جدوجہد، سیاسی نظام کی تبدیلی اور اجتماعی اصلاح کی شکل میں جہاد کے متنوع محاذ کھلے ہوئے ہیں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم امت کے ساتھ مل کر اس کے دفاع اور دشمن کی تباہی کی جنگ لڑیں۔"

(امیر المجاہدین العرب والجمع، فضیلتہ الشیخ ایمن الظواہری)

أشراط الساعة

امن کا پھیلنا

حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے قریب امن پھیل جائے گا اور عام ہو جائے گا، جبکہ یہ تذکرہ بھی ملتا ہے کہ قیامت کے قریب فتنہ عام ہو جائے گا۔ چونکہ ان دونوں کا ذکر ایک ہی حدیث میں ملتا ہے لہذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات مختلف زمانوں میں وقوع پذیر ہوں گے۔ جب بھی لوگ اسلام کی اتباع کریں گے، امن پھیلے گا اور مستحکم ہو گا۔ اور جب کبھی دین پر عمل و اتباع میں کمی آئے گی، فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری میں بھی اضافہ ہو گا۔

حضرت خباب بن ارتؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے صحابہؓ کو درپیش مشکلات اور مصائب و تکالیف کی شکایت کی۔ یہ اوائل اسلام کے دن تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس بات پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور غصے کے آثار چہرہ مبارک سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ اوائل اسلام کے وہ مشکل ترین دن تھے جب دشمنان اسلام کی مخالفت اور سختیاں اپنے عروج پر تھیں۔ صحابہ کرامؓ بے پناہ مشکلات و مصائب سے گزر رہے تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں جلد بازی سے روکا اور صبر و برداشت کی تلقین کی۔

عَنْ خَبَابِ بْنِ الْأَرْتِ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكُخْبَةِ قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُخْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمُنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِأَنْتَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمَشِّطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّكَّابُ مِنْ صَنْعَائِ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوْ الذَّنْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت بطور شکایت کے عرض کیا جب کہ آپ ﷺ اپنی چادر اوڑھے ہوئے کعبہ کے سائے میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ ہمارے لیے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: ”تم سے پہلے بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، وہ اس میں کھڑے کر دیے جاتے، پھر آرا چلایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ روکتا تھا۔ نیز

لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر پھیری جاتی تھیں اور یہ بات ان کو ان کے دین سے نہ روکتی تھی!“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے تم سے زیادہ آزمائشیں اور سختیاں جھیلیں اور اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! یہ دین (اسلام) کامل نہ ہو گا حتیٰ کہ اگر ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا لیکن اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا اور نہ کوئی شخص اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف کرے گا لیکن اس معاملہ میں تم غلت چاہتے ہو۔“

صنعاء اور حضر موت قبائلی علاقے تھے جہاں بد امنی اور لوٹ مار اس قدر زیادہ تھی کہ جب کبھی کوئی قافلہ وہاں سے گزرتا، وہ اپنے ساتھ حفاظت کے لیے ایک فوج لے کر گزرتا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ برحق ثابت ہوئے اور اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ان علاقوں نے فی الواقع ایسا امن دیکھا، اور باذن اللہ یہ پیشین گوئی مستقبل میں بھی دوبارہ پوری ہو گی۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَعُودَ أَرْضُ الْحَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا وَحَتَّى يَسِيرَ الرَّكَّابُ بَيْنَ الْعِرَاقِ وَمَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا ضَلَالَ الطَّرِيقِ

مسند احمد میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک سر زمین عرب دریاؤں اور نہروں سے لبریز نہ ہو جائے اور جب تک ایک سوار عراق اور مکہ کے درمیان سفر کرے اور اس سفر میں سوائے راہ بھٹکنے کے کوئی اور اندیشہ نہ ہو۔“

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے آئے۔ عدیؓ عرب کے شمال میں بسنے والے ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے، ان کے والد اپنی سخاوت کے لیے مشہور تھے، عقیدے کے اعتبار سے عدیؓ اور ان کا قبیلہ عیسائی تھے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرُخْ عَنْكَ هَذَا الْوَتْنَ وَاسْمِعْنِي يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةِ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ أَمَا إِيَّاهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَمُوهُ

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عدی اس بت کو اپنے سے دور کر دو۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو سورۃ التوبہ کی یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا اَتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُؤَسَاءَهُمْ اَرْبَابًا قُلُوبُهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ يَتَّبِعُونَ اَمْرَهُمْ وَهُمْ لَا يَحْكُمُونَ (انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا ہے)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن اگر وہ (علماء اور درویش) ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور اسی طرح ان کی طرف سے حرام کی گئی چیز کو حرام سمجھتے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عدی کو اسلام کی دعوت پیش کی، اور ابھی عدی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے اس کی ضرورت پوری کی۔ عدی مزید بیان کرتے ہیں

قَالَ بَيْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ أَتَاهُ آخَرٌ فَشَكَا إِلَيْهِ فَطَعَّ السَّبِيلَ فَقَالَ يَا عَدِيُّ هَلْ رَأَيْتَ الْحَبِيرَةَ قُلْتُ لَمْ أَرَهَا وَقَدْ أُنبِئْتُ عَنْهَا قَالَ فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَنَّ الظَّلْعَيْنَةَ تَزْتَجِلُ مِنَ الْحَبِيرَةِ حَتَّى تَطْلُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي فَأَيُّنَ دُعَاؤُ طَيِّبٍ الَّذِينَ قَدْ سَعَرُوا الْبِلَادَ

عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک صاحب آئے اور آپ ﷺ سے فقر و فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرے صاحب آئے اور راستوں کی بد امنی کی شکایت کی، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟ (جو کوفہ کے پاس ایک بستی ہے)۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام میں نے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج میں ایک عورت اکیلی حیرہ سے سفر کرے گی اور (مکہ پہنچ کر) کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا اسے کسی کا بھی خوف نہ ہوگا۔ میں نے (حیرت سے) اپنے دل میں کہا، پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہوگا جنہوں نے شہروں کو تباہ کر دیا ہے اور فساد کی آگ سلگا رکھی ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں پر ابھی خوشحالی نہیں آئی تھی، اور وہ سختی اور تنگدستی کے دن گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد غلاموں پر مشتمل تھی۔ عدی بن حاتم ایک بڑے قبیلے کے سردار اور نصرانیوں میں صاحب حیثیت شخص تھے۔ شاید عدی نے یہ تاثر لیا کہ اسلام غربا و مساکین کا دین ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات محسوس کر لی اور اس لیے انہیں یہ بشارت دی تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی مشکلات اور ان کا فقر و تنگدستی دیکھ کر اس دین کے بارے میں اپنی رائے نہ بنائیں۔

عدی کا یہ کہنا کہ میں نے سوچا کہ ”طے کے ڈاکو اور لٹیرے اس وقت کہاں ہوں گے؟“، یہ اس بنا پر تھا کہ وہ خود اس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی قوم کی عادات و صفات سے واقف تھے۔

اس قبیلہ کے لوگ عراق اور حجاز کے درمیان آباد تھے، ان کے قریب سے جو بھی گزرتا تھا وہ ان پر حملہ کر کے اس کا سارا سامان لوٹ لیا کرتے تھے، اسی لیے عدی کو تعجب ہوا کہ میرے قبیلے والوں کی موجودگی میں ایک عورت تنہا امن و امان کے ساتھ کیسے سفر کرے گی؟

حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک زندہ رہا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو حقیقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ، بالخصوص اس کے شروع کے زمانے میں، اسلامی تسلط والے علاقوں نے بے مثال و بے نظیر امن کا مشاہدہ کیا۔ ایک عرصہ یہ علاقے امن و سکون کے مزے لوٹتے رہے یہاں تک کہ دین سے دوری اور مسلمانوں کی بد اعمالیوں کے سبب آہستہ آہستہ یہ امن خراب ہوتا گیا۔ مگر احادیث میں وارد پیشین گوئیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے ایک بار پھر امن قائم ہو گا۔ یہ امن یقیناً امام مہدی اور حضرت عیسیٰ کے زمانے میں آئے گا جب یہ اپنی کامل شکل میں پھیل جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حجاز میں آگ کا ظہور

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضَيُّ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى

بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ حجاز کی زمین سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔“

سرزمین حجاز سے مراد مکہ و مدینہ کا علاقہ ہے۔ جبکہ بصرہ سے مراد شام کی ایک بستی ہے، یہاں عراق میں واقع بصرہ مراد نہیں۔ بصرہ و حجاز میں سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ اس علامت کے بارے میں اہل علم کا قول ہے کہ یہ ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ آگ درحقیقت ایک آتش فشاں کی آگ تھی جو مدینہ کے قریب واقع تھا۔ امام نوویؒ کے زمانے میں یہ آتش فشاں پھٹ گیا اور آگ ظاہر ہوئی۔ امام نوویؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ”۶۵۳ھ میں مدینہ میں ایک بہت بڑی آگ کا ظہور ہوا۔“

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ”ان العراب ببصرہ شاهدوا اعناق الابل في ضؤ النار“

بصرہ کے بدو آگ کی روشنی کی جھلک میں اپنے اونٹوں کی گردنیں دیکھ سکتے تھے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ہمارا گمان ہے کہ مدینہ کا یہ آتش فشاں ہی وہ آگ تھی جس کا تذکرہ احادیث رسول اللہ ﷺ میں ملتا ہے، اسی طرح کے اقوال امام قرطبیؒ اور دیگر علماء سے بھی منقول ہیں۔

ترکوں کے ساتھ جنگیں

ترکوں سے محض اناطولیہ اور ترکی میں رہنے والے لوگ مراد نہیں۔ ترکی میں بسنے والی ترک قوم درحقیقت ترکان سے ہجرت کر کے آنے والوں کی نسل ہیں، اور اس قوم کے لوگ اور قبیلے چین و منگولیا تک پھیلے ہوئے ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرُكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأَنْفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُ الْمُطْرَقَةُ وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ.

بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ ”قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ تم ترکوں سے جنگ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی، رنگ سرخ، ناک اور چہرے ایسے چوڑے ہوں گے جیسے چوڑی ڈھالیں اور قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ تم ایسے لوگوں سے جنگ کرو گے، جو بالوں کی جوتیاں پہنے ہوں گے۔

حدیث میں مذکور خدو خال اور نقشہ منگول قوم اور اہل تاتارستان کا ہے۔ اس قوم کے لوگ اون سے بنے ہوئے کپڑے اور جوتے استعمال کرتے تھے۔ ان سے جنگیں تو ابتدائے اسلام ہی سے شروع ہو گئی تھیں اور مسلمانوں نے ایسے لوگوں سے جنگیں کیں جن کا حلیہ اور شکل و صورت بعینہ حدیث میں مذکور ناک نقشہ کے مطابق تھی۔ پھر منگول قوم نے ایک طوفانی اہر کی صورت مسلم علاقوں پر حملہ کیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ چنگیز خان، تیمور لنگ اور ہلاکو خان کی قیادت میں اس قوم نے ایسی خونریز جنگیں لڑیں کہ جن سے وسیع پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلی۔ اسلامی دنیا کے علاوہ یہ مشرقی یورپ اور روس تک پھیل گئے، اور جہاں کہیں جاتے علاقے فتح کرتے، خون کے دریا بہاتے اور لاشوں کے انبار لگا دیتے۔ یہ ایک بے حد مضبوط، جنگجو اور زور آور قوم تھی۔

جب یہ بغداد میں داخل ہوئے تو انہوں نے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور ان کے اپنے دعوے کے مطابق انہوں نے ۲۰ لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا۔ یہ مسلمانوں کو قتل کرتے اور ان کی کھوپڑیاں جمع کر کے ان سے اونچے اونچے مینار بناتے۔ انہوں نے بغداد کے کتب خانوں میں موجود کتابوں کو دریائے فرات میں پل بنانے کے لیے استعمال کیا۔ یہ کتابیں ہزاروں لاکھوں مسلمان اذہان کی محنتوں کا ثمر تھیں۔ ایک ایسے وقت میں جب پرغز کا کوئی وجود نہیں تھا، یہ کتابوں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اصلی نسخے تھے۔ اس قوم نے اس زمانے کی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری میں ایسا صفایا پھیرا کہ ایک کاغذ کا ٹکڑا بھی نہ چھوڑا اور سب کچھ دریاؤں میں بہا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ دریا کا پانی کتابوں کی روشنائی سے کئی دنوں تک سیاہ رہا۔

لیکن سبحان اللہ!..... کہ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ مزید فرماتے ہیں: ”..... لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَحَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرُكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ

الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأَنْفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُ الْمُطْرَقَةُ وَتَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كِرَاهِيَةً لِهَذَا الْأَمْرِ حَتَّى يَقَعَ فِيهِ وَالنَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ.....“

”..... اور تم ان میں سے اچھے اشخاص کو بھی پاؤ گے کہ وہ سب سے زیادہ امارت (کا مقام اپنے لیے قبول کرنے) سے نفرت کرنے والا ہو گا یہاں تک کہ اس کو مجبور کیا جائے گا۔ لوگوں کی مثال معدن اور کان کی طرح ہے، ان میں جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں بھی اچھے ہیں.....“

منگول قوم اگرچہ فاتح تھی اور اسلامی دنیا پر قابض و حاکم ہو گئی، اس قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس واقعے کی نظیر آپ کو تاریخ میں نہیں ملے گی کہ حاکم و فاتح محکوم و مفتوح کا دین اور طریقہ قبول کر لے، اسے اپنالے۔ ہارنے والی قوم فاتحین کی اتباع کرتی ہے، شکست کھانے والے طاقتور اور جیتنے والے کی نقل کرتے ہیں، ان کے طور طریقے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر منگولوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اگرچہ اس تبدیلی کے رونما ہونے میں ایک طویل وقت لگا، مگر منگول قوم نے اسلام کو بحیثیت دین اپنالیا۔

ابن تیمیہؒ کے زمانے میں جو تاتاری مسلمانوں سے جنگیں لڑ رہے تھے، وہ اسلام قبول کر چکے تھے، اس کے باوجود وہ مسلم دنیا میں فتنہ و فساد اور خونریزی کر کے اسے تباہ کر رہے تھے۔ انہیں اسلام میں صحیح سے داخل ہونے اور اسے سمجھنے، اور پھر سمجھ کر اپنانے میں بہت وقت لگا۔ حتیٰ کہ یہ اسلام کے سب سے بڑے پاسان بن گئے۔

سلطنت عثمانیہ کی بنا ڈالنے والے کون لوگ تھے؟ یہ وسطی ایشیائی علاقوں سے آنے والے ترک قوم کے لوگ تھے جنہوں نے ترکی فتح کیا، جو اس وقت مشرقی رومی (بازنطینی) سلطنت کا حصہ تھا۔ ترکوں کے اس چھوٹے سے قبیلے نے اناطولیہ کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ قبیلہ اگرچہ چھوٹا تھا، اس کے باوجود یہ اپنے ارد گرد بسنے والے رومیوں سے جنگ چھیڑے رکھتے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے علاقے میں توسیع کی، یہاں تک کہ پوری بازنطینی سلطنت کو ختم کر ڈالا۔ یہ ایک قبیلے سے شروع ہوئے، جس نے بازنطینی سلطنت کو ختم کر ڈالا اور پوری مسلم دنیا پر اپنی حکمرانی و خلافت قائم کی۔

یہ دین کے سب سے بڑے دشمن تھے، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ یہ اسلام کے سب سے بڑے محافظ اور نگہبان بن گئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے مصداق تھے کہ جو شخص جاہلیت میں سب سے اچھا ہوتا ہے، وہی اسلام میں بھی اچھا ہوتا ہے۔ اسی کی ایک اور مثال عمر بن الخطابؓ کی ہے۔ آپؓ زمانہ جہالت میں اسلام کے کمزور ترین دشمن تھے، مگر اسلام قبول کرنے کے بعد بعد از رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر الصدیقؓ، افضل الصحابہؓ ہیں۔

امانت و دیانت کا زائل ہونا

قیامت کی ایک علامت لوگوں میں جھوٹ کا عام ہو جانا ہے۔ عوام میں جھوٹ اور بددیانتی اس قدر پھیل جائے گی کہ اعتبار ختم ہو جائے گا۔ مگر اس علامت سے مراد محض جھوٹ اور خیانت نہیں، بلکہ یہاں ایک مخصوص قسم کی امانت داری مراد ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ إِذَا أُمْسِنَدَ الْأُمُرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا اس کا ضائع ہونا کس طرح ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔“

یعنی جب قیادت سبھا (بیوقوفوں) کے ہاتھوں میں چلی جائے، جو دین و دنیا کی کوئی سمجھ اور فہم نہیں رکھتے، جو اس ذمہ داری کے اہل نہیں ہیں، تو سمجھ جاؤ کہ یہ قیامت کی علامت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو کوئی ذمہ داری سونپو، یہ جانتے ہوئے کہ اس شخص کی نسبت (اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے) زیادہ اہل شخص موجود ہے، تو پھر تم نے مسلمانوں سے خیانت کی۔ قیادت اور اقتدار و اختیار کے عہدے امانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب بھی آپ دیکھیں کہ اس امانت کا حق ادا نہیں کیا جا رہا اور ایسے لوگ عہدوں پر قابض ہیں جو نہ فہم رکھتے ہیں، نہ دین و ایمان کے حامل ہیں اور نہ ہی رحم کا کوئی جذبہ رکھتے ہیں، تو جان لیجیے کہ یہ امانت کا ضیاع ہے اور قرب قیامت کی علامت ہے۔

علم کا اٹھ جانا اور جہالت کا عام ہونا

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُزْفَعَ الْعِلْمُ وَيَنْبُتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَطْهَرَ الزَّيْنُ“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کی علامتوں میں ایک یہ علامت بھی ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہل قائم ہو جائے گا اور شراب نوشی ہونے لگے گی اور زنا اعلانیہ ہونے لگے گا۔“

جہالت لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر قبضہ کر لے گی جبکہ علم سمٹ جائے گا۔ آخر یہ کیسے ہو گا؟ کیا صاحب علم رات کو سوئے گا اور صبح اٹھے گا تو اپنا تمام تر علم و دانش بھلا چکا ہو گا؟ نہیں، بلکہ احادیث کے مطابق اس کی صورت یہ ہو گی دین کا صحیح علم و فہم رکھنے والے افراد کی موت واقع ہو جائے گی، اور جاہل و گمراہ لوگ ان کی جگہ لے لیں گے۔ فرمان رسول ﷺ ہے

کہ ”اللہ علم کو لوگوں کے دلوں سے نہیں اٹھاتا، بلکہ اصحاب علم کو اٹھا لیتا ہے، یہاں تک کہ علما و متقین میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ پھر لوگ جاہل و گمراہ لوگوں کو اپنا امیر بنالیں گے، ان سے رہنمائی حاصل کریں گے، جو علم کے بغیر فتوے دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

آج بھی صورتحال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ امت میں بہت سی بدعات اور غلط طور طریقوں کے رائج ہونے کی وجہ وہ غلط فتاویٰ ہیں جو علم کے دعویدار لوگوں کی جانب سے دیے گئے ہیں۔ بد قسمتی سے آج کل فتویٰ دینے کے معاملے کو بہت ہلکا لیا جانے لگا ہے۔ جبکہ صحابہ کے زمانے میں وہ لوگ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود فتویٰ دینے سے بچا کرتے تھے، بلکہ اس سے اپنی جان بچاتے تھے۔ تابعین میں سے ایک کا قول ہے کہ ”میں نے مسجد نبوی ﷺ میں تیس سے زائد صحابہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک شخص آتا اور ان سے کوئی سوال کرتا اور ہر صحابی اسے اپنے سے اگلے صحابی کے پاس بھیج دیتے کہ میں نہیں جانتا، تم فلاں سے پوچھو۔ آج ہم سے جواب مانگا بھی نہیں جاتا اور ہم مسائل کا جواب دینے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔ جبکہ صحابہ کرام کا معاملہ یہ تھا کہ وہ جواب دینے سے بھاگا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ایک نہایت بڑی ذمہ داری اور مسئولیت ہے۔“

ایک دفعہ عمر ابن الخطابؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ آپؓ نے پوچھا: کیا ایسا (معاملہ) ہوا ہے؟ سوال کرنے والے نے جواب دیا کہ نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو پھر واپس جاؤ! جب یہ معاملہ پیش آجائے تب آنا اور اس کے بارے میں سوال کرنا، میں بدری صحابہؓ کو اکٹھا کروں گا اور ہم اس پر مشاورت کریں گے۔“

یعنی وہ جواب دینے سے اس قدر بچا کرتے تھے اور اس معاملے میں اس قدر محتاط تھے کہ فرمایا کہ صحابہؓ کی شوریٰ اس معاملے پر غور و فکر اور تبادلہ خیال کرے گی، میں خود کوئی فتویٰ نہیں دوں گا۔ نیز وہ ایسی خالص علمی و نظری باتوں پر بھی وقت ضائع نہیں کرتے تھے جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہوتا، وہ کہتے کہ اگر یہ معاملہ پیش نہیں آیا تو مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہ کرو۔ جبکہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے سوال پیدا کرتے ہیں جن کی حیثیت علمی مشکافیوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں، اور جن کا کوئی عملی مقصد یا فائدہ نہیں ہوتا۔ پہلے ہم ایسا سوال گھڑتے ہیں اور پھر خود ہی ان کا جواب بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے پاس ایک شخص آیا جو المغرب، (یعنی مراکش) یا اندلس سے ایک طویل مسافت طے کر کے مدینۃ المنورۃ پہنچا۔ وہ آپؒ کے لیے چالیس سوال لے کر آیا۔ چالیس میں سے ۳۶ سوالوں کے جواب میں امام مالکؒ نے فرمایا: ”لا أعلم“ (میں نہیں جانتا)، اور صرف چار یا پھر سوالوں کے جواب دیے۔ اس شخص نے کہا: کیا میں اتنی دور سے یہ سننے کے لیے آیا ہوں کہ

’آپ نہیں جانتے؟‘! میں واپس جا کر اپنی قوم کو کیا بتاؤں گا؟‘۔ امام مالکؒ نے جواباً فرمایا: ’تم ان سے کہنا کہ مالک کہتا ہے: میں نہیں جانتا‘۔

آج ہم لوگوں کے ایسے قصے سنتے ہیں کہ محض ایک غلط فتوے کی بنا پر پورے کا پورا خاندان تباہ ہو گیا۔ لوگوں کی زندگیاں تباہ ہو گئیں اور آخر میں معلوم ہوا کہ جس فتویٰ کی روشنی میں انہوں نے بڑے بڑے فیصلے کر لیے، وہ کام ان سے مطلوب ہی نہ تھے۔ آپ دیکھیے کہ اس شخص کی گردن پر کتنی بھاری ذمہ داری کا بوجھ ہے، جس نے یہ فتوے جاری کیے۔

ایسا ایک معاملہ دورِ نبوی ﷺ میں پیش آیا۔ صحابہ کرامؓ ایک جنگ میں شریک ہوئے جس میں ایک صحابیؓ زخمی ہو گئے اور ان کے سر پر چوٹ آئی۔ رات کو انہیں غسل کی حاجت پیش آ گئی، تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا مجھے اپنا سر (یعنی زخم) بھی دھونا چاہیے؟ دیگر صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں، پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے سر بھی دھونا ہو گا۔ جب انہوں نے اپنے زخم کو دھویا تو پانی پڑنے کی وجہ سے ان کا زخم خراب ہو گیا، جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ جب صحابہؓ کا یہ گروہ واپس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں پورے واقعے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’فَقُلُوْهُ فَعَلَّيْهُمْ اللّٰهُ! اَلَا سَأَلُوْا اِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا..... فَاِنَّمَا شَفَاءُ الْعَبِيِّ السُّؤَالُ۔ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَتَيَقَّنَ وَيَعْصِرَ عَلٰى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَابِرَ جَسَدِهِ‘ (سنن ابی داود)

ان لوگوں نے اسے مار ڈالا، اللہ ان کو مارے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے کیوں نہیں پوچھ لیا؟ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔ اسے بس اتنا کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا، پھر اس پر مسح کر لیتا اور اپنے باقی جسم کو دھو ڈالتا۔

ان احادیث میں جس علم کے اٹھ جانے کا ذکر ہے وہ علم دین ہے۔ علم شریعت و آخرت ہے، نہ کہ علم دنیا، کیونکہ علم دنیا تو ہر دور میں بڑھ ہی رہا ہوتا ہے۔ یہ علم بتدریج ملتا جائے گا یہاں تک حالات اس قدر خراب ہو جائیں گے کہ اس کا نہایت قلیل، بلکہ نہ ہونے کے برابر حصہ باقی بچے گا۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْرُبُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَذْرُبُ وَثِي الْقَوْبِ حَتَّى لَا يُذْرَى مَا صِبَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَيْسَ رِي عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ وَتَبْقَى طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعَجُوزُ يَقُولُونَ أَذْكَرْنَا أَبَانًا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَحْنُ نَقُولُهَا فَقَالَ لَهُ صَلَٰةٌ مَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَذْرُونَ مَا صَلَاةٌ وَلَا صِبَامٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ ثُمَّ رَدَّهَا عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ حُذَيْفَةُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صَلَٰةُ تَنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ قَلِيلًا“۔

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام ایسا ہی پرانا ہو جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار پرانے ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ جاننے والے بھی باقی نہ رہیں گے کہ نماز، روزہ، قربانی اور صدقہ و زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ اور کتاب اللہ ایک رات میں ایسی غائب ہو جائے گی کہ اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہ جائے گی، اور انسانوں کے کچھ قبائل (یا گروہ) ایسے رہ جائیں گے کہ ان میں بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں کہیں گی ’ہم نے اپنے آباء اجداد کو یہ کلمہ پڑھتے سنا لا الہ الا اللہ اس لیے ہم بھی یہ کلمہ کہتے ہیں‘۔ حضرت حذیفہؓ کے شاگرد صلہ نے عرض کیا: لا الہ الا اللہ سے انہیں کیا فائدہ ہو گا جب انہیں نماز کا علم ہے نہ روزہ کا نہ قربانی اور صدقہ (ان سب کا مطلقاً) کوئی علم نہیں؟۔ اس پر حذیفہؓ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، انھوں نے دوبارہ سہ بارہ عرض کیا، حذیفہؓ منہ پھیرتے رہے۔ تیسری مرتبہ میں ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ’اے صلہ! لا الہ الا اللہ انھیں دوزخ سے نجات دلائے گا، تین بار ہی فرمایا‘۔

لباس سے نشان کا ایسے مٹ جانا گویا وہ کبھی تھا ہی نہیں۔ اس زمانے میں لباس کی زیبائش کے لیے جو رنگ استعمال کیے جاتے تھے وہ کپڑے رنگ نہیں ہوتے تھے۔ جب کپڑوں کو کثرت سے دھویا جاتا تو یہ رنگ نکل جاتا تھا یہاں تک کہ بالکل مٹ جاتا۔ حدیث کے مطابق یہی معاملہ اسلام کے ساتھ ہو گا۔ آہستہ آہستہ اسلام مٹا چلا جائے گا حتیٰ کہ لوگ بنیادی صوم و صلوات اور عبادات کے احکام بھی بھول جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو دنیا سے اٹھالیں گے یہاں تک کہ ایک بھی آیت باقی نہ بچے گی۔ اور دنیا میں ایسے لوگ رہ جائیں گے، بوڑھے مرد و وزن..... جو کہیں گے کہ ہم نے اپنے آبا کو لا الہ الا اللہ کہتے سنا اور اسی لیے ہم بھی آج یہ کلمہ کہتے ہیں“۔

یعنی اسلام کے کل علم میں سے جو کچھ ان کے پاس باقی بچے گا وہ صرف لا الہ الا اللہ ہو گا۔ انہیں اسلام کی تعلیمات اور احکام کے حوالے سے کچھ بھی معلوم نہ ہو گا۔ حضرت حذیفہؓ کے ایک شاگرد صلہ تابعیؓ نے جب یہ حدیث سنی تو حیران ہو کر سوال کیا کہ لا الہ الا اللہ ان کو کیا فائدہ پہنچائے گا جب انہیں نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کے احکام کا کچھ علم نہ ہو گا؟! حضرت حذیفہؓ نے اس سوال پر اپنا رخ موڑ لیا۔ ان کے شاگرد نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا اور حضرت حذیفہؓ نے ایک بار پھر اپنا رخ ان سے موڑ لیا۔ جب تیسری دفعہ سوال دہرایا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ”اے صلہ! لا الہ الا اللہ انہیں نارِ جہنم سے بچالے گا! لا الہ الا اللہ انہیں نارِ جہنم سے بچالے گا! لا الہ الا اللہ انہیں نارِ جہنم سے بچالے گا!“۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ان کی جہالت کا عذر قبول فرمائیں گے اور محض لا الہ الا اللہ کے واسطے ان کی بخشش فرمائیں گے، گو کہ یہ محض ایک کلمہ ہو گا جو وہ اپنی زبانوں سے ادا کرتے ہوں گے۔

پھر حالات اس سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔ مسلم کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يَقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ! اللَّهُ!“۔

یعنی دنیا پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ روئے زمین پر اللہ کا نام لینا بھی چھوڑ دیا جائے گا۔

ابن کثیرؒ اس حدیث کی دو تشریحات پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ برائی اور منکر کی روک تھام اور اس سے منع کرنا بالکل چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ جب لوگوں کو منکر سے روکا جاتا ہے تو درحقیقت انہیں اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے، سو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام چھوڑ دیا جائے گا۔ جبکہ دوسری تشریح میں حدیث کے الفاظ کو ان کے لغوی معنی کے مطابق سمجھا جائے گا، جس کی رو سے حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فی الواقع زمین پر اللہ کا نام لینا اور اس کا ذکر کرنا چھوڑ دیا جائے گا۔ اس وقت زمین پر جو لوگ موجود ہوں گے وہ اللہ کا نام نہیں سنیں گے۔ یہ بالکل آخری زمانے میں پیش آئے گا اور یہ وہ بدترین لوگ ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث مسند احمد میں منقول ہے کہ فرمایا رسول پاک ﷺ نے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَأْخُذَ اللَّهُ شَرِيطَتَهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَنْقَى فِيهَا عَجَاجَةً لَا يَغْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا“۔

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اللہ اہل زمین میں اپنا حصہ وصول نہ کر لے اس کے بعد زمین میں گھٹیا لوگ رہ جائیں گے جو نیکی کو نیکی اور گناہ کو گناہ نہیں سمجھیں گے۔“

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ”اس زمانے میں قرآن کریم کو دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور یہ لوگوں کے دلوں میں بھی باقی نہ بچے گا۔“ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو اٹھالیں گے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں ایک آیت بھی باقی نہ بچے گی۔ اور مصحف کے صفحات میں اس کا ایک حرف بھی باقی نہ رہے گا۔ لوگ اس قدر بدی و فساد کی طرف مائل ہوں گے کہ وہ رحمت قرآن کے لائق ہی نہ ہوں گے۔“

لشکروں اور جنگی قوت میں اضافہ

طبرانی کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”ایک وقت ایسا آئے گا جب لشکر صبح کے وقت نکلیں گے تو اللہ کا غضب ان کے اوپر ہو گا، اور شام کو لوٹیں گے تو اللہ کے غضب کے ساتھ۔ تم اگر ان کو پاؤ تو ان میں سے مت ہو جانا۔“ اس حدیث میں جن لشکروں کا ذکر ہے یہ وہ ہوں گے جو لوگوں کی جاسوسی کریں گے اور انہیں اللہ کی عبادت کرنے سے روکیں گے۔ اگر کسی کو مسجد جانا دیکھیں گے، یا اسلام اور نیکی کی دعوت دینا دیکھیں گے، تو ان کا پیچھا کریں گے اور انہیں تعذیب دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لشکروں کے سائے سے بھی بچنے کی

تلقین فرمائی، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ تم ان کی مدد نہ کرنا، تم ان کا ساتھ نہ دینا اور ان میں شامل نہ ہونا۔

بعض خلفاء کے زمانوں میں ایسے لشکر رہے ہیں، جو اپنی مسلمان عوام ہی کی جاسوسی کرتے اور انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بناتے۔ ائمہ اربعہ (یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) چاروں اس آزمائش سے گزرے ہیں۔ امام مالکؒ پر تشدد کر کے ان کے شانے اکھاڑ دیے گئے، امام ابو حنیفہؒ نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں یہاں تک کہ ان کا جنازہ بھی جیل سے نکلا، امام احمدؒ نے شدید تشدد کا سامنا کیا، امام شافعیؒ نے بھی گرفتاری اور قید کی تکلیف جھیلی۔ امام ابن تیمیہؒ کو قید خانے میں ڈالا گیا اور انہوں نے وہیں وفات پائی۔ اسی طرح آج ہمارے زمانے میں بھی علما کی ایک کثیر تعداد ہے جو ان آزمائشوں کا سامنا کر رہی ہے۔

زنا کا عام ہو جانا

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُزْفَعَ الْعِلْمُ وَيَنْتَبِتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَطْهَرَ الزِّنَا“۔

ایک دوسری حدیث میں..... جو ایک سائنسی معجزے کی حیثیت رکھتی ہے..... رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر زنا اس قدر عام ہو گیا کہ لوگ کھلے عام اس کی تشہیر کرنے لگے، تو اللہ انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دے گا جو پہلے کسی قوم پر نہ آئی ہوں گی۔“

محض ارتکاب زنا نہیں..... بلکہ زنا کھلے عام ارتکاب اور اس کی تشہیر۔ یہ وہ گناہ ہے جس کے سبب اللہ نے لوگوں کو ایسی بیماریوں میں مبتلا فرمایا جن کا پہلے کوئی وجود ہی نہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایڈز کا مرض پہلے دنیا میں نہیں پایا جاتا تھا۔ اللہ نے لوگوں کو اس میں اس لیے مبتلا کیا کہ لوگ نہ صرف زنا کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ ہل بورڈز، اخبارات و رسائل اور فلموں وغیرہ کے ذریعے زنا کی جانب دعوت بھی دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ سگریٹ اور گاڑیوں کے اشتہار بھی عریانی و فحاشی سے پاک نہیں ہوتے۔ یہ سب زنا کی تشہیر اور اس کی جانب دعوت نہیں تو اور کیا ہے، اور اسی کی سزا ایڈز اور اس قبیل کے دیگر امراض ہیں۔ لوگوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ ایڈز کا علاج تلاش کر لیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی نئی بیماری بھیج دیں گے جس کا پہلے کوئی وجود اور کوئی علاج موجود نہ ہو گا۔ یہ ان علامات میں سے ہے جو سب کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیں گی بلکہ کسی کسی پر سزا بن کر آئیں گی اور بالآخر پورے پورے معاشرہ میں اور قوموں میں عام ہو جائیں گی۔

مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عیسیٰ ابن مریم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی روحیں قبض کر لیں گے یہاں تک کہ صرف

برے اور فاسد لوگ بچ جائیں گے۔ وہ لوگ گدھوں کی طرح جنسی تعلقات قائم کریں گے۔“
یعنی ہر چیز ان کے لیے حلال اور جائز ہوگی۔ جنسی تعلقات ہر قسم کی اخلاقی و شرعی حدود و قیود کی تمیز و پاسداری سے آزاد ہوں گے۔ سب کچھ کھلے عام ہوگا۔

”یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ایسا وقت نہ آجائے کہ آدمی ایک عورت کے پاس آئے گا اور اس کے ساتھ راستے کے بچوں بیچ ہمستری کرے گا۔ اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ایک شخص ان کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ کتنا اچھا ہو اگر تم اس دیوار کے پیچھے چلے جاؤ۔“ یعنی یہ شخص انہیں حکم نہیں دے گا، انہیں ان کے فعل پر ملامت نہیں کرے گا، بلکہ صرف ان سے گزارش کرے گا کہ تم دیوار کے پیچھے چلے جاؤ۔ اور یہ شخص ان کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔

زنا آج خاص و عام میں پھیل چکا ہے۔ مسلمانوں میں بھی زنا اس قدر عام ہے کہ اسے گناہ تصور ہی نہیں کیا جاتا۔ ہمیں اس حقیقت کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے کہ ہالی ووڈ کی تہذیب و کلچر آج دنیا کی غالب تہذیب بن چکی ہے۔ مقدس ترین مقامات پر رہنے والے لوگ بھی اسی تہذیب و کلچر کے رسیا و شیدائی ہیں۔ سیٹلائٹ ڈش نے فلمیں اور عربیانی و فحاشی دنیا کے بعض ایسے کونوں میں گھروں اور جھوپڑوں تک پہنچادی ہے جہاں دہائیوں سے دعوت نہیں پہنچی۔ اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم بھی اسی فحاشی و عربیانی کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے حلال کو مشکل بنا دیا ہے اور حرام کو آسان کر دیا ہے۔ آپ دیکھیے کہ آج شادی کرنا کس قدر مشکل ہو چکا ہے۔ شادی سے پہلے مرد و عورت کو اتنا مشکل ہدف دیا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل ہوگی تو پھر ہی شادی ممکن ہوگی۔ مرد کے لیے ڈاکٹر بننا، عورت کے لیے کیریئر بنانا..... وغیرہ۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ایک شخص تمہارے پاس آئے جس کے دین اور کردار سے تم راضی ہو، اور وہ تم سے تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگے اور تم اسے انکار کرو، تو زمین پر فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔“ یہ معاشرتی فساد ہے۔ آج ہم سب اپنی بیٹیوں کی پرورش ایسے ہی مفسد ماحول میں کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس ماحول کو درست نہیں کریں گے، تو اس کے مفسداات کا خمیازہ ہم سب مل کر بھگتیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین اور کردار کی اصطلاحات استعمال کیں۔ یعنی دینداری کے ساتھ ساتھ اچھے کردار کا متحمل ہونا نہایت ضروری ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دیندار شخص برے اخلاق و کردار کا حامل ہو سکتا ہے، اور اسی طرح ایک بے دین شخص اچھے اخلاق و کردار کا مالک بھی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں صفات کا بیک وقت ایک شخص میں پایا جانا ضروری ہے۔

ایک عالم کا قول ہے کہ مالدار لوگوں کے لیے مسجدوں کے دروازوں پر کھڑے بھکاریوں کو صدقہ دینے سے افضل یہ بات ہے کہ وہ غریب و مسکین جوڑوں کی شادیاں کرانے پر خرچ

کریں اور ان کی مدد کریں۔ کیونکہ بھکاریوں کو صدقہ و خیرات دینے والوں کی کمی نہیں ہوتی، جبکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صدقہ و خیرات کے مستحق ہوتے ہیں مگر ان تک کسی قسم کی مالی مدد نہیں پہنچتی۔

امام القرطبیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ یہ علامت (یعنی زنا کا عام ہونا) ہم نے اپنے زمانے میں ظاہر ہوتے دیکھی۔ امام القرطبیؒ اپنے زمانے کے اندلس کا نقشہ کھینچتے ہیں جو اس قدر مالد اور خوشحال تھا کہ اس کے امر انے اسے بذات خود بمنزلہ خلافت قرار دے رکھا تھا۔

ایک طویل عرصے تک مسلمانوں میں ایک سے زیادہ خلافت کا تصور قبول عام حاصل نہ کر سکا۔ گو کہ بہت سی مسلم ریاستیں خلافت عباسیہ پر انحصار نہیں کرتی تھیں اور اپنا خود مختار وجود رکھتی تھیں، لیکن وہ اپنے آپ کو خلافت نہیں کہلاتی تھیں۔ مگر اندلس کی مسلمان سلطنت اس قدر مضبوط، خود مختار، طاقتور اور خوشحال تھی کہ اندلس کے امیر نے خود کو خلیفہ اور اپنی سلطنت کو خلافت عباسیہ کے برابر و متوازی خلافت قرار دے دیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ مسلمانوں کے بیک وقت دو خلیفہ تھے..... ایک بغداد میں اور دوسرا قرطبہ میں۔ پھر ایسا کیا ہوا کہ مسلمانوں کا قبضہ اندلس پر کمزور ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کا اندلس سے وجود ہی بالکل مٹ کر رہ گیا؟!

(باقی صفحہ نمبر 47 پر)

اے لیلائے شہادت..... کہاں ہے تو، کہاں ہے تُو؟

”اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے مقبول شہادت کے سوا کوئی دوسری موت نہ دے۔ اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں میں زبردست تباہی پھیلاؤں اور پھر یہودیوں اور عیسائیوں کی ہم باری سے کسی مکان کے بلے تلے آکر مارا جاؤں۔ نکالنے والے میری لاش کو نہ نکالیں اور میری لاش کھاد بن جائے، جس کی زرخیزی سے وہ پھل پیدا ہو، جسے کوئی مسلمان بچہ کھائے اور تیرے راستے کا مجاہد بن جائے۔ یہ شہادت ہے! آزاد لوگ اسے کتنا چاہتے ہیں!!! وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں، یہ اُن کی زندگی کا محور بن جاتی ہے، وہ سوتے جاگتے اسی کے خیالوں میں رہتے ہیں اور اسی کے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے رکھتے ہیں۔“

(ڈاکٹر ابوہام، ابو دجانہ خراسانی شہید رحمہ اللہ)

امیر المومنین

شیخ ہبہ اللہ اخوندزادہ نصرہ اللہ

کی ہدایات..... مجاہدین کے نام

مجاہد کے لیے آداب

۵۔ مجاہد کو چاہیے کہ ان جنگی آلات و سامان کی تعلیم و تربیت حاصل کرے جس کی جہاد میں ضرورت پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ (سورة الانفال: ۶۰)

”اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی بیت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، مگر اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔“

یہاں طاقت سے مراد ان آلات و اسلحے کی تربیت ہے جس کی آج کے دور میں ضرورت پڑتی ہے اور اس کام کی اہمیت موجودہ دور میں سب سے زیادہ ہے۔ بخارا کی سلطنت کا ان امور میں لاعلم ہونے کی وجہ سے سقوط ہوا۔ بادشاہ نے علما سے گزارش کی کہ اس دور کا جدید اسلحہ پیدا کریں، لیکن علما نے اس کام کو بدعت سمجھا اور اسلحہ خریدنے کی اجازت نہیں دی۔ یہی تھا کہ ان کا فیصلہ بڑی شکست کی وجہ بن گیا اور روس ان پر مسلط ہو گیا۔ ایسا ہی بادشاہ روم کے ساتھ بھی پیش آیا، وہ بت پرست تھا، اس نے بعض مسلمان بادشاہوں کی خدمت میں لکھا کہ میں اسلام لانا چاہتا ہوں اور ان سے اجازت مانگی کہ مجھے شراب پینے کی اجازت دیں کیونکہ میرا بغیر شراب پیے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ ان بادشاہوں نے اپنے علما سے فتویٰ طلب کیا، لیکن علما نے جواب دیا کہ شراب حرام ہے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اگر روم کا بادشاہ ایمان لانا چاہتا ہے تو اس کو شراب چھوڑنی ہوگی۔ روم کے بادشاہ نے کہا میں شراب نہیں چھوڑ سکتا اور اسی طرح بت پرستی پر قائم رہا۔ اللہ ہمیں جہالت سے بچائے، اگر اس طرح کا فتویٰ مجھ سے لیا جاتا تو میں ان کو کہتا کہ تم اسلام لے آؤ اور شراب کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو کہ یہ حرام ہے، کیونکہ جب وہ اسلام قبول کر لیتا، اس کے دل میں شراب کی کراہت و ممانعت پیدا ہو جاتی تو خود شراب پینے کا عمل بھی اس کے نزدیک عمل خبیثہ قرار پاتا۔ (فیض الباری)

۶۔ مجاہد کو چاہیے کہ ہر وقت ہوشیار و چوکنا رہے، دشمن کے فریب اور دھوکے سے ہرگز غفلت میں نہ پڑے۔

دشمن چاہے جتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، اسے کمزور نہیں سمجھنا چاہیے اور ایک مضبوط دشمن کی مانند اس کے مقابلے کے لیے اسباب تیار رکھنے چاہیے۔ علامہ طرطوسی نے لکھا ہے: ہوشیار بادشاہ کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے دشمن کو ہلکا نہیں سمجھتا، چاہے وہ ذلیل ہی کیوں نہ ہو اور اس کے بارے میں غافل نہیں ہوتا چاہے دشمن بے بس ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اکثر اوقات مجھڑ ہاتھی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔

صلابی نے عمرۃ القضاء کے بیان میں واقعی دماغی کے حوالے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ مکمل اسلحہ اٹھایا اگرچہ آپ ﷺ نے قریش کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم حرم میں اپنے ساتھ صرف تلواریں لے کر جائیں گے وہ بھی نیاموں کے اندر، لیکن آپ ﷺ کو قریش سے غداری کا خدشہ تھا، اس وجہ سے مکمل اسلحہ اپنے ساتھ لے آئے، لیکن حرم کے باہر دو سو محافظ مجاہدین کے ساتھ رکھوا دیا، کہ اگر قریش نے غداری کی تو ہمارا اسلحہ ہمارے قریب ہو گا۔ (سیرۃ الصلابی ص ۲۴۶)

۷۔ مجاہدین کو چاہیے کہ ہر لمحہ دشمن کے حالات معلوم کیا کریں۔

ان کی افواج کی حالت معلوم کریں، دشمن کے اندر اپنے جو اسیس داخل کریں اور اس بات سے اپنے آپ کو باخبر رکھیں کہ دشمن کے افسران کون ہیں؟ ان میں اچھے لڑنے والے کون ہیں اور کون کس قسم کا اسلحہ رکھتا ہے۔

ابن مکتدر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سنا کہ غزوۃ احزاب کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون دشمن کا حال معلوم کرے گا؟ زبیرؓ نے کہا: میں معلوم کروں گا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کون دشمن کا حال معلوم کرے لائے گا؟ زبیرؓ نے کہا: میں معلومات لے آؤں گا، نبی کریم ﷺ نے تیسری بار فرمایا: دشمن کا حال کون معلوم کرے لائے گا؟ زبیرؓ نے کہا کہ میں معلوم کر لوں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر پیغمبر کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 19 پر)

شہادت

کی قبولیت کی شرائط

شہید عالم ربانی استاد احمد فاروق

اسی طرح مجاہدین کے دوسرے مجموعوں کے بارے میں بات، انصار کے بارے میں بات، یہاں موجود طالبان کے مقامی مجموعات کے بارے میں بات، خود اپنی ایک دوسری تنظیم کے بارے میں بات۔ ان تعصبات میں پڑ کے دوسروں کی غیبتیں کرنا، فلاں تنظیم ایسی ہے، فلاں کے لوگ ایسے ہیں، فلاں گروپ ایسا ہے، فلاں میں یہ کمزوری ہے، فلاں میں وہ کمزوری ہے، کیا فائدہ ہو گا اس کا؟ اپنی آخرت خراب کرنی ہے تو کریں شوق سے کریں، اپنی نیکیاں ضائع کرنی ہیں کریں۔

تویارو! اپنی زبانوں کو ان سب چیزوں میں روکنا ہو گا۔ ان میں سے سب کی غیبتیں کر کر کے ہم اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور اپنی شہادت کی قبولیت کے راستے کے اندر رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ اور آخری اس میں سے بات عام مسلمان کی بات ہے۔ ایک حدیث سناتا ہوں، وہ ایک حدیث جس کے پاس دل میں کوئی خوف خدا ہونا، تو اس کو روک دینے کے لیے کافی ہے۔

حدیث یہ کہتی ہے کہ حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوة کذا وکذا..... کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں جنگ کے اندر، غزوے کے اندر شریک ہوا۔ فضیق الناس المنازل وقطعوا الطريق..... تو جب لشکر اتر تو جو اترنے کی جگہیں تھیں، آرام کی جگہیں تھیں وہاں پہ لوگوں نے تنگی پیدا کر دی۔ تنگی کیسے پیدا کر دی، عون المعبود میں اور دیگر شروعات میں لکھی ہے یہ بات کہ اس کا مطلب یہ ہے، ضعیف الناس منہا، جگہ تنگ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس کو ایک بستر کی جگہ چاہیے تھی ناں لیٹنے کے لیے، اس نے اس سے زیادہ جگہ لے لی۔ اتنی چھوٹی سی بات ہے، بہت چھوٹی سے چیز ہے ناں، مراکز میں بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی ساتھی اس کا خیال نہیں کرتا، اتنی بڑی چادر بچھالی، اتنی بڑی جگہ گھیر لی کہ اس کو اس سے آدھی بھی نہیں چاہیے تھی لیکن اس نے پروا نہیں کی اس بات کی، یا جلدی سو گیا ایسے کسی ٹیڑھے اسٹائل سے کمرے کے وسط میں سو گیا کہ باقی سب تنگ ہوتے رہیں ساری رات، ان کے لیے جگہ ہی ٹھیک طرح سے نہ بچے۔ تو اتنی چھوٹی سے بات ہوئی، لوگوں کے لیے جگہ تنگ کی اتنے کی، جہاں پہ لوگوں نے آرام کرنا تھا، وقطعوا الطريق..... اور رستے کو بھی کاٹ دیا، یعنی اس طرح بیٹھ گئے کہ لوگوں کا رستہ خراب ہو گیا۔ تو مجاہدین کیا یہ کام نہیں کرتے ہیں، یہ جو کھڑے ہو جاتے ہیں بازار کے اندر اپنی بڑی بڑی گاڑیاں لے کے، دو مجاہدین کی گاڑیاں آئے سامنے

اس کے بعد علما کا معاملہ ہے۔ شیخ عزائم کہتے ہیں کہ علما سے زیادہ زہریلا گوشت کسی کا نہیں ہے، جو گوشت کھانا چاہتا ہے غیبت کرنا چاہتا ہے تو وہ بدترین گوشت چن رہا ہے اگر علما کو ہی چتا ہے غیبت کرنے کے لیے۔ تو یہ طریقہ اور یہ رویہ کہ تمام علما پہ عمومی لعن طعن شروع کر دینا۔ ہمارے علما ایسے ہیں، ہمارے علما ویسے ہیں، سب کچھ علما نے خراب کیا، ساری خرابی علما سے پھیلی، سارے علما جہاد پہ نہیں آتے۔ تو بھی وہ اور بھی تو بہت سی نیکیاں کرتے ہیں، اللہ جانتے ہیں کہ کس کا اللہ کے یہاں جاکر کیا مقام ہونا ہے۔ میں اپنی آخرت کی فکر کروں، تواضع اور عاجزی اختیار کروں، کیوں میں دوسروں کے اوپر زبان کھولتا ہوں۔ اللہ جانتے ہیں کہ کس کے پاس کیا عذر ہے، کون کمزور ہے، کس تک بات ہی نہیں پہنچی ہے، بلا وجہ سب کے اوپر چڑھائی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو علما کے معاملے میں اپنی زبان کو روکنا، زبان کو لگام دینا، اس کو کچھ ادب اور احترام سکھانا۔ اور اپنی مجلسوں میں جو ساتھی ایسا کام کر رہا ہو، اللہ اس کو روکیں، اس کی آخرت خراب ہو رہی ہے۔ مجاہد اور شہید ہونے کے باوجود بھی اگر وہ جنت میں نہ پہنچ سکے سیدھا، تو اس سے بڑی کیا بد قسمتی ہو گی۔ منع کریں اس کو کہ اپنی زبان کو اس طرح نہ کھولے علما کے بارے میں۔

یہی دینی تنظیموں کا معاملہ ہے، حتیٰ کہ جمہوریت میں اتنی ہوئی دینی تنظیمیں ہیں۔ ہم میں سے کتنے ساتھی ایسے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں کہ جو کل تک خود انہی تنظیموں میں تھے۔ کیا ان تمام تنظیموں پہ ایک زبان سے ان کے تمام مخلصین اور صالحین اور فاجرین سب کو ایک ہی پلڑے میں ڈال دینا، یہ کون سے دین نے سکھایا ہے۔ تو ان کے بارے میں یوں عمومی کیوں زبان کھولتے ہیں جو پورے پورے طبقوں کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔ کیوں نہیں ان کے مخلص اور غیر مخلص میں فرق کرتے؟ کیوں نہیں ان کے اندر قیادت اور نیچے والوں میں فرق کرتے؟ کتنے مخلصین وہاں موجود ہیں، ہم سے زیادہ ہو سکتا ہے مخلص لوگ موجود ہوں، اللہ کے یہاں ہم سے اونچے مقام پانے والے موجود ہوں۔ تو دینی تنظیموں کو بھی مباح نہ سمجھیں کہ ان کے بارے میں جو کہہ دیں اس کی اجازت ہے۔ ان کے افراد کے بارے میں جو کہا جائے، ان کی قیادت کے بارے میں جو کہا جائے، اس کی کھلی چھٹی ہے۔ بس ہم ہیں دنیا کے واحد لوگ جن کے اوپر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا اور ہم نے ہی جنت میں جانا ہے۔ اللہ جانتا ہے بھائی جان! یہ آخرت کے دن فیصلہ ہو گا۔

کھڑی ہیں، آپس میں گپے مار رہیں ہیں۔ اور پارک کرتے ہوئے بھی یہ نہیں دیکھا کہ لوگوں کا رستہ کتنا تنگ ہوا۔ گپیں مار رہے ہیں، لوگ پیچھے سے ہارن بجارہے ہیں۔ کماندان صاحب ہیں، ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، ان کی گاڑی کھڑی ہوئی ہے، ان کو کون چھڑے گا۔ اسی طرح گاڑی رستے میں جاتے جاتے..... بھئی ایک ہے جو یہاں کا عرف ہے، اس حد تک اگر کوئی دوسرے کی گاڑی کو نیچے اتارے تو وہ تو عرف ہے یہاں کا کہ سڑک ہی تنگ ہوتی ہے، ایک نہ ایک نے اترا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اپنی کالے شیشوں والی گاڑی سے یہ حق سمجھنا کہ میری ہی گاڑی ہمیشہ اوپر رہے گی اور دوسرے کی گاڑی ہمیشہ نیچے اترے گی، تو یہ رستہ کاٹ رہے ہیں ناں آپ یا نہیں کاٹ رہے؟ اتنی چھوٹی سی چیز ہوئی تو کیا ہوا، فبعث نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منادی..... تو رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والا بھیجا۔ اس نے کیا اعلان کیا، ینادی فی الناس..... اس نے جا کے لوگوں میں یہ اعلان کیا: ان من ضیق منزلنا..... کہ جس کسی نے بھی لوگوں کے آرام کی جگہ کو تنگ کیا، او قطع طریقاً..... یا رستہ کاٹا اور ایک روایت میں جو صحیح روایت ہے، شیخ البانی روایت کرتے ہیں: أو اذا مومنا..... یا کسی مسلمان کو اذیت دی۔ جس نے لوگوں کے اترنے کی جگہ تنگ کی، رستہ کاٹا یا کسی مسلمان کو اذیت دی، فلا جہاد لہ..... تو اس کا کوئی جہاد نہیں ہوا۔ اس کا سب جہاد جہاد نہیں ہے، اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوا، اتنی سی چیز سے بس۔ تو ہم نے عامۃ المسلمین کے حقوق کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اگر اتنی سی چیز سے جہاد جہاد نہیں رہتا تو پھر اس سے آگے کی چیزوں کو، یعنی کوئی بازار کے وسط میں جا کر دھماکہ کر دے تو اس کا جہاد جہاد رہے گا؟ وہ اللہ کے یہاں کون سی نجات پانا چاہتا ہے۔

تو اللہ نے بحیثیت مجموعی مجاہدین کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ اس سے محفوظ ہی رکھے، لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو وہ مجاہد ہے ہی نہیں، اس کا جہاد فلا جہاد لہ..... اس کا جہاد جہاد نہیں رہا۔ اگر اتنی چھوٹی سی چیز کے اوپر ضائع ہو جاتا ہے عمل، اتنی چھوٹی چیز کے اوپر اتنی سخت و عید آتی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے بھائیو! کوئی اپنی طرف سے بنائی ہوئی بات نہیں ہے۔ تو اس لیے یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ وہ حساسیت ہے اور حدیث ہے بھی خالص جہاد کے پس منظر میں۔ مجاہد کو کیوں اتنی سخت بات کی تاکید کی گئی کیونکہ اس کے پاس قوت ہوتی ہے، اسلحہ ہوتا ہے، اگر وہ اپنی قوت کا غلط استعمال شروع کر دے تو وہ نفع سے زیادہ نقصان پہنچائے گا امت کو، اور امت کو جتنی اذیت اس کے ہاتھ سے پہنچے گی اتنی ہو سکتا ہے کسی کافر کے ہاتھ سے بھی نہ پہنچے۔ اس لیے اس کو اتنا حساس کر دیا گیا کہ دل کو اتنا نرم کر دے، اتنا نرم کر دے کہ وہ مومنین کے لیے۔

تو پیارے بھائیو! ایک اور حدیث ہے جس میں یہ بات آتی ہے غالباً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے کہ اُنہ رأی لہ فضلًا..... وہ مجاہد بھی تھے، سپہ سالار بھی تھے اور ان کے ہاتھ پہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اتنی عجیب فتوحات دی ہیں اس امت کو۔ حدیث کہتی ہے کہ انہوں نے اپنے لیے باقی صحابہ پر کچھ فضیلت جانی، اس وجہ سے کہ وہ میدان جہاد میں ہیں اور اللہ ان کے ہاتھ سے فتوحات دے رہے ہیں، اور ان کا جو مقام ہے وہ آیا ہے کہ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ..... یعنی اس پہ کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی ہے ظاہر سی بات ہے۔ لیکن جو ہمارے لیے سبق کی بات ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس پہ ٹوکا اور یہ بات فرمائی؛ حدیث کی مختلف روایات ہیں مختلف الفاظ آتے ہیں کہ إنما تنصرون وترزقون بضعضائکم..... یہ جو تمہیں رزق مل رہا ہے اور تمہیں جو نصرت اتر رہی ہے یہ تمہاری وجہ سے نہیں ہو رہا، یہ جو تمہاری روٹی ٹکڑا ہوا ہے ناں یہاں پہ، یہ جو کھانے بیٹھ کے مراکز کے اندر کھا رہے ہو اور یہ جو فتوحات جہاں پہ بھی ملتی ہیں اور جو کارروائیاں خیریت سے ہو جاتی ہیں، یہ تمہاری وجہ سے نہیں ہے، کسی تکبر اور بڑائی میں مبتلا نہ ہونا۔ یہ تمہارے ضعف کی وجہ سے ہے، یہ ان بوڑھوں کی وجہ سے ہے جو کہیں بیٹھے ہوئے تمہارے لیے دعا کر رہے ہیں پیچھے، وہ تمہارے والدین کی دعاؤں کی وجہ سے ہے، یہ علما کی دعاؤں کی وجہ سے ہے، یہ صالحین کی دعاؤں کی وجہ سے ہے، یہ ان معصوم بچوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے، ان خواتین کی، تمہاری ماؤں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے، تمہاری بہنوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ ان کی دعاؤں، ان کی نمازوں، ان کی نیکیوں کا بدلہ ہے اور ان کا اخلاص، یہ تین چیزیں ہیں جس کی وجہ سے تمہیں رزق مل رہا ہے، تمہارا کھانا پینا جاری ہے اور جس کی وجہ سے تمہاری نصرت ہو رہی ہے۔ تو مجاہد کو جتنا حساس ہونا چاہیے، مجاہد کو جتنا حقوق العباد کا خیال کرنا چاہیے اس کا مطالبہ باقیوں سے نہیں ہے، اس درجے کا جو مطالبہ مجاہد سے ہے وہ باقی سب سے بڑھ کے ہے۔

تو پیارے بھائیو! اللہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اعمال کی حفاظت کرے۔ کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ یہ ساری تھکن برداشت کرے، یہاں پہ کیریر چھوڑ کے آئے، والدین کو بھی چھوڑ کے آئے، دنیا کی سب راحتیں چھوڑ کے آئے، ڈرون کے نیچے بیٹھے ہیں، کچھ نہیں پتہ کب جا کے کون سا میزائل لگ جائے اور کچھ نہیں پتہ کس کی شہادت کب اس کو بلا لے، کچھ نہیں پتہ کون کب گرفتار ہو جائے، اس سارے کے بعد بھی کامیابی نہ ملے، جنت نہ ملے تو کیا ملا پھر؟ کیا حاصل ہوا اس ساری تھکن کا؟ تو ہم تو اسی لیے نکلے تھے ناں کہ اللہ کو راضی کر لیں، جنت پالیں۔ تو پیارے بھائیو! جو جنت چاہتا ہے وہ حقوق العباد کے معاملے میں، حقوق اللہ کی معافی کی گنجائش تو ہے شہادت سے، حقوق العباد کی معافی نہیں ہوگی، حقوق العباد کے معاملے میں نرم ہوں۔ اپنے بھائیوں کا، اپنے ساتھیوں کا، مجاہد ساتھیوں کا اور عامۃ المسلمین کا سب کا حق پہچانیں اور ان کی تحقیر نہ کریں اس بنیاد پہ کہ وہ جہاد میں نہیں آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے انہی کی وجہ سے ہماری ساری گاڑی چل رہی ہو انہی کی دعاؤں کی برکت سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دیں۔

تو جب اتنی چھوٹی چیزوں میں پیارے بھائیو! حساسیت سکھائی ناں، تو پھر جو اس سے آگے کی چیزیں ہیں؛ وَبِهِلِكَ الْحَرْثُ وَالنَّسْلُ والی حرکتیں جو ہیں، کہ کھیتیاں اور نسلیں جو ہیں وہ برباد کرنا شروع کر دے۔ جو مجاہد یہ کام کرے، جس کے ہاتھ سے ناحق خون بہے، جس کے ہاتھ سے ناحق مال لٹیں اور جو مسلمانوں کو سراسر اذیت پہنچانے کا باعث بنے تو ظاہر ہی بات ہے وہ اپنی

آخرت برباد کر رہا ہے۔ باقی چیزیں چھوڑیں، مغفرت بھی اس کی ہوگی یا نہیں ہوگی یہ بھی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

یہ ایک آیت جو ہے سورہ بقرہ کی، اس کے اوپر جا کے غور کر لیں۔ دو متضاد کردار ہیں جو قرآن نے ذکر کیے ہیں۔ ایک کردار مفسد کا، ایک کردار مجاہد کا۔ تو مفسد کا کردار ذکر کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ ثقیف کے ایک منافق اخنس کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور قسمیں کھا کھا کے کہا کہ میں تو مسلمان ہوں اور میں مخلص ہوں اور اپنی اچھی نیتوں کا، اعلیٰ ارادوں کا اس نے اظہار کیا، اپنے آپ کو بہت بڑی چیز دکھایا۔ لیکن جب واپس نکلا وَاِذَا تَوَلَّى..... جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے باہر نکلا تو جا کے مَسْعٰی فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا..... زمین میں اس لیے بھاگ دوڑ کی، ساری بھاگ دوڑ کا محور کیا تھا کہ فساد مچائے، وَفِيْلِكَ الْحَرْثُ وَاللَّسْلُ..... اور کھیتیوں اور نسلوں کو برباد کرے۔ تو کیا کیا اس نے؟ اس نے جاتے جاتے ہی، حالانکہ تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے آپ کو بہت بڑا مسلمان کہہ رہا تھا، جاتے جاتے اس نے مسلمانوں میں سے بعض کی کھیتیاں بھی جلا دیں اور ایک قبیلے کے مویشیوں کو بھی قتل کر کے ضرر پہنچاتا ہوا نکل گیا، تو یہ ایک کردار ہے۔

بعض علما کہتے ہیں، وَاِذَا تَوَلَّى..... خاص بات یہاں بالخصوص صاحب امر لوگوں کے لیے ہے۔ بعض علما کہتے ہیں، جس طرح علامہ رازی فرماتے ہیں کہ تَوَلَّى سے یہاں مراد ہے کہ حاکم بنے جب وہ، تو وہ کیا کرے؟ وہ حرکتیں کرے جو برے حکمران کرتے ہیں۔ جہاد کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جہاد کے نتیجے میں بالآخر حکومت ہی ملتی ہے۔ اگر جہاد کامیاب ہو جائے تو اسلامی نظام ہی قائم ہوتا ہے۔ یعنی حکومت ہی قائم ہوتی ہے کسی نہ کسی صورت کی۔ تو اگر اللہ کے لیے جہاد ہو گا تو اسلامی شریعت آئے گی اور اگر کسی اور کے لیے جہاد ہو گا تو پھر کچھ اور آجائے گا۔ تو یہ ذہن میں رکھنے کی بات ہے کہ قرآن نے مفسد کی کیا نشانی بتائی، کہ وَاِذَا تَوَلَّى..... جب اس کو حاکمیت مل جائے، طاقت اور قوت مل جائے، والی بن جائے وہ، تو مَسْعٰی فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا..... تو زمین میں بھاگ دوڑ اس لیے کرتا ہے کہ فساد مچائے اور فساد کی علما نے دونوں تعریحات کی ہیں؛ زبان سے فساد، کہ غیبتیں کرے، چغلیاں کرے اور مجاہدین کے درمیان مسلمانوں کے درمیان تفریق لے کے آئے، اس کے خلاف زبان کھولے، اس کے خلاف زبان کھولے۔ اور دوسرا اپنے عمل سے فساد۔ عمل سے فساد کیا ہے، وَفِيْلِكَ الْحَرْثُ وَاللَّسْلُ..... کہ کھیتیوں اور نسلوں کو برباد کرے۔ اس کو بس دھماکوں سے، تباہی سے، چیزیں گرانے سے ہی غرض ہو۔ اس کو اس سے غرض نہ ہو کہ وہ دھماکہ کس پہ ہو رہا ہے، اس کو اس پہ خوشی ہوتی ہے کہیں ہو جائے بس، کچھ ہو جائے۔ تو یہ جس کا نظریہ ہے کہ اس کو اس سے غرض نہیں ہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق بھی ہوا کہ نہیں ہوا، شریعت کے مطلوب کے مطابق بھی ہوا کہ نہیں ہوا، بس تخریب ہونی چاہیے اور بس۔ تو پھر یہ جہاد نہیں ہے، یہ فساد

ہے۔ اور اس کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اگلی صفت کیا بتاتے ہیں؛ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاُثْمِ..... کہ اس کا کردار ایسا ہے کہ جب اس کو کہا جاتا ہے کہ اتَّقِ اللّٰهَ..... اللہ کا خوف کرو، اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاُثْمِ..... تو اس کی جھوٹی عزت آڑے آجاتی ہے۔ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ..... تو اس مفسد کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جس نے قوت کو، طاقت کو، جس نے مجاہدین کے مراکز میں تربیت لی اس کو، جو اس نے یہاں پہ بارود سیکھا، جو اس نے یہاں پہ اسلحہ سیکھا، اس کو فساد کے لیے استعمال کیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی دینی تنظیم سے، وہ القاعدہ سے جڑا ہے یا وہ تحریک طالبان سے جڑا ہے یا وہ امارت اسلامیہ سے جڑا ہے، ان چیزوں سے بخشش نہیں ہوگی۔ اگر وہ مفسد ہے تو مفسد ہی ہو گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہو گا۔

اور دوسرا کردار وہ ہے کہ علما کہتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں، اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں۔ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعَبَادِ ۝ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ دی ہے اللہ کو راضی کرنے کی خاطر، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت رحم کرنے والے، رعت و رحمت کرنے والے ہیں۔ تو پیارے! کیا کیا تھا حضرت صہیبؓ نے؟ اپنا سارا مال بیچ کر، دے کر مشکین کو ان سے جان چھڑائی اور ہجرت کی۔ سارے مال کے بدلے میں ہجرت قبول کی انہوں نے۔ اور اسی طرح حضرت عمار بن یاسرؓ نے اپنا پورا خاندان کٹوا دیا۔ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں کہ جن کی 'میں' ختم ہو چکی ہے۔ نفس بیچ دیا ناں، يَّشْرِيْ نَفْسَهُ..... جس نے اپنا آپ بیچ دیا، میں بیچ دی تو اب وہ اپنے آپ کو کوئی چیز نہیں سمجھتا کہ وہ علما پہ بھی منہ کھولے اور وہ فقہا پہ بھی منہ کھولے اور وہ اپنے والدین کے خلاف بھی بد تمیزی کرے، وہ اپنے ساتھیوں پہ بھی منہ کھولے، وہ دوسری تنظیموں کا بھی استہزاء کرے اور وہ عامۃ المسلمین کی بھی تحقیر کرے۔ یہ وہ کرتا ہے جس کی میں باقی ہو، جس نے میں ہی بیچ دی وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا اور اللہ کی جنتوں کا مستحق ہو گا، اس کی شہادت ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے اور آپ کو یہ ساری صفات، جو جہاد کی قبولیت کی شرائط ہیں اللہ وہ بھی پوری کرنے کی توفیق دے اور جو شہادت کی قبولیت کی شرائط ہیں اللہ وہ بھی پوری کرنے کی توفیق دے اور اپنی رحمت سے اپنے فضل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ مقبول شہادت ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین!

سبحانک اللہم وبحمدک ونشهد أن لا اله إلا أنت نستغفرک ونتوب إلیک
وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البراء الإبطی

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الإبطی کی تصنیف تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

بارہویں وجہ: خلوتوں کے گناہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا عَلَمَ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالٍ تَهَامَةٍ بِيضًا فَيَجْعَلُهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُورًا.

”میں جانتا ہوں ان لوگوں کو جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اس غبار کی طرح کر دے گا جو اڑ جاتا ہے۔“

ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان کر دیجیے اور کھول کر بیان فرمائیے تاکہ ہم لاعلمی سے ان لوگوں میں نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا إِهْمُ إِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جَلْدَتِكُمْ وَيَأْخُذُونَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُونَ وَلَكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا. (ابن ماجہ)

”تم جان لو کہ وہ لوگ تمہارے بھائیوں میں سے ہیں اور تمہاری قوم میں سے۔ اور رات کو اسی طرح عبادت کریں گے جیسے تم عبادت کرتے ہو۔ لیکن وہ لوگ یہ کریں گے کہ جب اکیلے ہوں گے تو حرام کاموں کا ارتکاب کریں گے۔“

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”(جب اکیلے ہوں گے) سے مراد خفیہ نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی انہیں موقع ملے تو وہ حرام کا ارتکاب کریں گے۔ یعنی کہ خلوا کا مطلب خفیہ نہیں ہے بلکہ یہ اس محاورے جیسا کہ (ماحول سازگار ہوا)۔“

(بحوالہ سلسلۃ الہدی والنوی، کیسٹ نمبر ۲۲۶)

یہ جان لو کہ اللہ کی نگرانی تمہارا پیچھا کر رہی ہے جہاں بھی تم جاؤ اور جہاں بھی تم ٹھہرو گے۔ رات کے اندھیرے میں، دیواروں کے پیچھے، کمروں کے اندر، خلوتوں میں اور جلو توں میں۔

حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جو بھی شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق درست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان تعلق کو درست کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کو خراب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور بندوں کے درمیان تعلق خراب کر دیتے ہیں۔ ایک ذات کے ساتھ معاملات درست رکھنا بہت سوں کے ساتھ درست رکھنے سے آسان ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات درست رکھو گے، تمام لوگ تمہاری طرف مائل ہوں گے۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات خراب کرو گے تو تمام لوگ تم سے نفرت کریں گے۔“

امام بن الجوزی رحمہ اللہ صید الخاطر میں فرماتے ہیں:

”میں نے کتنے ہی علم سے منسوب لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی نگرانی سے لا پرواہی برتتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ خلوتوں میں ان کے ذکر خیر کو ختم کر دیتے ہیں۔ انہیں دیکھنے میں کسی کو خوشی نہیں ہوتی، ان سے ملاقات کے لیے کوئی راغب نہیں ہوتا، ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔“

مزید کہا:

”گناہوں سے خبردار! خبردار! خصوصاً خلوتوں کے گناہوں سے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرا دیتا ہے۔ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملے کو خفیہ حالت میں درست رکھو۔ جب اللہ اعلانیہ تمہاری حالت درست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی سے غرور میں نہ پڑ جانا، ممکن ہے کہ وہ تمہارے عیوب سے پردہ اٹھالے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی بردباری کے سبب غرور میں پڑ جانا، ممکن ہے کہ وہ اچانک سزا دے دے۔“

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عارفین نے اتفاق کیا ہے کہ خلوتوں کے گناہ ہی اصل میں انحطاط کی وجہ ہیں۔ اور خلوتوں کی عبادتیں ثابت قدم رہنے کے اہم اسباب میں سے ہیں۔ سخون نے فرمایا: خبردار! اعلانیہ ابلیس کی دشمنی کے ساتھ خلوت میں اس کے دوست نہ بن جانا۔“

ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھنے والے چیزوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

”تین سو چھپنواں کبیرہ گناہ: لوگوں کے سامنے نیکیو کاروں کا سلوک کرنا اور خلوتوں میں حرام کا ارتکاب کرنا چاہے صغیرہ گناہ کیوں نہ ہو۔ ابن ماجہ نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (آغاز میں ذکر کردہ حدیث) روایت کی۔

اس لیے جس کی عادت ہو کہ وہ اچھا دکھائے اور برا چھپائے، اس کا نقصان اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی گردن سے تقویٰ اور ڈر کی رسی ٹوٹ جاتی ہے۔“

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ یہ دو اشعار گنگناتے تھے۔ اپنے لیے بھی اور اوروں کے لیے بھی۔ (جن کا مطلب ہے کہ)

”اگر تم عمر بھر خلوت میں گزارو، یہ نہ کہنا کہ میں خلوت میں ہوں بلکہ یہ کہو کہ مجھ پر نگران مقرر ہے۔ اور یہ نہ گمان کرنا کہ اللہ کبھی غافل ہوتے ہیں اور نہ کہ ان سے کچھ چھپایا جاسکتا ہے۔“

امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”انجام بد کی وجہ بندے کا وہ چھپا گناہ ہوتا ہے جو لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔“

بعض نے کہا:

”خلوتوں کے گناہ ان خطا کا سبب ہیں اور خلوتوں کی طاعتیں تادم مرگ ثابت قدمی کا سبب ہیں۔“

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صید الخاطر میں فرمایا:

”خلوت کی ایسی تاثیر ہوتی ہے جو جلوت میں واضح ہوتی ہے۔ اللہ پر ایمان لانے والے کتنے ایسے ہیں جو خلوت میں ان کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی سزا کے ڈر میں چھوڑ دیتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے اجر کی حرص میں، یا اللہ تعالیٰ کے احترام کی خاطر۔ یہ شخص ایسا ہے جیسا کہ کوئی ہندی عود کی لکڑی کو نکلے پر رکھے جس سے خوشبو چار سو پھیلے۔ لوگوں کو اس کی خوشبو تو پہنچے لیکن انہیں معلوم نہ ہو کہ کہاں سے آرہی ہے۔“

اپنی خواہشات چھوڑنے میں جتنی وہ جدوجہد کرے گا اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی۔ یعنی کہ اپنی مرغوب چیز سے جتنا دور ہٹے گا اتنی ہی خوشبو زیادہ ہوگی۔ جتنی لکڑی عمدہ ہوگی اتنی خوشبو زیادہ ہوگی۔

تم دیکھو گے کہ لوگوں کی نظریں اس شخص کا احترام کرتی ہیں۔ زبانیں اس کی تعریف کرتی ہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ کیوں۔ اور نہ ہی اس کی تعریف کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اس کی حقیقت جاننے سے دور ہیں۔

یہ خوشبویں اپنی تیزی کی بنا پر مرنے کے بعد بھی پھیلتی رہتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کا ذکر خیر مرنے کے بہت عرصے بعد تک جاری رہتا ہے، پھر لوگ بھول جاتے ہیں۔ بعض کو سو سال تک یاد کیا جاتا ہے اور پھر لوگ اس کی یاد بھی بھول جاتے ہیں اور اس کی قبر بھی۔ اور بعض ایسی نمایاں ہستیاں ہوتی ہیں جن کا ذکر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

اس کے برعکس جو لوگوں سے ڈرے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ اپنی خلوتوں میں احترام نہ کرے تو جتنا وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور جتنے وہ گناہ برے ہوتے ہیں، اس سے بدبو پھیلتی ہے اور اس سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اگر اس کے گناہ کی مقدار کم ہو تو لوگ اس کا ذکر خیر تو کم کرتے ہیں لیکن اس کی فقط تعظیم کرتے ہیں۔ اور اگر گناہ کی مقدار زیادہ ہو تو لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں خاموش رہتے ہیں۔ نہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور نہ مذمت۔

خلوت میں گناہ کا ارتکاب کرنے والے کتنے ایسے ہیں جن کے گناہ دنیا و آخرت میں بدبختی کی گھاٹیوں میں گرنے کا سبب بنے۔ جیسے کہ اسے کہا جا رہا ہو: تم اسی پر رہو جسے تم نے پسند کیا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ سر ٹکراتا رہے۔

تو گناہوں کو دیکھو میرے بھائیو! ان کا اثر بھی ہوتا ہے اور وہ بندے کو گرا بھی دیتے ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بندہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں اس کی نفرت ڈال دیتے ہیں اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

سو جو میں نے لکھا اس پر غور کریں، اور جو میں نے کہا اسے یاد رکھیں۔ اپنی خلوتوں سے لاپرواہ نہ ہوں، اس لیے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اور اتنا انعام ملے گا جتنا اخلاص ہو گا۔“

تیرہویں وجہ: حب منصب

حب منصب اور حب جاہ دلوں کی بیماریوں میں سے ہے۔ نفس کی خیانت اور پوشیدہ چالوں میں سے سب سے بری چیز ہے۔ بلکہ حب منصب حب دنیا سے بھی برا ہے۔ اس لیے کہا گیا کہ: منصب کی محبت ہر ہلاکت خیز گناہ کی جڑ ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مَا ذُنُوبَانِ جَانِعَانِ أَوْسَلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ جِرْصِ الْمَرْئِي عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ (روایت ترمذی۔ صحیح ابوالبانی)

”دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنا فساد نہیں مچائیں گے جتنا انسان کے دل میں مال اور منصب کی حرص اس کے دین میں فساد برپا کرتی ہے۔“

امام ابن رجب رحمہ اللہ جامع العلوم والحکم میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”انسان کی منصب پر حرص، مال پر حرص سے زیادہ ہلاکت خیز ہے۔ دنیاوی منصب اور اس میں ارتقا کی طلب، لوگوں پر اقتدار اور زمین میں بلادستی بندے پر پیسوں کی طلب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس کا نقصان بھی زیادہ ہے اور اس سے بچنا بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ منصب اور عہدے کی خواہش میں پیسہ بھی خرچ کر دیا جاتا ہے۔“

یہ ایسی بیماری ہے کہ کم ہی اس کی طرف توجہ جاتی ہے اور کم ہی اس سے خلاصی حاصل کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ انتہائی اشتیاق انگیز ہے اور اس کا پوشیدہ ہونا اور اس کی لذت اس سے چھٹکارا حاصل کرنے سے غافل کر دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَعَسَّ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعَسَّ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شَيْكَ فَلَا انْتَقَشَ. طُوبَى لِعَبْدٍ أَخَذَ بَعْتَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ مُغَبَّرَةً قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْجَرَّاسَةِ كَانَ فِي الْجَرَّاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنْ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنَ لَهُ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ.

”دینار اور درہم کا بندہ اور قطیفہ اور خیمہ کا بندہ ہلاک ہو جائے (یہ دونوں چادریں ہیں)۔ اسے اگر دیا جائے تو مسرور ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتا ہے۔ ہلاک ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے۔ جب اس کو کاٹنا چھپے، تو نہ نکلے۔ خوشخبری ہے اس بندے کے لیے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال پر اگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں۔ اگر وہ امام کی جانب سے پاسبانی پر مقرر ہو تو حفاظت میں پوری تندہی سے لگا رہے اور اگر فوج کے پیچھے حفاظت کے لیے لگا دیا جائے تو لشکر کے پیچھے لگا رہے۔ اگر اندر آنے کی اجازت چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے، تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔“

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مقصد یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہیں کیا جاتا، اور نہ اسے بالادستی پسند ہے۔ جس چیز میں بھی اسے لگا دیا جائے اسی میں لگا رہتا ہے۔“

منصب اور شہرت کی محبت سلف کے درمیان ایسی بیماریاں تھیں جس میں مبتلا ہونے سے وہ از حد درجہ ڈرتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ ان کے مطلوب مقاصد میں حائل ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں یہی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا میدان بن چکی ہیں، اور از حد درجہ مطلوب اور دل چسپ چیزیں بن چکی ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حَفَقَ النِّعَالُ مُفْسِدَةً لِقُلُوبِ نَوَى الرِّجَالِ

”(پیچھے چلنے والے لوگوں کی) قدموں کی آہٹ بے وقوف مردوں کے دلوں کے فساد کا باعث ہے۔“

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے عباد بن عباد کو خط لکھا کہ:

”خبردار! منصب کی محبت سے دور رہو۔ انسان میں منصب کی محبت سونے چاندی کی محبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایسا پوشیدہ دروازہ ہے جسے علماء میں سے صرف صاحب بصیرت ہی دیکھ پاتا ہے۔“

حضرت سفیان رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا:

”جسے منصب سے محبت ہو وہ اپنے سر کو ٹکرانے کے لیے تیار کر لے۔“

مقصد حضرت کا یہ ہے کہ منصب کی محبت کی وجہ سے اس کے حصول میں حریف پیدا ہوتے ہیں اور حریفوں کے درمیان جھگڑے اور تنازعے پیدا ہوتے ہیں۔ اصحاب سلوک کے یہاں یہ مہلک خواہش ہے اور زمینی صورت حال بہترین دلیل ہے کہ زعماء کا انجام قتل ہوتا ہے۔

اسحاق بن خلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ لا الہ الاہو کی قسم! بڑے پہاروں کو ہٹانا منصب کو ہٹانے سے آسان ہے۔“

حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”واللہ! ہلاکت میں پڑنے کی وجہ منصب سے محبت کے علاوہ کچھ نہیں۔“

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جسے بھی منصب سے محبت ہے اس سے لوگ حسد اور بغض کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے عیب کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور اسے کسی کا ذکر خیر برا معلوم ہوتا ہے۔“

امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”پوشیدہ خواہش نفس حب منصب ہے۔“

بعض سلف فرماتے تھے:

”صدیقوں کے دل سے (بھی) آخری نکلنے والی چیز منصب کی محبت ہوتی ہے۔“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”زیادتی اور ظلم کی بنیاد حب منصب ہے۔“

اور یہ بھی فرمایا:

”بہت سے لوگوں کے دلوں میں حب منصب گھر کر چکا ہوتا ہے لیکن اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنی عبادت میں مخلص ہوتا ہے لیکن اسے اپنے عیوب کا علم نہیں ہوتا۔“

جسے منصب سے محبت ہو وہ اسے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اگر اسے وہ مرتبہ اور منزلت نہ دی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ مجاہدین پر نقد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور معمولی حجت کی بنا پر ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ قومی حجت یہ ہے کہ اس کی خفیہ خواہش پوری نہیں کی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا: ”اسے اگر دیا جائے تو مسرور ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتا ہے۔“

امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حب جاہ کی باریک آفتوں میں سے منصب کی طلب اور حرص ہے۔ یہ پوشیدہ پہلو ہے۔ اسے صرف اللہ سے محبت کرنے والے عارف باللہ علماء جانتے ہیں، جن سے جاہل انسان دشمنی برتتے ہیں۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت میں شریک ہونا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ اللہ اور اللہ کے خاص عارفین بندوں کے نزدیک حقیر اور گری ہوئی منزلت کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چاہے سواریاں انہیں عمدہ طریقے سے اٹھائے پھریں لیکن گناہ کی ذلت ان کے گردنوں میں لٹکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بالضرور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو ذلیل کریں گے۔“

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے روح میں لکھا ہے:

”منصب کے طالب اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں تاکہ زمین میں بالادستی اور لوگوں کے دلوں پر گرفت اور دلوں کا ان کی طرف میلان جیسے اپنے مقاصد پورے کر سکیں۔ وہ لوگوں پر اونچا اور

زور آور ہونے کے باوجود لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اس طلب سے اتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ جیسے کہ زیادتی، حسد، سرکشی، بغض، ظلم، فتنہ، اللہ کے حق کے بجائے اپنے آپ کی طرفداری، جسے اللہ ذلیل کرے اس کی تعظیم کرنا، جسے اللہ باعزت کرے اسے ذلیل سمجھنا۔ دنیاوی منصب تو ایسے ہی ہوتا ہے اور ایسے ہی بلکہ اسے کئی گنا زیادہ مفاسد سے ہی حاصل کیا جاتا ہے۔ اور زعماء اس سے اندھے ہوتے ہیں۔ جب پردہ اٹھایا جائے گا تب انہیں معلوم ہو گا کہ وہ کتنے فساد میں تھے۔ قیامت کے دن انہیں ذرات کی شکل میں بنایا جائے گا جنہیں لوگ ان کی توہین اور تذلیل کے لیے روندتے جائیں گے۔ جیسے انہوں نے اللہ کے حکم کو پیچ جانا اور اللہ کے بندوں کو حقیر جانا۔“

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے (شعر) فرمایا: ”حب منصب ایسی بیماری ہے جو دنیا داری پیدا کرتی ہے اور آپس میں محبت کرنے والوں میں جنگ برپا کرتی ہے۔ یہ گردنیں کاٹتا ہے اور رشتوں کو پامال کرتا ہے۔ ایسے شخص میں نہ تو انسانیت باقی رہتی ہے اور نہ دین۔“

اور کہا گیا (شعر): ”حب منصب ایسی بیماری ہے جس کا علاج نہیں۔ اور بہت کم لوگ اپنے نصیب پر راضی ہوتے ہیں۔“

ابو العتہبیہ نے کہا (شعر): ”اے میرے بھائی! میں حب منصب سے ڈرتا ہوں کہ وہ غالب نہ آ جائے اور پھر بدعت اور گمراہی پیدا کرنا شروع کر دے۔“ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

حب وطن کی حیثیت

”حب وطن ایک فطری وصف ہے، جس کا انسان کی اخلاقی زندگی میں ایک مقام ہے، لیکن جس چیز کو اصل اہمیت حاصل ہے وہ ہے انسان کا عقیدہ، اس کی ثقافت اور اس کی تاریخی روایت۔ میری رائے میں یہ وہ اقدار ہیں جن کے لیے انسان کا جینا اور مرنا وقف ہو سکتا ہے، نہ کہ اس خطہ خاک کی خاطر جس کے ساتھ اس کی روح اتفاقاً عارضی طور پر وابستہ ہو گئی ہے۔“

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

(خطبہ اقبال، آل انڈیا مسلم کانفرنس ۱۹۳۱ء)

یوم تفریق [گیارہ ستمبر] کے تزویراتی فوائد

مرکزی جماعت قاعدہ الجہاد

قدمی کرتے ایک لشکر کا سامنا کرنے کی آزمائش میں ڈالا۔ یوں ان دو فریقوں کے درمیان فرق مزید واضح ہو جاتا ہے اور اس قلیل اور بے سروسامان گروہ کی لشکرِ کفارِ قریش پر جیت بھی مزید حیران کن بناتا ہے۔

غزوہ بدر اسلام کی قابلِ رشک عسکری تاریخ میں پیش آنے والی فیصلہ کن اور تاریخی جنگوں کے طویل سلسلے میں پہلی منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اسلام کی عسکری تاریخ اس قسم کی شاندار اور حیران کن جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر ہمارا موضوع آج ہمارے اپنے زمانے کا ایک یومِ فرقان ہے: نائن الیون۔ اپنی جزیات میں غزوہ بدر سے بہت زیادہ مماثلت و مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے کفارِ مکہ نے میدان بدر میں اٹھائی جانے والی ہزیمت پر پردے ڈالنے اور لوگوں کی توجہ دوسری جانب مبذول کرانے کی کوشش کی، بعینہ اسی طرح امریکہ نے دنیا کی توجہ ٹوئن ٹاوروں پر مرکوز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، جس کا مقصد اس طمانچے کی رسوائی کو کم کرنا تھا جو اس کے عسکری قلعے کے ایک بڑے حصے کی تباہی اور وزارتِ دفاع کے ہزار کے قریب اہلکاروں کے قتل کی صورت میں امریکہ کے چہرے پر جڑا گیا تھا۔ لیکن اس تاریخی واقعے کی اہمیت کو کم کرنے، اسے چھوٹا ثابت کرنے، اس سے متعلقہ حقائق کو مسخ کرنے اور چھپانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود، ۹/۱۱ کو تاریخ میں اسلام کے ناقابلِ فراموش حملوں میں سے ایک اور پہلے یومِ الفرقان، یعنی غزوہ بدر کے تسلسل کے طور پر ہی یاد رکھا جائے گا، کہ جس طرح میدان بدر میں صنم دوراں کے ستون ڈھے گئے، اسی طرح آج کے میدان بدر میں ٹوئن ٹاور ریزہ ریزہ ہوئے۔ ان حملوں کی تاریخی اہمیت کو امریکی مؤرخ پال کینیڈی نے بہترین طور پر بیان کیا جب اس نے کہا کہ اکیسویں صدی کی حقیقی شروعات تو ستمبر ۱۱، ۲۰۰۱ء کو ہوئیں، کیونکہ اس نے عصری تاریخ کو ما قبل ۹/۱۱ اور ما بعد ۹/۱۱ کے ادوار میں تقسیم کر دیا۔ اسی لیے گیارہ ستمبر کے واقعات انسانی تاریخ کے ایک بڑے نقطہٴ تغیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

طاقت کا وہ توازن جو اس روز الٹا دیا گیا، اس کو دوبارہ قائم کرنے اور دنیا پر اپنی چودھراہٹ و حکمرانی کی دھاک بٹھانے کی تمام تر امریکی کوششوں کے باوجود، امریکہ دوبارہ کبھی اپنی پہلی حیثیت حاصل نہیں کر سکا، نہ کر سکے گا۔ اپنی طاقت کی سب سے بڑی علامتوں..... پینٹاگان، جو کہ دنیا کی واحد سپر پاور کی وزارتِ دفاع کا مرکز تھا اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے آسمان کو چھوتے ٹوئن ٹاور، جو بے رحم امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے عالمی تسلط کی علامت تھے..... کی تباہی سے پہلے کے امریکہ اور ان کی تباہی کے بعد کے امریکہ، میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ۹/۱۱ کی قوت

آئیے آج بات کرتے ہیں غزواتِ اسلامی میں سے دو بڑے غزوات کی، جنہوں نے عالمی تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ سن ۲ ہجری کے ماہ رمضان کے سترہویں روزے کی صبح بھی ایسا ہی ایک تاریخی موقع تھا جس نے کل عالم اور تاریخ عالم کو ماقبل بدر اور مابعد بدر میں تقسیم کر دیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس وقت کی بڑی عالمی طاقتیں اس غزوے کی اہمیت و حقیقی قدر کا ادراک نہ کر پائیں اور انہوں نے اس کے واقع ہونے کے اسباب کی جانب بہت کم توجہ دی حتیٰ کہ عہدِ فاروقؓ، امیر المومنین ابو حفص عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں فارس و روم کے پایہ ہائے تخت عرب کے محمدی لشکروں کے قدموں تلے روندے جانے لگے۔

یوم بدر..... یا یومِ فرقان، حق و باطل کے مابین تفریق کا دن، اکثر مورخین کے نزدیک ایک فیصلہ کن دور ہے (نقطہٴ تغیر) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کفار کی بے تحاشہ عددی برتری اور ان کو دستیاب وسائل اور ان کی جنگی تیاریوں پر نظر ڈالیں تو ان کے مقابل مسلمانوں کی حیثیت ایک انتہائی قلیل اور بے سروسامان گروہ سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ وہ ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے اور باقاعدہ جنگ کے لیے ان کے پاس نہ ضروری ہتھیار اور ساز و سامان تھا، اور نہ ہی عددی قوت۔ ان کے برعکس کفار بھرپور تیاری کے ساتھ، سامانِ حرب سے لیس ہو کر، سوار و پیادہ جنگجوؤں کو لے کر نکلے تھے اور مقابل آنے والی کسی بھی قوت کو روند کر رکھ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

مگر یہ اللہ جل شانہ کی مرضی تھی کہ مسلمانوں کا وہ قلیل گروہ، جو جنگ کی قوت رکھتا تھا نہ استطاعت، خود سے کئی گنا بڑے اور ہر قسم کے وسائل اور ہتھیاروں سے لیس اس دشمن کا مقابلہ کرے، اور پھر اس کے مقابل ایسی شاندار، فیصلہ کن اور نمایاں فتح حاصل کرے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ مادی اعتبار سے اس گروہ کے افراد اپنے کمزور ترین دور سے گزر رہے تھے، اور اپنے ان گھروں اور زمینوں کی طرف لوٹنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے تھے جہاں سے وہ دو سال قبل بڑور نکالے گئے تھے۔ مادی اعتبار سے ایک کمتر مسلم قوت کی خود سے عددی و مادی اعتبار سے کئی گنا بڑی دشمن قوت پر یہ فتح بھی تھی جس نے ایمان و کفر کے مابین فرق کو واضح اور نمایاں کیا۔

اس فتح نے خدائے مہربان کے اولیا اور حلیفوں کی طاقت و قوت کو واضح کیا جبکہ اولیائے شیطان کی طاقت کی حقیقت و کمزوری بھی سب پر عیاں ہو گئی۔ اگر اس روز مسلمان وہ تجارتی قافلہ لوٹنے میں کامیاب ہو جاتے تو تنقید و تجزیہ کرنے والے اس غزوے کی اہمیت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے کہ کوئی بھی غیر قانونی مسلح گروہ ایک تجارتی قافلے کو لوٹ سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو قافلے کے غنائم سے محروم رکھا اور جنگ و قتال کی نیت سے پیش

محض اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر پھیلنے والی تباہی و بربادی میں نہیں، بلکہ مساوی طور پر اپنے ناگہانی پن میں ہے، کیونکہ یہ حملہ ایسے طریقے سے ہوا جو بے حد اچانک اور غیر متوقع تھا۔ آئیے ذرا دیر کو اپنی شاندار تاریخ کے ایک صفحے کا بغور مطالعہ کرنے کے لیے ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں۔ گیارہ ستمبر، ۲۰۰۱ء کی صبح امریکی سرزمین پر اس کے عسکری اور اقتصادی قوت کی علامتوں پر حملوں کی خبر پوری دنیا کے اخباروں کی شہ سرخی بن گئی۔ جلد ہی یہ بات معروف ہو گئی کہ اسلام کے شہسواروں میں سے انیس ابطال نے امریکہ کو اس کی اپنی سرزمین، بلکہ اس کے دار الحکومت کے عین وسط میں جا جھنجھوڑا ہے۔ ایک نام پوری دنیا میں ہر ایک کی زبان پر تھا۔ ایک دور دراز اسلامی سرزمین قندھار پر بسنے والے ایک مرد مسلمان، اسامہ بن لادن نے نشانہ باندھ کر چار نیزے مارے، جو واشنگٹن و نیویارک کے قلب میں جا بیوست ہوئے۔ ان نیزوں میں سے تین نے امریکہ کی عسکری اور اقتصادی قوت کو مجروح کیا۔ جبکہ ان چاروں کے وار سے مجموعی طور پر چھ ہزار سے زائد امریکی جانیں لقمۂ اجل بنیں، جو کہ پرل ہاربر میں اٹھائے جانے والے امریکی نقصان سے دو گنا تھیں۔

ایک ایسے بے مثال حملے میں جو پوری دنیا میں ٹیلی وژن کی سکرین پر لائیو دکھایا گیا، انیس شجاع مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ نے امریکہ کے عسکری قلعہ کے ایک بڑے حصے کو خاک میں ملا دیا تھا جبکہ امریکہ کی عالمی اقتصادی اجارہ داری کی بزرگ ترین علامت، ورلڈ ٹریڈ سنٹر (عالمی تجارتی مرکز) کے ٹوئن ٹاوروں کو نیویارک کے خطِ افق (skyline) سے ہی مٹا کر رکھ دیا تھا^۱۔ دنیائے پوری انسانی تاریخ میں کبھی عسکری و تزویراتی اعتبار سے ایسا بے مثال حملہ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ بلاشبہ عسکری تاریخ میں اس حملے کو اسلام کے ایک اور زندہ جاوید غزوے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

ان حملوں کو انجام تک پہنچانے والے بیس یا سو صابر مومنین نہیں تھے، کہ قرآن کے مطابق جو دشمن کے دو سو یا دو ہزار کے عدد پر غالب آتے..... بلکہ وہ تو محض انیس بے خوف شہسوار تھے، جو کفار کے چھ ہزار سے زائد افراد پر غالب آ گئے۔ ۱۱ ستمبر، ۲۰۰۱ء کی صبح پوری دنیا نے سرمایہ دارانہ نظام کے قلب میں اس کی سب سے بڑی اور عظیم الشان اقتصادی علامت کی تباہی کا نظارہ کیا۔ آن کی آن میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جڑواں ٹاور شیشے اور لوہے کے ایک بڑے ڈھیر اور دم گھونٹنے والے غبار کے بادل میں تبدیل ہو گئے۔ اس حملے کے فوراً بعد اگلا حملہ امریکہ کی عسکری طاقت پسنداگان پر ہوا۔ پسنداگان کا ایک بڑا حصہ..... جس میں حرب و ضرب کے ماہرین اور امریکہ کی عسکری قیادت موجود تھی، مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ طیارہ ایئر فورس وین کتنی ہی دیر ایک دہشت زدہ امریکی صدر کو اٹھائے فضاؤں میں منڈلاتا رہا، کہ صورتحال کا جائزہ لینے

۱ خطِ افق کے ساتھ skyline کے انگریزی لفظ کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ جدید دنیا میں یہ بات مشہور ہے کہ نیویارک کی skyline قابلِ دید ہے، گویا جس نے نیویارک کی سکاٹی لائن نہیں دیکھی، اس نے کچھ نہیں دیکھا!۔ (مترجم)

کے لیے وہ زمین پر اترنے پر تیار نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بُش..... عرب بہار کے بعد جس طرح تیونس کا صدر زین العابدین طیارے پر فرار ہوا تھا..... اسی قسم کے ایک منظر نامے میں اپنی جان بچانے کی خاطر ایئر فورس وین پر فرار ہو جائے گا۔ ۹/۱۱ کی صبح، انسانی تاریخ کی سب سے بڑی عسکری طاقت کا صدر، آسمانوں اور فضاؤں میں امن اور پناہ تلاش رہا تھا، اور نہیں جانتا تھا کہ کس زمین پر قدم رکھے! گویا اس کا گمان ہو کہ ۱۹ مسلمان حملہ آوروں نے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے!

ایک ہی ضرب سے، مسلمانوں کے ان انیس شہسواروں نے اس تصور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین میں دفن کر دیا کہ امریکہ ایک ایسا محفوظ اور مضبوط قلعہ ہے، جس کی حفاظت کے لیے جوہری ہتھیاروں کا ایک بڑا ذخیرہ ہر آن تیار و موجود ہے، جس کی سرحدیں اتنی محفوظ ہیں کہ ان پر حملہ کرنا ممکن ہی نہیں، اور جسے بحرا و قیانوس اور بحر الکابل کے پانیوں نے بہت مؤثر اور اچھے طریقے سے دیگر تمام دنیا سے محفوظ کر رکھا ہے۔ حملے کے بعد کے گھنٹوں میں امریکی صدر روپوش تھا جبکہ امریکی عظمت و جبروت وہاں پہنچ چکی تھی جہاں اس کو پہنچنے کا حق تھا..... تاریخ کے کچر اداں میں! اپنی تمام تر طاقت، عظمت و شوکت اور تکبر کے باوجود، امریکہ اچانک ہی بنا کسی قیادت کے تنہا کھڑا تھا۔ ان حملوں کے بعد صورتحال ایسی بن گئی تھی جو آج ہمیں سری لنکا کی صورتحال کی یاد دلاتی ہے، کہ جس میں ایک ملک یکا یک بے قیادت و بے سمت، بوکھلایا ہوا اور اپنی جڑ سے اکھڑا ہوا رہ گیا۔ واشنگٹن و نیویارک ایسا محسوس ہوتا گویا بھوتوں کے شہر ہوں.....

اور یوں امریکہ واحد عالمی سپر پاور اور ایک ایسی ناقابلِ تسخیر ریاست جسے چیلنج کرنا ہی ممکن نہ تھا، سے ایک عام اور معمولی ریاست بن گئی..... دنیا کی کسی بھی دوسری ریاست کی مانند! حقیقت یہ ہے کہ ۹/۱۱ کے واقعات نے امریکی نفسیات کو جس طرح متاثر و مجروح کیا، اس کو مد نظر رکھے بغیر پچھلی دو دہائیوں میں عالمی منظر نامے پر امریکی رویے اور طرزِ عمل کو سمجھنا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ حملے امریکی نفسیات پر ایک بہت گہرا تاثر چھوڑ گئے جنہوں نے ہر طرح سے عالمی منظر نامے پر اس کے طرزِ عمل کو متاثر کیا۔ یہ ایک مستقل زخم کی مانند ہیں..... ایک ایسا زخم، جو شاید کبھی بھرنے سکے گا۔ یہ امریکہ کی عزت و عظمت پر ایسا دھبہ ہیں جسے وہ کبھی دھو نہیں پائے گا، بلکہ یہ پوری قسط ہی امریکہ کے لیے انتہائی رسوا کن اور باعثِ ہزیمت تھی۔ اور یہی وہ سبب تھا، کہ جس نے امریکہ کو ایسا طرزِ عمل اپنانے پر مجبور کیا جو ابتداءً جنوبی و ہڈیانی تھا اور بتدریج مزید نا عاقبت اندیش ہوتا چلا گیا۔

نیز یہ حملے ایک عالمی طاقت کے طور پر امریکہ کے زوال کا بھی ایک چہنچا چلا تا ثبوت تھے۔ ان حملوں نے بنیادی طور پر امریکی عظمت و شوکت کی شام ہونے کا اعلان کر دیا۔ قوموں کے عروج و زوال کو بغور پڑھا اور سمجھا جائے تو ایک اہم حقیقت کا ادراک ہوتا ہے: جب بھی کوئی عظیم طاقت اپنی قوت و شوکت کے عروج پر پہنچتی ہے، ایک سست مگر مستقل بڑھتے ہوئے انحطاط کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ عمل مگر عموماً انتہائی لطیف اور غیر محسوس کن ہوتا ہے جس کو پہچاننا بعد میں تو ممکن ہوتا ہے، لیکن جس وقت زوال کی جانب یہ سفر طے ہو رہا ہوتا ہے، تب یہ آثار اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں کئی عشروں کی مدت لے لیتے ہیں۔ مگر امریکہ کے معاملے میں انحطاط و زوال کی یہ علامات، اپنی عظمت و قوت کے عروج کے دور میں بھی بے حد نمایاں رہی ہیں۔ گویا اللہ جل جلالہ اس دنیا کے باسیوں کو یاد دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ سنہ اللہ سب پر غالب آنے والی ہے، اس کے امر کے آگے سب بے بس ہیں، اور اس کی قوت و طاقت کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اس کا امر محض ایک کلمہ کن کا منتظر ہوتا ہے، اور جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ کہتا ہے 'کن' اور 'فیکون' پس وہ ہو جاتا ہے!

ستمبر ۲۰۰۱ء میں واقع ہونے والا یوم بدر امریکہ کا لمحہ اذیت و رسوائی تھا۔ یہ حملے آسمانی بجلی کی طرح امریکہ پر گرے اور اس کی عظمت و عروج، اس کے مکمل عالمی تسلط، اور اس کی شوکت و ہیبت کے بت کو پاش پاش کر گئے۔ امریکہ اس صدی کے طلوع ہونے پر مغربی دنیا کی اکثریت کی نظر میں ایک ایسا روشن و چمکدار ستارہ تھا جس کی چمک دمک لازوال، خیرہ کن اور کبھی ماند نہ پڑنے والی تھی۔ حتیٰ کہ ان حملوں سے محض ایک مہینہ قبل، برطانوی وزارت خارجہ کی جاری کردہ ایک رپورٹ میں بڑے وثوق سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ کم از کم سن ۲۰۳۰ء تک، امریکہ کی عسکری و اقتصادی طاقت کل عالم میں فائق تر اور غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ امریکہ کو یہ لا زوال اسلامی ضرب لگی جس نے ایک ہی جھٹکے میں اس کا توازن درہم برہم کر دیا اور اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔

جی ہاں، جیسے زمانہ اول کے کافر بدر اولیٰ کے حقیقی اثرات و نتائج سے بے خبر رہے تھے، اسی طرح آج کے کافر بھی بدر ثانی، ۱۱ ستمبر کی حقیقت کا ادراک نہ کر پائے۔ تجزیہ کاروں میں بہت قلیل تعداد تھی جو اس وقت عالمی طاقت کے توازن پر ان حملوں کے حقیقی دور رس نتائج و اثرات کا اندازہ کر پائی۔ واقعے کے فوراً بعد تو اس کے اثرات کے بارے میں آراء میں بے تحاشا تنوع و اختلاف پایا جاتا تھا، اور کسی نے بھی اتنے بڑے پیمانے پر اتنے گہرے اثرات کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ اکیسویں صدی کی شروعات شاید ہی اس سے زیادہ ڈرامائی ہو سکتی تھیں۔

مگر وقت گزرنے کے ساتھ بعض تجزیہ کاروں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان حملوں کا امریکہ کے عالمی تسلط پر اثر واضح اور محسوس کن ہو گا اور عالمی منظر نامے میں طاقت کے توازن میں آنے والی تبدیلی ان تمام اندازوں سے بڑھ کر ہوگی جن کی ابتداء کسی نے بھی توقع کی تھی۔

تزویراتی (strategic) فوائد کے اعتبار سے ان حملوں نے امریکہ کو شدید عسکری و اقتصادی نقصان پہنچایا۔ محض اس ایک حملے میں ہونے والا عسکری نقصان ان پیشتر جنگوں میں اٹھائے جانے والے نقصان سے زیادہ تھا، جن میں امریکہ جنگ عظیم دوم کے بعد سے شریک ہوا ہے۔ بالخصوص پینٹا گان پر ہونے والے حملے میں جو جانی نقصان ہوا، وہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ حملے میں قتل ہونے والے بہت سے افسر ایسے تھے جو سالوں کا تجربہ و مہارت رکھتے تھے، اور جدید ترین عسکری اوزار و اسلحے اور مشینوں سے کئی گنا زیادہ قیمتی اور اہم تھے۔ امریکہ پینٹا گان میں ہلاک ہونے والے ان افسروں کی عسکری مہارت کے بغیر عراق و افغانستان کی جنگوں میں داخل ہوا، اور ان جنگوں میں شکست و ہزیمت سے دوچار ہونے میں اس سبب کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔

اقتصادی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی ان فوری نقصانات کے جو حملوں کے سبب ہونے والی تباہی و بربادی کے سبب اٹھانا پڑے، ان کے علاوہ بھی امریکی اقتصاد پر ان حملوں کے اہم اور دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ جڑواں ٹاوروں کی تباہی امریکی کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے شدید نقصانات کا باعث بنی۔ اول تو اتنی بڑی تعداد میں کاروباری افراد اور معاشی سمجھ بوجھ رکھنے والے اذہان کی موت ہی نے ان کے ہاتھوں چلنے والی کمپنیوں اور کاروباروں کو مفلوج کر دیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ پوری امریکی معیشت پر پڑنے والا بوجھ مزید واضح ہوتا چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ گیارہ ستمبر نے امریکہ کو ایک ایسی تاریک سرنگ میں دھکیل دیا جس کا کوئی سرانظر نہ آ رہا تھا۔ آنے والے سالوں میں امریکہ کا قومی قرضہ اس رفتار سے بڑھا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ نوے کی دہائی میں امریکہ جس قسم کی معاشی خوشحالی کا عادی ہو گیا تھا، وہ یکایک ختم ہو گئی۔ ۱۱ ستمبر، ۲۰۰۱ء کو کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ محض ۲۰ سال بعد امریکی حکومت اپنے آپ کو امریکہ کے بچوں کے لیے دودھ کا پاؤڈر فراہم کرنے کے بھی قابل نہ پائے گی، اور ملک کے طول و عرض میں ایک ایک لیٹر پٹرول پر مرنے مارنے پر آمادہ لوگوں کے جھگڑے ایک عام منظر بن جائے گا؟

پھر امریکہ کا یکے بعد دیگرے اور انتہائی جلد بازی سے دو جنگوں میں داخل ہونے نے نہ صرف امریکہ کی عسکری کمزوری کو ظاہر کر دیا بلکہ واشنگٹن میں سیاسی عزم و ارادے اور ہمت و استقلال کے فقدان کو بھی عیاں کر دیا۔ عراق و افغانستان کی جنگوں نے امریکہ کی تاریخ سے ناواقفیت اور مسلم دنیا کی پیچیدگیوں سے اس کی لاعلمی کو بھی واضح کر دیا۔ امریکہ انتہائی عجلت میں اکٹھے کیے ہوئے اتحادیوں کے ساتھ پہلے افغانستان اور پھر عراق میں داخل ہوا، وقت گزرنے کے ساتھ امریکہ کے یہ اتحاد کمزور اور ناپائیدار ثابت ہوئے۔ امریکہ منصوبہ بندی کے جس فقدان کے ساتھ ان جڑواں جنگوں میں سر دے بیٹھا، وہ مستقبل میں آنے والی امریکی انتظامیوں کے لیے بھی مسلسل بوجھ اور ایک مستقل دردِ سر بنی رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ امریکہ کے وسائل اور صلاحیتوں سے بالاتر تھا کہ وہ اپنی سرحدوں سے دور عسکری مہمات میں

الٹھے، بالخصوص ایک ایسے وقت میں جبکہ اپنی تاریخ میں پہلی دفعہ وہ اندرونی طور پر غیر محفوظ تھا۔

اسی سے متعلق ایک دوسرا سٹریٹیجک فائدہ جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، یہ حاصل ہوا کہ ان حملوں سے نصرانی صلیبی مغربی دنیا میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک زیادہ تر کیتھولک مغربی یورپ اور ایک آرتھوڈوکس مشرقی یورپ کو ۱۱ ستمبر کے بعد کی دنیا میں ایک موقع ہاتھ آیا تھا کہ وہ امریکہ کو دنیا کے واحد چودھری کے اس کے مقام و منصب سے گرا دیں۔ آج افغانستان میں امریکی شکست اور یوکرین میں جنگ پھڑکنے کے بعد، طاقت کے توازن میں یہ تبدیلی اس قدر واضح ہو گئی ہے کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا۔

سکیورٹی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ۱۱ ستمبر تاریخ کی بدترین استخباراتی ناکامیوں میں سے ایک تھا۔ بے حد قلیل وسائل کے حامل، انیس افراد امریکہ کے شہری و عسکری دفاعی حصاروں سے گزرنے میں کامیاب ہو گئے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس سے امریکی قوم کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوئے: اگر کسی ریاست یا عسکری قوت نے امریکہ پر حملے کا ارادہ کر لیا تو کیا ہو گا؟ اگر ان ’دہشت گردوں‘ کے اختیار میں جو ہری ہتھیار آگئے تو کیا ہو گا؟ اور اگر انہوں نے امریکی سرزمین پر کیمیا یا بائیولوجیکل ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تو.....؟‘

۹/۱۱ کے حملوں کے اثرات اور فروغی نتائج تو آج تک ظاہر اور محسوس ہو رہے ہیں۔ بلکہ آنے والے زمانے میں بھی جس قدر پیش بینی کی جاسکتی ہے، اس میں بھی ان زلزلہ خیز حملوں کے اثرات مابعد غائب ہوتے نظر نہیں آتے۔ یہ اسی سبب ہے کہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کو بدر اولیٰ، یوم الفرقان کا ایک تسلسل قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان حملوں کا ایک درست اور قرین حقیقت تجزیہ کرنے کے لیے انہی شرائط کا پورا ہونا درکار ہے جو اجماع فقہی کے لیے ہیں، یعنی ہم عصریت کا ختم ہونا۔ اسی صورت میں تجزیہ غیر متعصب اور مبنی بر عدل ہو سکتا ہے کیونکہ ایک ہی دور اور زمانے سے تعلق رکھنا اکثر ایک حقیقی اور صائب رائے قائم کرنے کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں بہت سی شخصیات اور فیصلہ کن جنگوں کی عظمت کو تب تک تسلیم نہ کیا گیا اور ان کی مکاحقہ قدر نہ کی گئی یہاں تک کہ وہ زمانہ ختم ہو گیا جس سے وہ تعلق رکھتے تھے..... اور اس زمانے کے ساتھ ہی ان کے ساتھ وابستہ تعصب و حسد بھی۔

اس حقیقت کو جھٹلانا مشکل ہے کہ دنیا ان حملوں کے ایک دن بعد ویسی نہیں رہی جیسی ان سے ایک دن قبل تھی۔ اس اعتبار سے بھی ۱۱ ستمبر یوم فرقان تھا، اور اسلامی تاریخ کے دھارے کو موڑنے والا ایک تاریخ ساز دن تھا۔ اس دن کے حملے اسی بدری روح کے حامل تھے جو تاریخ اسلام کی پہلی عظیم جنگ میں نظر آتی ہے، اور یہ اس کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت و مماثلت رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان پاکیزہ اور جڑی نفوس پر اپنی رحمت کا سایہ فرمائے جنہوں نے

اس دن امریکی فضاؤں میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اور سلامتی ہو ان پر ان کی دائمی وابدی حیات میں!

۱۱ ستمبر کی شام بہت کم لوگ یہ بات سمجھ پائے تھے کہ آج کا دن وقت کی عظیم طاقت کے لیے پیام اجل لے کر آیا تھا۔ مشرکین قریش اور روم و فارس کی سلطنتوں کے زوال کی ساعتوں کا شمار ۱۷ رمضان المبارک، ۲ ہجری بروز جمعہ، میدان بدر میں شروع ہو گیا تھا۔ اسی طرح بروز منگل، ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو اس حقیقت کا ادراک بہت کم تھا کہ سقوط امریکہ کی الٹی گنتی بھی شروع ہو گئی ہے۔ آنے والے ماہ و سال میں جو کچھ ہوا اور پیش آیا وہ مظلومین کے سفر بہ سمت عروج کی شروعات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُكَيِّنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (سورة القصص: ۲۵، ۲۶)

”اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے ان پر احسان کریں ان کو پیشوا بنائیں، انہی کو (ملک و مال کا) وارث بنادیں۔ اور انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھادیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کر رہے تھے۔“

کوئی بھی شخص..... قطع نظر اس بات سے کہ وہ کتنی ہی عمدہ تجزیہ و تحلیل کی صلاحیت رکھتا ہو اور کیسا ہی کایاں پیش بین کیوں نہ ہو..... کوئی بھی اس واقعے کی پیشین گوئی نہیں کر سکتا تھا کہ بیس سے بھی کم مسلمان شہسوار، جو چھوٹی چھوٹی کاغذ اور ڈبے کاٹنے والی چھریوں کے علاوہ کسی چیز سے مسلح نہیں تھے، وہ تاریخ کے سب سے عظیم اور طاقتور عسکری جگن ناتھ..... جو جاسوس سیٹلائٹوں، انتہائی مضبوط عالمی استخباراتی و جاسوسی نظام و نیٹ ورک اور ایک عظیم الشان عسکری صنعتی مرکز کا مالک تھا..... کو ایسی مہلک ضرب لگائیں گے۔ یہ ماسوائے اللہ رب العزت کے فضل کے ممکن نہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے امت مسلمہ کے ہر اول دستے، القاعدہ کو اس تاریخی دن ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ جسے تاریخ میں ہمیشہ روح جہاد اور حمیت اسلامی کی بے نظیر مثال کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

بیت المال کی گاڑی ذاتی کاموں میں استعمال کرنے کا حکم

مرکزی دارالافتاء: امارت اسلامیہ افغانستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالافتاء کے محترم رئیس اور تمام ارکان دارالافتاء کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

وبعد: میں ایک مجاہد ہوں۔ میرے پاس امارت اسلامی کی ایک گاڑی ہے جس کو میں جہادی امور میں استعمال کرتا ہوں، لیکن وقتاً فوقتاً اس گاڑی کو ذاتی ضروریات کے لیے بھی استعمال کرتا ہوں، تو کیا یہ ذاتی استعمال میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی

راشد

بتوسط: مفتی محمود ذاکری صاحب

نص الفتویٰ - حامداً ومصلیاً

خلاصہ جواب

محترم مستفتی صاحب! امارت کے وسائل و اسباب ہر مجاہد کے پاس امانت ہیں، کیونکہ یہ بیت المال ہے، اور بیت المال کے ساتھ انتہائی حد تک احتیاط کی ضرورت ہے، تو یہ جائز نہیں کہ ان اموال کے ساتھ کوئی بد احتیاطی کرے، اور بیت المال کے ساتھ بد احتیاطی غدر اور خیانت ہے، بیت المال میں غدر اور خیانت دنیوی اور اخروی عذاب کا باعث بن سکتی ہے۔ امیر المؤمنین بھی بیت المال کے مالک نہیں بلکہ صرف ایک متصرف ہیں، اور ان کو تصرف کی اس حد تک اجازت ہے جتنا ایک یتیم کے مال سے یتیم کے وصی اور ولی کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایسا ذاتی کام جس کی مجاہد نے مسئولین سے امارت کی گاڑی استعمال کرنے کی اجازت لی ہو اور مسئولین نے اجازت دے دی ہو، یا اس ذاتی کام میں اگر وہ مجاہد امارت کی گاڑی استعمال نہ کرے تو مجاہد کے جہادی امور میں توقف واقع ہو سکتا ہو یا مجاہد کو سکیورٹی مسائل پیش آنے کا خوف ہو، تو پھر مجاہد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ذاتی کام میں امارت کی گاڑی استعمال کرے۔ لیکن اگر کسی نے امیر کی اجازت کے بغیر استعمال کیا تو اس کے لیے لازم ہے کہ بیت المال کو اس کا ضمان و تاوان دے دے۔

نوٹ: مسئول افراد کو اجازت صرف مصلحت اور منفعت کی بنا پر ہے، مطلب یہ کہ بڑے امیر سے لے کر ایک فرد مجاہد تک تمام مجاہدین بھرپور کوشش کریں کہ وسائل امارت حتی الوسع اپنے ذاتی امور میں استعمال نہ کریں، اور اگر کسی کو امارت کے وسائل استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ اجازت صرف ایک عام منفعت اور مصلحت کی بنا پر ہے۔

اور جس مجاہد کو امارت کی طرف سے کوئی گاڑی یا دوسری چیز ایک کام کے لیے دی جائے، تو یہ چیزیں مجاہد اس وقت تک استعمال کر سکتا ہے جب تک وہ اپنے کام پر ہو، اور جب اس سے دیا گیا کام یا مسئولیت لے لی جائے تو وہ اسباب اور وسائل جو اس کو اس مسئولیت کے وقت میں دے دیے گئے ہوں ان کو بھی امارت کے مسئول اداروں کے حوالہ کریں گے۔ کیونکہ یہ چیزیں اس کو ذاتی ملکیت کے طور پر نہیں دی گئیں جس کو یہ ابھی اپنی ذاتی ملکیت سمجھ رہا ہے۔

اور جس مجاہد سے اس کی رسمی مسئولیت لے لی جائے اور اگر ان کو امارت کی گاڑی یا دوسری چیز کی ضرورت پڑے، سکیورٹی مسائل کے پیش نظر یا دوسری وجہ سے، تو اگر مسئولین نے مصلحت کے پیش نظر اس کو اس کے استعمال کی اجازت دے دی تو اس کے لیے جائز ہے، اور اگر اس کو ضرورت نہ ہو یا مسئولین کو مصلحت مناسب نہیں لگا تو اس مجاہد کے لیے جائز نہیں کہ وہ امارتی (بیت المال کے) وسائل استعمال کرے۔

اوپر ذکر کی گئی تفصیل سے وہ وسائل مستثنیٰ ہے جو امارت نے کسی کو ذاتی طور پر دے دیے ہوں کیونکہ ان جیسے وسائل ذاتی سمجھے جاتے ہیں، اور اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ جس جگہ چاہے اس کو استعمال کرے۔

الدلائل:

1. "كتاب الخراج" للإمام أبي يوسف رحمه الله (ص 299، ط: مكتبة نشر القرآن والحديث، بشار)
2. "الفقه الاسلامي وادلتاه" (ص 2842، ج 4، ط: امير حمزه كتب خانہ، کویتا)
3. "الفتاویٰ الہندیہ" (ص ۱۹۱، ج ۱، ط: مکتبہ حبیبیہ کویتا)
4. "الاشباه والنظائر" باعلی "الحموي" (ص 329، ج 1، ط: النشاط العربي، بیروت، لبنات)
5. "الفتاویٰ المہدیہ" (ص 646-647، ج 2، ط: المکتبۃ العربیہ، کویتا)

(باقی صفحہ نمبر 19 پر)

تحریکِ جہاد کی خود اپنی آزادی کا مسئلہ

استاد اسامہ محمود نے یہ سلسلہ مضامین ’صحابِ الاُخود‘ والی حدیث کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ (ادارہ)

[..... گزشتہ سے پیوستہ.....]

حدیث میں مذکور اس نوجوان کے واقعے کو ہم نے زیر بحث بنایا ہے جو وقت کے طاغوت کے خلاف کھڑا ہوا، کٹھن آزمائشوں سے گزرا، حق پر ثابت قدمی دکھائی، دوسروں کے لیے مشعل راہ بنا اور بالآخر خود شہید ہو کر کامیاب و کامران ٹھہرا، اس نے اپنی زندگی قربان کر دی مگر ایک پوری قوم، بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی اللہ کی خاطر جینے اور مرنے کا پیام دے دیا۔ یہ اس واقعے کا مختصر خلاصہ ہے، واقعہ تفصیلی ہے اور اس کے متعدد پہلوؤں پر رکر، ہم نے علیحدہ علیحدہ موضوعات اور حلقوں کی صورت میں بحث کی، خاص اس واقعے کے متعلق پچھلے حلقوں میں ہم نے پڑھا کہ بادشاہ اس کو جادوگر بنا کر اپنی فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا مگر راہب کی دعوت پر وہ صاحبِ ایمان، اللہ کے دین کا داعی بن گیا، اس کی دعوت پھیلی گئی اور لوگوں پر اثر ڈالتی گئی، بادشاہ کے وزیر نے بھی اس کی دعوت قبول کی۔ بادشاہ نے وزیر، راہب اور نوجوان تینوں کو گرفتار کیا، راہب اور وزیر کو کفر اختیار کرنے کے لیے ڈرایا دھمکایا، وہ نہیں مانے تو انہیں شہید کیا، اس کے بعد پھر نوجوان کی باری آئی، یہاں تک ہم پہنچ گئے تھے، آگے کا واقعہ پھر کچھ یوں ہے:

”بادشاہ نے نوجوان کو (بھی) اپنے دین میں واپس آنے کی دعوت دی، اس نے انکار کیا۔ سزائیں بادشاہ نے اُسے اپنے سپاہیوں کے حوالے کیا، اور حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر اسے لے جا کر اپنے دین سے پلٹنے کی دعوت دو، مان گیا تو ٹھیک، نہیں مانا تو پہاڑ سے نیچے گرانا، پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر نوجوان نے کہا۔ ‘اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ’ اے اللہ ان کے مقابل جیسے تو چاہے میرے لیے کافی ہو جا، سپاہی سب پہاڑ سے گر کر مر گئے جبکہ نوجوان صحیح سالم واپس بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کو بتادیا کہ اللہ نے اسے بچالیا۔ بادشاہ نے ایک دفعہ پھر اسے اپنے سپاہیوں کے حوالے کیا اور حکم صادر کیا کہ اسے کشتی میں سوار کر کے سمندر میں لے جانا، اگر تو بات مان گیا تو واپس لانا، ورنہ سمندر میں گرا دینا، نوجوان نے پھر سے وہ دعا پڑھ لی، سپاہی غرق ہو گئے اور خود نوجوان بحفاظت ایک دفعہ پھر بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔“

حلقہ حالیہ کے زیر بحث نکات

نوجوان بادشاہ سے کیوں نہیں بھاگا؟ وہ بار بار دربار ہی کا رخ کیوں کرتا تھا؟ پھر بادشاہ نے نوجوان کو دو پار بھیج کر خود اپنے ہاتھوں اس کی دعوت کی تشہیر کیوں کرائی؟ راہب اور وزیر کی

طرح اسے بھی دربار میں ہی قتل کیوں نہیں کیا؟..... اس ضمن میں اللہ کی اس سنت کا ذکر بھی ہو گا کہ اللہ نیکو بنی طور پر حق کے لیے ماحول پیدا کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات دشمنانِ دین کو اندھا کر کے ان سے بھی ایسے کام کرواتا ہے جو حق کی تقویت و ترویج میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اس پر بھی بات ہو گی کہ کیا مجاہدین کو باطل کی ایسی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے یا نہیں؟ اگر ہاں تو اس کے حدود و ضوابط کیا ہیں؟ اس کے بعد تحریکِ جہاد کی اس تباہی کا ذکر ہو گا جو باطل سے بالفاظِ قواعد و ضوابط تعاون لینے کے سبب آتی ہے اور جس کی وجہ سے یا تو قافلہ جہاد راہِ راست سے اتر جاتا ہے اور یا مجاہدین بے اختیار ہو کر دوسروں کے ہاتھ میں ہتھیار اور کھلونے بن جاتے ہیں، آخر میں پھر طواغیت کے اثر سے آزاد جبکہ شریعتِ مطہرہ کے تابع جہاد پر بات ہو گی، اور اس کے تحت عرض کریں گے کہ وہ توازن کیا ہے کہ جس کو اپنا کر تحریکِ جہاد ارد گرد کے ماحول سے لا تعلق بھی نہیں رہتی، اسے اپنے حق میں استعمال بھی کرتی ہے مگر ساتھ ہی اپنے مقاصد و مبادی سے بھی نہیں ہٹتی ہے، نہ دشمن کی آلہ کار بنتی ہے اور نہ ہی اپنے ہاتھ خود کشی کرتی ہے..... بسم اللہ کرتے ہیں، نقطہ وار آگے بڑھیں گے:

راہِ پُر خطر کا ہی ہر بار انتخاب کیوں؟

نوجوان یہ کر سکتا تھا کہ بادشاہ سے بھاگ کر اپنے لیے دور کوئی گوشہ عافیت ڈھونڈتا اور باقی ماندہ زندگی خطرات سے محفوظ ہو کر چین و آرام کے ساتھ گزارتا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا، وہ اٹلے پاؤں واپس دربار ہی میں آیا، بادشاہ کے سامنے حق کی دعوت بن کر کھڑا ہوا اور یوں خود ہی کئی بار اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا..... یہ سب اس لیے کہ وہ دکھانا چاہتا تھا کہ یہ دین حق ہے، اس کی دعوت حق ہے اور اہم یہ کہ اس حق کو غالب کرنے کی سعی میں وہ شہادت چاہتا تھا، راہِ حق میں سرکوتا اس کی آرزو تھی اور یہ وہ خواہش تھی کہ جو خطرات سے بھاگنے کی جگہ خطرات میں کودنے پر اسے مجبور کرتی تھی، اللہ کو پانے کی یہ چاہت ہی تھی جو اس کو آرام سے بیٹھے نہیں دیتی تھی بلکہ اُسے سکون ہی اس بے سکونی میں ملتا تھا اور یہ وہ صفت ہے جو اللہ کو محبوب ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے ”مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَكُمْ، رَجُلٌ مُّمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَطْبِئُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً، أَوْ فُرْعَةً طَارَ عَلَيْهِ، يَنْتَعِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَطْلَانَهُ..... الخ۔“ ”لوگوں میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اس کی پشت پر اللہ کے راستے میں اڑا جا رہا ہو جہاں وہ دشمن کی آواز سنے یا خوف محسوس کرے تو اسی طرف اڑ کر جائے، قتل اور موت کو اس کی جگہوں میں تلاش کرتا ہے۔“ زندگی ان کی بہترین نہیں ہے جو ہر اس سمت بھاگے جاتے ہیں جہاں چار دن کی

زندگی کا کوئی فائدہ نظر آتا ہو، بلکہ زندگی ان کی اچھی ہے جو اپنی جان و مال کی پرواہ کیے بغیر اللہ کی خاطر موت کو گلے لگاتے ہوں۔ حق و باطل کے بیچ معرکہ جب گرم ہو تو اللہ سے محبت کرنے والے یہ رجال کار اس سے 'بیچ نکلنے' کا جشن نہیں مناتے ہیں، کنارے پر بیٹھ کر بے کار تجزیوں اور تبصروں میں وقت ضائع نہیں کرتے ہیں، یہ عمل ڈھونڈتے ہیں اور عمل میں ہی انہیں سکون ملتا ہے، یہ جانتے ہیں کہ اعتبار زیادہ عرصہ چلتے رہنے کا نہیں بلکہ آخری خاتمے کا ہے اور خاتمہ بالآخر انہی کو ملتا ہے جو اس راہ پر مسلسل چلتے ہیں، سو قید و بند کی عقوبتیں اور ہجرت و جہاد کی صعوبتیں انہیں سفر پر نظر ثانی نہیں کروا تیں اور نہ ہی دنیا کی حقیر متاع ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے، عرصہ دراز تک آزمائشوں سے گزرنے کے باوجود بھی یہ رکتے نہیں، تھکتے نہیں، بیٹھ نہیں جاتے ہیں بلکہ ان کا عشق انہیں دوبارہ آتش نمرود میں کودنے کے لیے واپس لاتا ہے، فرار اور قرار کے راستے اگر ان کے آگے کھولے جائیں اور دشمن خود ہی انہیں اگر 'باعث' واپسی کے 'محفوظ' راستے کی پیشکش بھی کرے، یہ حق پر سمجھوتہ نہیں کرتے، اپنے اعمال دریا برد ہونے سے بچانا ان کی فکر ہوتی ہے اور حق پر یہ سمجھوتہ ان کی نظر میں بدترین تباہی ہوتی ہے، باطل بھٹکے تو بھٹکے اور باطل ہی نے بالآخر جھکنا ہوتا ہے مگر حق کو کبھی بھی یہ باطل کے در پر جھکاتے نہیں ہیں۔ پس یہ ڈٹے رہتے ہیں اور واپسی کا نہیں سوچتے ہیں، بلکہ میدان اگر سرد پڑ جائے تو یہ ایک دفعہ پھر اسے گرماتے ہیں، ساتھی اگر بکھر جائیں تو یہ جھنڈا گاڑ کر انہیں پکارتے ہیں، حق پر ڈٹے اور اس کی تکالیف پر صبر و ثبات کی یہ ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ جہاد کبھی ختم نہیں ہو گا، طواغیت چاہے جو بھی دام تیار کریں ہم کسی دام میں آنے والے نہیں۔ اللہ کے دین کو اپنے دانتوں سے پکڑے رکھنا، دوسروں کو اس سے جوڑنے کی سعی کرنا اور اس کو غالب کرنے کی خاطر یہ جہاد و قتال اور دعوت و اعداد کا فرض ادا کرنا چونکہ انہیں دنیا کی ہر راحت سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، اس لیے انہیں اسی میں سرور ملتا ہے اور اسی کے ساتھ ان کے سارے دکھ و سکھ مربوط ہوتے ہیں۔ یوں ایک معرکہ سر کر کے یہ دوسرے میں گھستے ہیں، ایک محاذ سے فارغ ہو کر دوسرا تلاش کرتے ہیں، خود بھی چلتے ہیں اور ساتھ دوسروں کو بھی چلاتے ہیں اور اس وقت تک چلتے ہیں جب موت انہیں گھیر لیتی ہے، یہی اچھی زندگی ہے، مبارک اور اللہ کو محبوب زندگی ہے اور اسی زندگی کو اپنانے کا یہ نوجوان، یہ واقعہ ہمیں دعوت دیتا ہے!

ایک دعا جو یقین کے ساتھ جب مانگی جائے!

جب سپاہی نوجوان کو قتل کرنے لگتے ہیں تو وہ دعا مانگتا ہے، "اللھم اکفنیھم بما شئت" اللہ اس کو بچا لیتا ہے جبکہ سپاہی الٹا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت مؤثر دعا ہے، اللہ سے یہ مانگنا اور صرف زبان سے مانگنے پر اکتفا نہیں کرنا، بلکہ اس سے قبل دل و جان سے اللہ کو اپنے لیے کافی سمجھ لینا، یہ یقین رکھنا کہ مجھے صرف وہی کچھ پہنچے گا جو میرا رب چاہے، مخلوق مجھے صرف اتنا نقصان دے سکتی ہے جتنا اللہ کو منظور ہو، اور اگر وہ اللہ مجھے بچانا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت میرا

ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتی، ایک مومن سے یہ یقین و تصور مطلوب ہے اور اس کے ساتھ جب اللہ سے یہ دعا مانگی جائے تو ایک تو یہ عبادت ہے، اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے، دوسرا یہ کہ اس کے سبب بڑی سے بڑی مشکل بھی اللہ آسان کر دیتا ہے۔ اس دعا میں دراصل مخلوق سے مکمل ناامیدی و مایوسی کا اظہار ہے کہ مخلوق خود کسی بھی خیر و شر کی مالک نہیں، جبکہ خالق ہی سے مکمل طور پر امید و آس کا اعلان ہے اور اسی سے ہی مدد مانگتے رہنے کا عزم ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب متنبیخ میں بٹھا کر آگ میں ڈالا جانے لگا، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام فضا میں نمودار ہوئے، پوچھا 'أَلَيْكَ حَاجَةٌ؟' کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ 'سبحان اللہ!! کس نے سوال پوچھا؟ کیا سوال پوچھا اور جن سے پوچھا، ان کے کس حال میں پوچھا! جواب دیکھیے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کیا جواب دیتے ہیں؟ 'فَرَمَايَا أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا' 'اگر تمہارے لیے (کہ تم میری حاجت پوری کرو) تو نہیں ہے!' پھر آپ علیہ السلام نے 'حسبی اللہ و نعم الوکیل' فرمایا، یعنی صرف اللہ کو اپنے لیے کافی اور مددگار ٹھہرایا اور پھر جب آگ میں گرے تو اسے اللہ کے اذن سے اپنے لیے گل و گلزار پایا۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کے تعاقب میں تھے اور سراقہ بن مالک آپ ﷺ کی تلاش میں آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے نوجوان والی یہ دعا مانگی، 'اللھم اکفنیھم بما شئت' سراقہ کا گھوڑا اسی جگہ زمین میں دھنس گیا۔ تو اللہ ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اور وہ ہی اکیلے اپنے بندے کی حفاظت کر سکتا ہے، بس ضروری ہے کہ بندہ خاص اپنے رب کا ہو کر رہے، اسی سے امید رکھے، اسی سے مانگے اور اس کے سوا کسی کے خوف اور کسی کی طمع کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔

نصرت الہی کا تکنیکی انتظام

بادشاہ نے راہب اور وزیر کو دربار میں قتل کیا مگر نوجوان کو پہلے پہاڑ اور پھر سمندر بھیجا، وہاں اس کے ہاتھ پر اللہ نے جو کرامت لوگوں کو دکھائی، اس کے سبب اس کی دعوت کا مزید چرچا ہوا، بادشاہ کو یہ شدید ناگوار تھا کہ اس نوجوان کی دعوت پھیل جائے مگر خود بادشاہ کی یہ مہلت اور اسے دور دراز بھیجنا نوجوان کی دعوت کے پھیلنے کا باعث بنی۔ ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ نے کیوں اپنے ہاتھوں ہی وہ کچھ کیا کر لیا جس سے وہ بچنا چاہتا تھا؟ یہ سارا یہ دکھاتا ہے کہ بندوں کی تدبیر جو بھی ہو، تقدیر و تدبیر اللہ کی غالب آتی ہے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ باطل کو اللہ اس قدر اندھا اور مجبور کرتا ہے کہ وہ خود ہی وہ کچھ اپنے ہاتھ سے کر جاتا ہے جس سے الناقص کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہاں بادشاہ نوجوان کی جان لینا چاہتا تھا مگر ساتھ ہی اس کے دل میں یہ خواہش بھی تھی کہ اگر یہ اپنے دین سے پھر کر اس کا سپاہی بن گیا تو اس سے بادشاہ مضبوط ہو گا۔ اس رغبت کو اللہ نے وہ ذریعہ بنایا کہ جس سے بادشاہ نے اسے فوراً قتل نہیں کیا۔ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے انہیں قتل کرنے کی تیاری کی ہوئی تھی، ایسی ہلاک

منصوبہ بندی اس نے کی تھی کہ بنی اسرائیل کا یہاں بچہ پیدا ہوتے ہی اسے قتل کیا جاتا تھا، مگر کیا ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر دنیا میں آتے ہیں اور ان کی والدہ انہیں صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈالتی ہیں، پھر وہ صندوق فرعون کے محل میں جب داخل ہوتا ہے تو فرعون خود ہی موسیٰ علیہ السلام کو اٹھاتا ہے اور اپنے ہی محل میں شہزادہ بنا کر انہیں پالنا شروع کرتا ہے۔ اللہ نے یہاں فرعون کی بیوی کے دل میں بچے کی محبت ڈالی اور اس محبت کو موسیٰ علیہ السلام کے زندہ رکھنے کا سبب بنایا، پھر فرعون خود ہی اپنے اُس دشمن کو پالنے لگا کہ جو بالآخر اس کے غرق ہونے اور اس کی بادشاہت ختم کرنے کا باعث بنا۔ گویا ایک طرف فرعون کی منصوبہ بندی تھی اور دوسری طرف اس کے خلاف اللہ کی وہ تدبیر و تقدیر تھی کہ جس کے تحت اللہ کا یہ دشمن خود اپنے ہی خلاف استعمال ہوا، ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ﴾..... غرض اللہ جب نصرت حق کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اسباب کی دنیا میں اس کا اہتمام وہ اپنی حکمت بالغہ سے کر دیتا ہے اور ایسے میں اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ اپنے دشمنوں تک کو بھی اس کے لیے سبب بنالیں، ایسے میں بظاہر تو کوئی کفریہ قوت اس کا سبب بنتی ہے اور وہ اپنی کسی مجبوری یا رغبت کے باعث حق کے لیے راستہ کھولتی ہے مگر حقیقت میں یہ اللہ ہی کا وہ تکوینی انتظام ہوتا ہے جس میں وہ دنیاوی طاقت تقدیر الہی کے آگے بے بس ہوتی ہے۔ اللہ کے پاس لشکروں کی کمی نہیں، مگر وہ رب تقدیر اپنے فیصلوں کی تکمیل میں جب کافروں تک کو استعمال کرتا ہے تو اس سے اللہ کی شانِ قدیری نظر آتی ہے اور جھوٹے خداؤں کی چالوں کے مقابلے ﴿وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ﴾ کی زندہ و عملی تفسیر دنیا کے سامنے آجاتی ہے، نیز اس سے اللہ غالباً یہ بھی دکھاتا ہے کہ خدائی کے دعویدار یہ طواغیت تکوینی طور پر اللہ کے سامنے کیسے مجبور محض ہیں اور ان کا علم کس قدر محدود، نظر کتنی کوتاہ اور طاقت کس قدر ضعیف ہے۔

تمکین دین کا تصور

باطل چاہتا ہے کہ دنیا میں جہاں بھی کوئی خیر ہو، وہ اسی کا کرشمہ نظر آئے اور کہیں بھی کسی بھی انداز میں یہ خیر حق کے ساتھ کبھی نظر نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں باطل مجبور ہو کر حق کے فائدے میں استعمال ہو جاتا ہے اور اللہ حق کو غلبہ عطا کرتا ہے تو پھر پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ حق کے اندر خود اپنی کوئی قوت اور جان نہیں تھی، بلکہ وہ فی الاصل فلاں اور فلاں کا ایجنٹ تھا، اس کی مدد سے یہ میدان میں تھا اور اسی کے لیے یہ کام کر رہا تھا۔ ایسے میں حق اگر واقعی حق ہو، مقصد و ہدف میں بھی اور عمل و طریق کار میں بھی، تو جلد ہی اس جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے اور نظر آ جاتا ہے کہ اہل حق کسی کے ایجنٹ نہیں، بلکہ یہ اپنا ایک مقصد، ایک نظریہ، ایک منزل اور اس منزل تک پہنچنے کا اپنا ایک خاص طرز عمل رکھتے ہیں، اسی کی خاطر یہ دنیا سے برسرِ جنگ بھی رہتے ہیں اور اسی کے لیے ضرورت پڑے تو دنیا کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ لہذا اہل حق کو باطل کے پروپیگنڈوں کی طرف زیادہ دھیان نہیں دینا چاہیے بلکہ اپنی توجہ اپنے مقصد کی پاک، دعوت کی سچائی اور کردار کی چنگی پر مرکوز رکھنی چاہیے کہ اسی میں خود اپنی

کامیابی ہے، حق کی نصرت ہے اور اسی کے ذریعہ ہی باطل کے پروپیگنڈوں کا زور ٹوٹے گا۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ہمارے ہاں بعض حلقے ان پروپیگنڈوں سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں اور وہ رد عمل میں ایسی دوسری انتہا پر چلے جاتے ہیں کہ پھر حق کے وجود، اس کی تحریک اور زمین پر اس کے جڑ پکڑنے اور آگے بڑھنے کے متعلق ایک ایسا تصور اپنا لیتے ہیں اور اس پر دوسروں کو بھی پرکھتے ہیں کہ جو بالکل غیر عملی اور خیالی ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وسائل و باطل کا قبضہ ہو، تو حق دنیا سے الگ تھلگ خلا میں پرورش پاتا ہے، تنہائی میں وہ اپنی قوت پیدا کرتا ہے اور پھر وہاں سے ہی آکر باطل کا مقابلہ کرتا ہے، لہذا وہ سمجھتے ہیں کہ حق کسی بھی حالت میں کسی اور سے کبھی بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا، باطل کے آپس کی کسی کشمکش، ان کی صفوں میں موجود دراڑوں، ان کے مفادات میں ٹکراؤ یا کسی بھی اور وجہ سے اگر حق کو اپنے لیے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے تو حق کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ایسے مواقع سے کام لے اور انہیں اپنے مقصد کے حق میں استعمال کرے..... یہ ساری باتیں اچھی خواہشات تو ہو سکتی ہیں، مگر عملاً اکثر و بیشتر نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنا تکوینی نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ حق کو اپنے سفر میں صراطِ مستقیم پر قائم رہتے ہوئے ارد گرد کے ماحول کو بھی استعمال کرنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ دعوتِ توحید لے کر مکہ میں جب آئے اور مشرکین مکہ کی بدترین دشمنی کا آپ نے سامنا کیا تو اس عرصے میں دس سال تک آپ ﷺ ابوطالب کی پناہ میں رہے، حالانکہ ابوطالب مسلمان نہیں تھے، اسی طرح سفر طائف سے واپسی پر، جب کہ ابوطالب فوت ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کے لیے مکہ میں اپنا دفاع خود کرنا آسان نہیں تھا، آپ ﷺ نے مطعم بن عدی کی طرف پناہ کے لیے پیغام بھیجا، حالانکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھے، ابن عدی نے آپ ﷺ کا پیغام منظور کیا اور اگلے دن اپنے سات بیٹوں سمیت مسلح ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ گئے، آپ ﷺ نے طواف کیا جبکہ ابن عدی اور اس کے بیٹے مطاف میں پہرے پر کھڑے رہے۔ ابوطالب اور مطعم بن عدی دونوں کے ہاں یہ قبائلی غیرت اور خاندانی محبت تھی کہ جسے اللہ نے آپ ﷺ کی نصرت کا ذریعہ بنایا۔ لہذا اہل حق کو اپنی انتہائی ضرورت میں اس قسم کے اسباب سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے، یہ تمکین حق کا عملی تصور ہے، مگر یہ طرز عمل بھی مشروط ہے، اس طرح کہ اس فائدے کی خاطر شریعت کے کسی اصول پر مداخلت نہ ہو، بلکہ یہ عمل مکمل طور پر شرعی قواعد و ضوابط کے تحت ہو، اگر ایسا نہ ہو، تو خود کفار کے ساتھ ایسا کوئی تعامل ہی حق کی بربادی کا باعث بن سکتا ہے اور اسی کے سبب حق کے خلاف باطل کو برتری حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اگر ابوطالب یا کسی اور کی پناہ حاصل کی تھی، اسی طرح مدنی زندگی میں کفار کے ساتھ آپ ﷺ نے اگر معاہدات وغیرہ کیے ہیں، یا اتحاد تفکیک دیے ہیں تو اس ساری سیرت سے کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں آپ ﷺ نے حق پر رتی برابر مداخلت کی ہو، اس سارے عمل میں باطل کے بطل کو کبھی بھی آپ ﷺ نے صحیح نہیں کہا، بلکہ اتحاد کا کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے حق کے نقصان پر باطل کو فائدہ پہنچایا ہو۔ ہمیشہ ہر تعامل اور ہر معاہدے و اتحاد میں آپ ﷺ نے

دوسروں سے حق کی نصرت کا کام لیا، یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنی مدد و تعاون کو حق کا کچھ حصہ چھوڑنے کے ساتھ مشروط کیا تو آپ ﷺ نے علی الاعلان کہہ دیا کہ میرے ایک ہاتھ میں کوئی سورج رکھے اور دوسرے میں چاند، یعنی دنیا کی ساری نعمتیں بھی میری جھولی میں اگر رکھی جائیں تو میں اس حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا، اور ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا کہ کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے، میں اکیلے اس حق کو بیان کروں گا، اس ذمہ داری کو ادا کروں گا، چلتا رہوں گا یہاں تک کہ غالب آ جاؤں یا اسی میں قتل ہو جاؤں۔ لہذا باطل کے ساتھ اس قسم کے تعامل کا مقصد و ہدف بہر حال واضح ہو، اور وہ یہ کہ مد نظر حق کا فائدہ ہو، نہ کہ حق کے نقصان کی قیمت پر اہل حق کا دنیاوی فائدہ، آپ ﷺ کی سیرت کا ہر قدم ہمیں سبق دیتا ہے کہ اہل حق تنگی، پریشانی اور قربانیوں پر قربانیاں دینا بے شک برداشت کریں، یہ سب اس خاطر کہ حق قوی ہو، نہ کہ یہ کہ حق تو کمزور و مغلوب ہو رہا ہو، اور جو لوگ اپنے آپ کو اہل حق سمجھتے ہوں، ان کے لیے دنیاوی وسعتیں پیدا ہو رہی ہوں۔ لہذا مذکور صورت میں حق کی نصرت کا مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب باطل کے ساتھ تعامل مکمل طور پر شریعتِ مطہرہ کے موافق ہو؛ کتب فقہ میں باطل کے ساتھ تعامل، بالخصوص جنگ و قتال کے معاملات میں تعاون لینے نہ لینے کے اصول و ضوابط فقہاء نے مفصل انداز میں بیان کیے ہیں، ان اصولوں کی مکمل پابندی ضروری ہے، باقی یہ خیال کہ نہیں، کسی بھی صورت میں، کسی بھی اصول کے تحت کفار سے تعاون نہیں لینا چاہیے، حق انتہائی ضعیف ہو اور اس کو اہل باطل کی آپس کی چپقلش کے باعث اپنے لیے فائدہ اٹھانے کا موقع بھی مل رہا ہو، مگر پھر بھی اس کو یہ موقع استعمال نہیں کرنا چاہیے اور اگر شرعی ضوابط کی پابندی کے ساتھ کوئی اس راستے کو استعمال کر رہا ہو تو وہ بھی غلط ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے اور اس کا عمل کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ اس متعلق فرماتے ہیں کہ مجاہدین کو اپنا قلعہ خود داخل سے ہی مضبوط کرنا چاہیے۔ وہ اس طرح کہ انہیں شرعی حدود، نیز تحریک جہاد کے مقاصد، اس کے مصالح اور مفاسد کا مکمل ادراک ہو، اس کے بعد تمکین دین کے لیے، مذکورہ شرعی دائرے کے اندر جو بھی جائز اسباب دستیاب ہوں اور جہاں سے بھی یہ مل رہے ہوں، انہیں کام میں لانا چاہیے اور اس میں پھر کسی کے پروپیگنڈے پر کان نہیں دھرنا چاہیے۔ شیخ کہتے ہیں کہ ایسا اگر نہیں کریں گے تو یہ تمکین کا ایک خیالی تصور ہو گا اور اس تصور کے ساتھ چل کر اہل حق شاید ہی کبھی زمین پر قدم جما سکیں۔

اہم تر موضوع دوسرا ہے!!

یہ تو اصولی بات ہوئی جو اپنی جگہ اہم تھی، کہ اللہ کی ہتھکڑیوں کو ہم سمجھیں، عالم اسباب میں اسباب کو اپنا مقام دیں، مبادی اور محکم اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اپنے لیے راہیں تلاش کریں اور جہاں طواغیت کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو، وہاں فائدہ اٹھانے بغیر نہ رہیں اور حدودِ شرع کے اندر رہتے ہوئے ایسے راستوں کو بھی اپنے اوپر یکسر بند نہ کریں..... مگر یہ اس موضوع کا ایک رخ ہے، اس سے زیادہ اہم اور بہت خطرناک رخ دوسرا ہے، اور ہماری پچھلی

ساٹھ ستر سال کی تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ اس دوسرے رویے کے سبب جہاد نے ناقابل تلافی نقصان اٹھایا ہے اور متعدد میادین جہاد گواہ ہیں کہ امتِ مظلومہ کو اس طرزِ عمل کے باعث ہمیشہ ناکامی و نامرادی کا سامنا ہوا ہے، موضوع کا یہ دوسرا رخ اہم تر اس لیے بھی ہے کہ ماضی میں مجاہدین کے پاس مصالح جہاد کا مکمل خیال رکھتے ہوئے بھی کسی سے تعاون لینے کے آپشن موجود تھے اور انہوں نے یہ تعاون نہیں لیا ہو، اور پھر اس کے سبب جہاد کا کوئی بڑا نقصان بھی ہوا ہو، ہماری نظر میں اس کی کوئی مثال شاید نہیں ہے، مگر یہ کہ تعاون کے سبب تحریک جہاد ناکام ہوئی ہو، اس کے ثمرات طواغیت نے لوٹے ہوں، امتِ مسلمہ کے پاکیزہ جذبات طواغیت نے اپنی خود غرضی کی جھینٹ چڑھائے ہوں اور اس حد تک ان قربانیوں کا استحصال کیا ہو کہ آئندہ کے لیے ان مظلومین کو اٹھانا آسان نہیں رہا ہو، ایسے بدترین اور انتہائی بے رحم دھوکے کی مثالیں آج کی تاریخ میں ایک نہیں، کئی موجود ہیں اور افسوس ہے کہ یہ دام ہم رنگ زمین آج بھی بعض محاذوں پر کھڑے پڑے ہیں اور مجاہدین میں سے کئی گروہ اپنے اخلاص مگر سادگی کے سبب یا غلط حسن ظن اور قابلِ افسوس عجلت پسندی کے باعث خود بھی ہلاکت کے ان گڑھوں میں گر رہے ہیں اور امتِ مظلومہ کو بھی ساتھ گرا رہے ہیں۔ یہ موضوع اس لیے بھی اہم ہے کہ تحریکوں کی ناکامی کے بعد عام طور پر تاثر یہ لیا جاتا ہے کہ جس کام کا بیڑا اٹھایا گیا تھا، وہ آسان نہیں بلکہ ناممکن تھا، دشمن کی طاقت بہت زیادہ تھی اور اس کے سمجھنے میں ہماری یہ غلطی ہی تھی کہ جس کے سبب نقصان بھی ہم نے اٹھایا اور مقصود بھی حاصل نہیں کیا، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ ناکامی کے اسباب تحریک سے باہر نہیں بلکہ خود اس کے اندر، اس کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اگر تحریک خود اپنے اندر ایسی خامی نہ چھوڑتی کہ جو اسے ناکام کر سکتی تو دشمن کی طاقت کبھی بھی ناکامی کا سبب نہ بنتی۔ جہادی تحریک کا کسی ملک سے تعاون لینے اور اس پر انحصار کرنے کا موضوع تحریک جہاد کے ان حساس ترین موضوعات میں سے ہے کہ جو جہاد کی کامیابی یا ناکامی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

بے منزل اور غیر شرعی راستہ

طواغیت سے تعاون ایک مہلک طرزِ عمل اس لیے بنتا ہے کہ اس میں شرعی ضوابط، مقاصد جہاد اور جہادی مصالح کا خیال رکھے بغیر تعاون لیا جاتا ہے، ایسا تعاون کہ جس کے سبب تحریک جہاد کی خود مختاری ختم ہو جاتی ہے اور تحریک یا تو طواغیت کے کھیل کا ایک مہرہ بن کر ناکام ہو جاتی ہے یا دوسری صورت میں طواغیت کی طرف سے مجاہدین سے غیر شرعی اقدامات اٹھوائے جاتے ہیں اور انہیں خود کشی کے ایسے راستے پر ڈالا جاتا ہے جہاں ان کی تحریک اپنے ہی مسلمان عوام کے اندر انجینی، الگ تھلگ اور بالکل قابلِ نفرت بن جاتی ہے۔

کتب فقہ میں کفار سے تعاون کے متعلق جو اصول فقہاء نے مرتب کیے ہیں، ان کے مطابق

شرط ہیں اور نہ لینے کے بھی اسباب و علل ہیں، ان میں متعدد ایسی صورتیں بھی بیان ہوئی ہیں کہ جن میں یہ تعاون لینا ناجائز ہو جاتا ہے اور یہ بھی واضح امر ہوتا ہے کہ اگر ان صورتوں میں بھی مدد لی گئی تو تحریک خود ہی اپنے راستے سے ہٹ جاتی ہے اور بالآخر کسی بین الاقوامی 'انگریمنٹ' کی بھینٹ چڑھ کر تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے¹، مگر افسوس ہے کہ بعینہ انہی صورتوں میں تعاون لیا جاتا ہے اور جب اس طرز عمل پر نقد کی جاتی ہے، اصلاح کی درخواست کی جاتی ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ ایک کافر کے خلاف دوسرے سے تعاون لینا کس نے حرام کیا ہے؟ اس کی تو سیرت میں بھی مثال موجود ہے اور پھر 'طاغوت سے تعاون لینے کی شرعی حیثیت' بیان کر کے، بلکہ اس موضوع کا مکمل طور پر ایک رخ پیش کر کے زہر ہلا بل کو تریاق پیش کیا جاتا ہے، مگر محض دکھا دینے سے زہر کب دو ابنتا ہے، زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہوتا ہے کہ تحریک جہاد اسی ایک سوراخ سے ایک دفعہ پھر ڈسی جاتی ہے اور یوں پھر جذبات، قربانیاں اور امیدیں سب ناکامی کا سامنا کر جاتی ہیں، یہ قصہ متکرر ہے، کشمیر میں ہماری نظروں کے سامنے یہی ہوا ہے، اُس وقت بھی طاغوت کے ساتھ تعامل کا صرف ایک رخ دکھایا جاتا تھا کہ یہی اکسیر ہے، اس میں کوئی نقصان نہیں! نتیجتاً اس کا دردناک اور عبرت آموز انجام آج ہر ذی عقل کے سامنے ہے، یہی کہانی جہادِ شام میں بھی دہرائی گئی جہاں ترکی نے جہادِ شام کے 'محسن' کا کردار ادا کیا اور اس نے امریکی، نیٹو اور سعودی و اماراتی امداد کے ذریعہ متعدد جہادی گروہوں کو اپنے قبضہ اختیار میں لیا²، یہاں تک کہ بعض ذرائع ابلاغ کے مطابق حال ہی میں ترکی کی طرف سے شامی حکومت کو مذاکرات کی دعوت دیدی گئی ہے اور چند تجاویز بھی پیش ہوئی ہیں کہ ان خطوط پر چل کر 'شامی قبیضے' کو حل، یعنی گول کر دیتے ہیں، ان خطوط میں مسلمانان شام کے غموں کا مداوا اور اور جہادِ شام کا مقصد و ہدف یعنی شریعتِ اسلامی کی حاکمیت اور مکمل خود مختاری کا کہیں نشان نہیں، اس کے برعکس ان میں امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے منظورِ نظر ایک 'جمہوری نظام' کے قیام کی تجویز سرفہرست ہے اور ساتھ باقی دوسری ایسی شرط زیادہ ہیں جو ترکی کے مفادات کو تحفظ فراہم کرتی ہیں، الحمد للہ کہ شام کے بعض جہادی گروہوں نے اس کی مذمت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کا جہاد اپنے اسلامی اہداف کے لیے ہے اور ان اہداف کے حصول تک وہ جہاد جاری رکھیں گے۔ اسلامی اہداف اور غیر اسلامی اہداف کے بیچ تمیز بہت بڑی ہے اور اس تمیز کو تب ہی برقرار رکھا جاسکتا ہے، آخر تک ان کی خاطر لڑا جاسکتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے جب دوران جہاد طواغیت کے ساتھ تعامل مکمل طور پر شرعی ضوابط کے اندر ہوا ہو، اور کوئی بھی عمل و موقف مقاصدِ جہاد کے منافی اختیار نہیں کیا گیا ہو، اور ایسا اگر نہ ہو تو پھر بڑے اچھے حضرات بھی اس جال و جمل سے بچ نہیں سکتے ہیں اور خود انہیں بھی یہ

اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس وقت ان کا جہاد ان کے اپنے اختیار سے نکل کر جہادِ دشمن طاقتوں کے اختیار میں چلا گیا۔

مطلوب کیا ہے؟

ضروری ہے کہ جہاد کے قائدین، علمائے کرام اور دعاۃ جہاد مجاہدین اور عوام کے ذہنوں میں جہاد کے شرعی مقاصد تازہ رکھیں اور ان کی ایسی تربیت کریں کہ ان مقاصد سے اگر کسی بھی وقت گاڑی ہٹی نظر آئے تو تحریک میں شامل سب ہی اس پر چو نکلیں اور تحریک کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے اپنا بھرپور زور بھی لگائیں۔ مجاہدین کے اندر طواغیت کے ساتھ تعامل اور ان سے تعاون لینے کے متعلق جو شرعی قیود و ضوابط فقہائے امت نے بیان کیے ہیں اور علمائے جہاد نے اب جنہیں مرتب کیا ہے، یہ سیاستِ شریعیہ کا حصہ ہیں، یعنی یہ عمل کوئی بے لگام، آزاد اور عقل و خواہش کی تابع سیاست نہیں بلکہ وہ سیاست ہے جو شریعتِ مطہرہ سے ماخوذ ہے اور جس کو شریعتِ مطہرہ محدود بھی کرتی ہے اور ایسا رخ بھی دیتی ہے جو بالآخر دینِ اسلام کے غلبے، عدل و انصاف کے قیام اور مظلومین کی نصرت پر منتج ہو، یہ اصولی مباحث ضرور پڑھنے چاہیے اور مجاہدین میں اس فہم کا عام کرنا بہر حال ضروری ہے۔ یاد رہے کہ جنگ و قتال میں کفار و طواغیت سے تعاون لینے اور نہ لینے کے متعلق یہ بحث ایک خصوصی موضوع ہے جو کفار سے عام تعاون لینے کے موضوع سے منفرد ہے، اس پر شیخ ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المودد العذب لبیان حکم الاستعانة بالكفار في الحرب" میں موضوع کے متعلق احادیث اور فقہاء کے اقوال کو جمع بھی کیا ہے اور پھر ان کا نچوڑ بھی اصولوں کی صورت میں تحریر کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض اہم اصولوں کو اپنے الفاظ میں عرض کرتے ہیں:

- اہم نکتہ جو مؤلف کتاب رحمہ اللہ نے متعدد دلائل اور فقہاء کے اقوال پر طویل بحث کرنے بعد نکالا ہے یہ ہے کہ کفار سے کفار کے خلاف قتال کے لیے تعاون لینے کا حکم اصلاً انہی، یعنی منع کا ہے اور اس منع کرنے کے دلائل صحیح، صریح اور فیصلہ کن ہیں، پھر اس حکم سے تعاون لینے کے حق میں بعض استثناءات مخصوص ہیں اور جواز کی یہ صورتیں صرف اُس وقت کی ہیں جب مجاہدین کو شدید حاجت ہو۔ پھر مزید اہم بات یہ ہے کہ اس انتہائی ناگزیر حاجت میں بھی یہ تعاون صرف ایسی لڑی شرط و ضوابط کے ساتھ لیا جائے گا جو فقہاء کرام نے بیان کیے ہیں۔ ان شرطوں میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

² حمہ بن جاسم آل ثانی، سابقہ وزیر اعظم قطر کی الجزیرہ کے ساتھ گفتگو میں اعتراضات

¹ یہاں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی سیاست کو بھی کسی بین الاقوامی 'انگریمنٹ' کا حصہ سمجھنا غلط ہو گا، یہاں شیخ مکرم استاد اسامہ محمود کفار سے تعاون لینے کے مسئلے پر بحث کر رہے ہیں کسی اور معاہدے کی بات نہیں ہو رہی۔ نیز ہماری اس بات کی تائید استاد محترم کی زیر نظر تحریر کے آخری نثر پارے میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (مدیر)

- کوئی ایسی امداد نہیں لی جائے گی کہ جس کے سبب جہاد اپنے مقصد شرعی، یعنی اعلائے کلمۃ اللہ سے ہٹ جائے اور نتیجتاً اللہ کا دین مغلوب جبکہ کفار و طواغیت کا حکم غالب ہو جائے۔
- ایسا تعاون منع ہے کہ جس کے سبب اہل جہاد خود عملاً بے اختیار ہو جائیں اور جہاد کے حال و مستقبل کا فیصلہ کفار و طواغیت کے ہاتھوں میں جانے کا امکان ہو۔
- ایسی امداد بھی قبول نہیں ہوگی جس کا مقصد مجاہدین کی فکر، نظریات اور پالیسی کو متاثر کرنا ہو۔
- اگر کسی کافر کا کردار سازش و منافقت کے طور پر مشہور ہو تو اس سے امداد نہیں لی جائے گی۔
- اور آخر میں یہ بھی کہ اگر مجاہدین کے پاس اتنی قوت و اہتمام موجود ہو کہ اگر امداد دینے والا خیانت و غداری کرے تو وہ اس کے شر سے اپنی حفاظت کر سکیں گے تو یہ امداد لینا جائز ہے، ورنہ دوسری صورت میں لینا صحیح نہیں ہوگا۔

راستہ کب چھوٹتا ہے؟

ذکر کردہ اصول اور یہ پوری بحث مذکورہ کتاب میں پڑھی جائے تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، ذیل کی سطور میں ہم نکات کی صورت میں چند مزید اشارات عرض کیے دیتے ہیں کہ آج کے دور میں طواغیت عصر کیسے جہادی تحریکوں میں نقب لگاتے ہیں اور وہ کیا اہداف ہیں کہ جن کے لیے وہ امداد کو استعمال کر کے جہادی جماعتوں کو شرعی مقاصد سے ہٹاتے ہیں اور اس کے بعد جہاد الٹا ان طواغیت ہی کے کھودے ہوئے گڑھے میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔ ان اشارات سے طواغیت کا طرز عمل اور جہادی جماعتوں کو گمراہ کرنے کے اسلوب کا بھی کچھ تعارف ہوگا، ان کی چالوں سے بچنے کے لیے بھی تھوڑی رہنمائی ملے گی اور اس کے علاوہ اہم تر یہ کہ یہ ہمیں یہ بھی بتائیں گے کہ کیسے ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی جہادی تحریک صحیح راستے پر گامزن ہے یا اس سے صحیح راستہ چھوٹ گیا ہے اور اب ایسے راستے پر وہ چل پڑی ہے کہ جس کا انجام بالآخر طواغیت ہی کے منشا اور خواہش کے مطابق ہوگا۔ اشارات ملاحظہ کیجیے:

- جہاد کا مقصد اساسی، کلمۃ اللہ کی سر بلندی، یعنی اللہ کے احکامات و شریعت مطہرہ کی حاکمیت ہے، آزادی وطن بھی اس کا ہدف ہے مگر یہ مقصود بالذات ہدف نہیں ہے، بلکہ مقصود اصلی (یعنی شریعت مطہرہ کی حاکمیت) کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ طواغیت کی کوشش رہتی ہے کہ جہاد کا مقصد شریعت مطہرہ کی حاکمیت نہ رہے اور اس کی جگہ جہاد کا مقصد صرف آزادی وطن تک محدود ہو جائے۔ جہاد کو اس مقصد اصلی سے ہٹانے سے بندگان شیطان کو اپنے کفر و فساد مسلط کرنے کے لیے میدان کھلا ملتا ہے اور یوں طویل قربانیوں کے بعد بھی ظلم و کفر پر قائم نظام کی صرف صورت بدل جاتی ہے جبکہ اس کی اصل حقیقت اُسی طرح اللہ کی بغاوت

پر کھڑی رہتی ہے۔ پس جہاد کا مقصد اول اللہ کی زمین پر اس کی شریعت کو حاکم کرنا ہے، اسی کے لیے ایک مسلمان کو آزادی چاہیے، اسی سے ہی مظلوموں کی نصرت ہوگی اور اسی سے عدل و انصاف قائم ہوگا، لہذا اس پر سمجھوتہ کبھی بھی قبول نہ ہو۔

• مقصد جہاد میں تبدیلی اگر مشکل ہو تو دین دشمن طاقتوں کی کوشش ہوتی ہے کہ شریعت کی حاکمیت و نفاذ کو کسی طرح اکثریت کی رضامندی کے ساتھ مشروط کر لیں اور یہ ایک ایسا طریقہ و راستہ ہے کہ جس سے اسلام کبھی بھی حاکم نہیں ہوا، یہ اس لیے کہ جمہوریت اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں اضداد جب ملتے ہیں تو (نام نہاد) 'جمہوریت' تو باقی رہتی ہے مگر اصل اسلام رخصت ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ طواغیت کے ہاں تحریکات جہاد کو بے برگ و بار کرنے کا ایک بہترین ہتھکنڈہ انہیں مجبور کرنا ہے کہ وہ اپنے جہاد کا مقصد ایک خالص شرعی نظام کا قیام نہ بنائیں، بلکہ اس کی جگہ، یا اس کے ساتھ ساتھ ایک جمہوری نظام قائم کرنا بھی بتائیں۔

• جہادی تحریکات کو اپنے اسلامی حقوق و فرائض سے دور کرنے کا ایک بڑا ذریعہ اقوام متحدہ کو بطور ثالث منوانا یا اس کے فیصلوں کی حاکمیت تسلیم کرنا بھی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام دشمن کفریہ طاقت بطور واحد جہادی تحریکات کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا، اور اس کو ثالث بنانے پر کوئی مجاہد تیار نہیں ہوگا تو اقوام متحدہ تو بدرجہ اولیٰ ہی اسلام کی حاکمیت کا دشمن ہے، اس لیے کہ یہ ادارہ بدترین طواغیت کے تسلط کا ایک ذریعہ ہے اور اس کا کام ہی دنیا میں ان شیاطین کے مفادات کا تحفظ ہے، لہذا جہادی تحریک کو اقوام متحدہ کے پابند کرنا کسی بھی طاغوت کی طرف سے مجاہدین کو امداد دینے کا ایک اہم مقصد ہو سکتا ہے اور جب کوئی جہادی تحریک یہ پابندی قبول کرتی ہے تو وہ خود ہی اپنی ناکامی کے دستاویز پر جیسے دستخط کرتی ہے، کیوں کہ ایسے میں وہ پھر ان دشمنان دین کے ہاتھ کا کھلونا بن کر رہتی ہے۔

• کسی بھی جہادی تحریک کی دوستی اور دشمنی کا معیار بہر حال شریعت مطہرہ ہونا ضروری ہے، ایسا اگر ہوگا تو وہ صحیح معنوں میں اسلامی اور جہادی تحریک ہے، اور صرف اسی صورت میں اللہ کی نصرت کی امید کی جاسکتی ہے اور وہ کامیاب ہوگی، ورنہ دوسری صورت میں تحریک یقینی طور پر تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہے، طواغیت کی کوشش ہوتی ہے کہ جہادی تحریک کو اس اہم اصول سے ہٹا کر اس کی دوستی و دشمنی، حمایت و براءت اور محبت و نفرت کے پیمانے کسی طرح جاہلی تعصبات بنا لے۔ وطنی، گروہی، لسانی یا نسلی تعصبات میں جب کوئی تحریک مبتلا

ہو جاتی ہے تو خود بخود عدل کی جگہ ظلم لے لیتا ہے اور اس کا انجام تحریک کی گمراہی اور پھر تباہی برآمد ہوتی ہے۔

• دشمنان دین چاہتے ہیں کہ کسی طرح جہادی تحریک کے اندر مبنی بر غلو افکار و اعمال کو ترویج ملے، اس کے لیے تحریک جہاد کے اندر غیر شرعی نظریات کے حامل افراد کو امداد دی جاتی ہے اور ان سے پھر ایسے کام لیے جاتے ہیں کہ جس سے تحریک تباہ ہو۔ داعش کے خوارج اس کی حالیہ مثال ہیں کہ کیسے مختلف استخباراتی ایجنسیاں براہ راست یا بالواسطہ اس کی مدد کر کے اس کے نظریے و فساد کو تقویت دیتی ہیں۔

• غلو اور (ناجائز) تکفیر کا زہر جہاں کارگر نہ ہو، وہاں پھر ار جاء پر مبنی ایسی سوچ پھیلائی جاتی ہے کہ جس کی رو سے شریعت اسلامی کے خلاف حکمرانی کرنے والے طواغیت، طواغیت نہیں بلکہ اسلام کے خادم نظر آئیں، اس طرح ایسے کسی تعاون کرنے والے ملک کو پھر مدینہ ثانی جیسے القابات سے بھی نوازا جاتا ہے، حالانکہ اس ملک میں کفر و ظلم کا ہی نظام رائج ہوتا ہے۔ یہ کوشش بھی عموماً ایسے ”خدا“ کی امداد پر سفر کرتی میدان میں داخل ہوتی ہے، پھر ان حکمرانوں کو دین و ملت کے عظیم محسن تصور کرایا جاتا ہے، ان کے قبیح افعال کی تحسین ہوتی ہے اور ان کے ہر فیصلے کو حسن ظن کے ساتھ دیکھنے کی تلقین کی جاتی ہے، یہاں تک کہ کل وہی محسن پھر جہادی تحریک میں آخری کیل ٹھونکنے کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ لہذا کسی طاغوت سے کسی معاملے میں مجبوراً (شرعی شروط پر مشروط) تعاون لینا ایک بات ہے اور یہ تعاون لیتے وقت اس کے خلاف بولنا ضروری یقیناً نہیں ہے مگر اس کو محسن دین و ملت تصور کرنا دوسری بات ہے اور اس کا ہمیشہ نقصان ہوا ہے!

• استخبارات کی کوشش ہو سکتی ہے کہ تحریک کا پورا اسٹرکچر، اس کے مراکز، معسکرات، افراد و قائدین سب ان کی نظر و نگرانی میں آجائیں، مجاہدین کی طرف سے اس کی اجازت دینا، اپنی تحریک مکمل طور پر اس ملک کے حوالے کرنا ہے، اس کے برعکس اپنے نظام کو اس سے مخفی اور محفوظ کرنے کی بھرپور کوشش ہو۔

• اپنے وسائل پیدا کرنا اور بنیادی انحصار انہیں پر کرتے رہنا ضروری ہے، نیز آخری حد تک کوشش کرنی چاہیے کہ نقدی کی صورت میں تعاون کبھی نہ ہو، بلکہ ہتھیار وغیرہ جیسی انتہائی ضرورت تک ہی محدود ہو، اس طرح اہم ہے کہ تعاون کبھی اتنی مقدار میں نہ لیا جائے کہ اگر وہ بند ہو جائے تو پوری تحریک جام ہو جائے۔ تعاون شرعی ضوابط کے اندر، دینے والے کی طرف سے بلا شرط بھی اگر دیا جا رہا ہو، تو اس کا حجم ایک خاص نسبت سے کبھی زیادہ نہ ہو، یہ ہو گا تو تحریک

خود مختار ہوگی ورنہ دوسری صورت میں اچھے نظریات و ارادوں کے باوجود تحریکیں طواغیت کے تابع ہو کر رہ جاتی ہیں۔

• مجاہدین کی دعوت، اعلام اور تربیت کا نظام جہاد کے شرعی مقاصد کے بالکل تابع ہونا ضروری ہے، طواغیت کی کوشش ہوتی ہے کہ اس میں ان کی خواہشات کے مطابق رد و بدل ہو، حالانکہ اس معاملے میں تھوڑی سی کمزوری دکھانا بھی تحریک کو اس کی جڑ سے اکھاڑنے کے مترادف ہے، لہذا اس معاملے میں مجاہدین کو بہت چوکنا رہنا چاہیے، ضروری ہے کہ یہ نظام بنیادی دعوت و منہج کو مکمل طور پر آگے بڑھا رہا ہو اور ساتھ ساتھ تحریک جہاد کو جن فتنوں اور چیلنجوں کا سامنا ہو، ان کی بھی حقیقت واضح کر رہا ہو۔

• آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ طواغیت اور ان کے تمام ایجنسیوں کے متعلق بدگمانی رکھنا واجب ہے، ان سے کسی بھی وقت مطمئن نہیں رہنا چاہیے، ہر وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان کا مقصد اپنے مفادات ہیں اور اگر یہ مفاد مجاہدین کو نقصان دینے سے پورے ہو سکتے ہوں تو یہ اپنے کسی قول و عہد کا لحاظ نہیں رکھیں گے، لہذا ان کے حوالے سے مستقل طور پر بیدار رہنا ضروری ہے۔

یہ وہ نقاط ہیں کہ جن کی پاسداری اگر تحریک جہاد کرے اور اس کے بعد جہاں سے بھی گنجائش ملے، رعایت ملے، اس کو بقدر ضرورت قبول کرے تو اللہ کے اذن سے جہادی تحریک آگے بڑھے گی اور پوری امت کے لیے خیر و برکت کا باعث بنے گی۔ مگر اس کے بعد ایک سوال باقی رہتا ہے، ذیل میں اس کو زیر بحث لائیں گے۔

ایک سوال اور خاتمہ بحث

سوال یہ ہے کہ ان اصولوں کا اہتمام اگر کیا گیا تو کون مجاہدین کے ساتھ تعاون کرے گا؟ ہمارے خیال میں سوال یہ نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ اگر ان اصولوں پر عمل نہیں کیا گیا تو کیا تحریک جہاد تباہی سے بچ سکتی ہے؟ کیا ان اصولوں پر عمل کیے بغیر بھی تحریک اپنی منزل پہنچ سکتی ہے؟ کیا پہلے کبھی پہنچی ہے؟ ظاہر ہے نہیں، نہ اس طرح کبھی پہلے پہنچی ہے اور نہ آئندہ پہنچے گی۔ اور ایسا جب ہے تو پھر سوال تعاون لینے یا نہ لینے کا نہیں بلکہ خود کشی کرنے اور نہ کرنے کا ہے، اگر تو کوئی ان اصولوں پر سمجھوتہ کروا کر ہمیں راستہ دینا چاہتا ہے، یا کسی بھی طرح کا کوئی تعاون دینا چاہتا ہے تو ہمیں نہیں لینا چاہیے اس لیے کہ وہ امداد نہیں، زہر ہو گا، تحریک جہاد کی تباہی اور خود کشی ہوگی۔ مگر اللہ سے قوی امید ہے کہ ان اصولوں کی پاسداری کے باوجود بھی مجاہدین کے لیے راستے کبھی بند نہیں ہوں گے، اس لیے کہ اللہ نے اس دنیا میں آپس کی دشمنیاں بھی رکھی ہیں، اپنے دشمن سے بچاؤ اور اُسے اپنے سے دور مصروف کرنا ہر فریق کی خواہش ہوتی ہے، نیز یہ بھی اہل اصول ہے کہ اگر کہیں مشترک دشمن موجود ہو، تو چاہے آپس میں کوئی اور بہت بڑا مقصد شریک نہ ہو، یہ مشترک دشمن اور وہ بھی مضبوط و سنجیدہ دشمن، جو

طاقت بھی زیادہ رکھتا ہو اور ارادے بھی اس کے اتنے خطرناک ہوں کہ اس کے ساتھ نہ لڑ کر بھی اپنی حفاظت ممکن نہ ہو، ایسے مشترک حریف کا وجود ہی دو مختلف فریقوں کو کسی ایک طرز العمل پر متفق کر سکتا ہے، ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے ہاں امن ہو اور اس کے سامنے محاذ زیادہ نہ ہوں۔ لہذا اللہ کے اذن سے مجاہدین کے لیے راستے مکمل بند نہیں ہوتے ہیں یا یہ راستے ہمیشہ بند نہیں رہتے ہیں، اگر ایسا راستہ کہیں بھی نکل آتا ہے تو مجاہدین کو اسے استعمال کرنا چاہیے اور کھلی آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے، مگر نہ تو ایسے کسی موقع کا انتظار کرنا چاہیے اور نہ ہی اگر ایسا موقع مہیا ہو جائے تو اس پر ہتھیار کرنا چاہیے، دونوں ہی صورتوں میں اللہ پر توکل کر کے اپنے لیے خود راہیں نکالنی چاہیں اور یہ یقین ہو کہ اللہ کی مدد اُن کے ساتھ ہوتی ہے جو مدد نصرت کے لیے صرف اللہ کی طرف دیکھتے ہیں، وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ اس موضوع کے ضمن میں امارت اسلامیہ کی صورت میں ایک کامیاب مثال ہمارے سامنے موجود ہے، امارت نے اولاً اللہ پر توکل کیا، اسی سے نصرت مانگی، اپنے وسائل پیدا کیے، صرف انہیں استعمال کیا، پھر اہم یہ کہ اپنے عوام کو ساتھ لے کر شرعی مقاصد کے ساتھ دائرہ شریعت میں رہ کر جہاد کیا، ثانیاً: کافی عرصہ بعد، آخر میں جب امریکہ واپسی کی راہ ڈھونڈنے پر مجبور ہوا تو اس وقت بعض جہات بھی اپنی مجبوریوں کے سبب امارت کی طرف متوجہ ہوئیں اور امارت نے ان کی بعض سہولیات کو ایک دائرے میں استعمال بھی کیا مگر الحمد للہ نہ دوران جہاد امارت نے کسی کی غیر شرعی شرط قبول کی اور نہ ہی فتح کے بعد کسی کی ایسی کوئی بات ابھی تک مانی ہے اور شاید یہی وہ صفت ہے کہ جس کے باعث اللہ کی نصرت بھی اس کے ساتھ شامل حال رہی ہے..... اللہ امارت اسلامیہ کو اپنی اچھی صفات پر ثابت قدمی دے، ان میں اضافہ کرے، اس کی مزید مدد و نصرت فرمائے اور اس کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے، اللہ دیگر مجاہدین کو بھی توفیق و مواقع دے کہ وہ شرعی اور رُخ بہ منزل جہاد کریں، ایسا جہاد کہ جس میں امت مظلومہ کے غموں کا مداوا بھی ہو اور جو اللہ کے دین کی سربلندی کا بھی باعث ہو، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسقاطِ حمل

..... اپنے یہاں تو وہ مادر پدر آزادی کے ثمرات اچھی طرح سے سمیٹنے کے بعد اب اپنے پھیلائے ہوئے گند کو صاف کرنے کی تدابیر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو تب تک کامیاب نہیں ہو سکتیں جب تک گند پھیلانے کے تمام راستے بند نہ کر دیے جائیں۔ جبکہ دوسری جانب

”فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک۔“ (سورۃ آل عمران: ۱۲۶)

افغانستان کی باپردہ، باحیا، غیرت مند خواتین کو بے حیا، بے پردہ اور مادر پدر آزادی بنانے کے لیے پوری دنیا کا میڈیا اپنا پورا زور لگا رہا ہے۔

خواہ مسلمان ہوں، یہودی یا عیسائی، ان کے لیے رہنمائی کا منبع ایک ہی ہے، اللہ رب العزت کی ذاتِ واحد اور اللہ رب العزت کسی کو بھی کسی بھی حال میں بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، فحاشی کی اجازت نہیں دیتا، مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا، ظلم کی حمایت نہیں کرتا، ظالم کا ساتھ دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ رحم فرماتا ہے اور رحم کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، مگر جسے آج کی دنیا میں رحم اور ہمدردی دکھایا جا رہا ہے وہ رحم اور ہمدردی نہیں۔ اور جو ظلم ہے، جسے آنکھوں سے اندھا بھی ظلم ہی کہے گا (بشرطیکہ دل کا اندھانہ نہ ہو) اسے عین عدل انصاف اور انصاف ظلم کہا جا رہا ہے۔ اللہ رب العزت کے فرمان کے عین مطابق کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار رہو! یہی مفیدین ہیں مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: آخرت از شیخ انور العولقی

ممکن ہے کہ اس کی ایک وجہ ان کی بے تحاشا امارت اور خوشحالی تھی۔ مال و دولت اور آسائشات دنیا کی اس کثرت کے باعث رفتہ رفتہ اندلس و قرطبہ کی دولت مند و خوشحال سلطنت اس قدر معاشرتی تنزل و بے راہ روی کا شکار ہو گئی اور زنا و فساد اس قدر عام ہو گیا کہ اس کا ارتکاب کھلے عام ہونے لگا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی پیشانی پر ایک مصرع لکھوایا جس میں دوسروں کو زنا کی ترغیب و دعوت دی۔ یہ عورت اسی طرح اپنے گھر سے نکلتی اور عام راستوں سے گزرتی اور لوگوں کو گناہ کی جانب مائل کرتی۔ یوں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ یہ علامت ہم نے پورا ہوتے دیکھی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[یہ سلسلہ مضامین نابغہ روزگار مجاہد و داعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلہ دروس 'Al-Aakhirah – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلہ 'نوائے غرور' ہند میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

☆☆☆☆☆

بادشاہی تخت و عرش کا نام نہیں۔ بادشاہی تو اس 'خودی' کا نام ہے کہ جس کے پاس وہ دیکھنے والی آنکھ ہو جو زمانے کے ہر طور و انداز کو اپنی نظر سے دیکھے۔ اس نظر کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ خودی کہتے ہیں۔ خودی، اپنے آپ کو جاننا ہے کہ میں کون ہوں اور کیوں ہوں؟ جو آپ خودی ہے کہ میں 'عبد' ہوں، غلام اللہ ہوں۔ اور عبد کیوں ہوتا ہے، یعنی کس لیے ہوتا، مقصد تخلیق کیا ہے؟ عبد اس لیے ہوتا ہے کہ غلامی کرے، فرمایا ہم نے تم کو اپنی بندگی کے واسطے پیدا کیا، اِلَّا لعبدون! یہی خودی ہے۔

سو ناچا ہو تو اس طریقے سے جو میں نے اپنے حبیب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے طریق سے بتایا، کھاؤ تو ایسے، پیو تو ایسے، پہنو تو ایسے، نمازیں یوں پڑھو، روزے یوں رکھو۔ محبوب رکھنا چاہتے ہو تو اسے رکھو جسے میں نے اپنا محبوب بنایا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیکولر ازم قبول نہیں ہے، کہ پرائیویٹ لائف میں خدا کوئی اور ہو اور منڈی، بازار، دکان، کارخانے، سڑک، عدالت، دفتر، حکومت و پارلیمنٹ میں خدا کوئی اور ہو۔ جنگ بھی بے مہار نہیں، جہاد فی سبیل اللہ ہے، مقصد و اصول کتاب و سنت میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ combatant و non-combatant کون ہے، غزوہ بنو قریظہ و خیبر، غزوہ فتح مکہ و طائف و حنین میں دیکھو۔ جمہوریت، یونان کا فرسودہ نظام، جہل پر مبنی ووٹوں کی گنتی؟ جہاں ڈاکٹر بھی برابر اور نرس بھی؟ سول انجینئر بھی برابر اور مزدور بھی؟ عالم قرآن و سنت بھی برابر اور گلی کا بھنگی بھی؟

اقبال نے ان اشعار میں ماضی و مستقبل کو سمو دیا ہے۔ کل جب اے بندہ مسلمان! تو زمانے کو اپنے اللہ کے دین اور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ صلوٰۃ اللہ کی نظر سے دیکھتا تھا تو تُو نے شہر یار و ہر مزدور رستم کا سر کاٹا تھا، قیصر روم تجھے خراج دیا کرتے تھے۔ پھر تُو، تُو نہ رہا، تیری نظر بدل گئی تو فرڈیننڈ و ازابیلا تجھ پر حاکم ہو گئے، سلطنتیں لٹیں، خلافتیں چھینیں، عثمانی لٹے، مغل قتل ہوئے، تیری زمینیں کا شغریہ تاغاب مغرب ملکوں میں بانٹ دی گئیں۔ کہیں کی باگ ڈور، نہروں، گاندھیوں اور ہندوؤں کے ہاتھ آئی، کہیں بے شرف شریف و بھٹو غالب ہوئے، کہیں آلِ نہیان و ثانی و سعود تو کہیں رعمسیں۔

لمبی بات نہیں ہے، بس اپنی آنکھ میں سرمہ محمدی لگالے، عقیدہ و براہِ رعبی والا ایمان زندہ کر۔ پھر تیرے شرارہ ایمان سے سورج بھی روشنی و حدت لے گا، چاند کی نرم و میٹھی چاندنی بھی تیرے دم سے ہوگی، دریاؤں کا طوفان بھی تو ہوگا۔ تیرے کردار میں وہ کیمیا اثر ہو گا جو دھاتوں کو نہیں ریگ و مٹی کو سونا بنادے۔ تُو دین سے چہرہ تو آکسفورڈ و ہارورڈ کا نہیں، سمرقند و بخارا کا، بغداد و دمشق کا، قرطبہ و قاہرہ کا دور پھر سے لوٹ آئے گا، لیکن پہلے اپنی خودی تک رسائی پیدا کر!

مغربی مکتبوں کی نئی روشنی، تیری تاریکیوں کا ازالہ نہیں طاق دل میں اجالا اگر چاہیے تو پرانے چراغوں سے ہی پیار کر

☆☆☆☆☆

جدت

دیکھئے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اسلاکِ منور ہوں تیرے نورِ حیر سے
خوشید کئے کب ضیائے شہر سے
طاہر تری تقدیر ہو یہاں سے
دریائے مستلاطم ہوں تیری موجِ کمر سے
شرمندہ ہو فطرتِ ترے اعجازِ ہنس سے
اغیار کے افکار و تجسّیل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

محمد اقبال

تباہ شدہ نظام میں اسقاط حمل پر پابندی..... چہ معنی دارد prolife؟

قاضی ابو احمد

تنہا ماں ہی پر عائد ہوگی اور اس اولاد کو پالنے کے لیے اس عورت کے پاس کیا ہے؟ وہ بھی اپنی عیاشیاں قربان نہیں کرنا چاہتی، وہ نہیں چاہتی کہ اب جو وہ اپنی مرضی سے اپنا جسم ہر روز ایک نئے مرد کے حوالے کرتی ہے کل کو اسے یہ کام بچے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کرنا پڑے جسے جسم فروشی کا نام دیا جاتا ہے۔ بظاہر ان تمام حالات پر قابو پانے کے لیے اور ٹٹی ہوئی امریکی نسل کی حفاظت کی خاطر امریکی سپریم کورٹ نے اسقاط حمل کو ناجائز قرار دیا۔ اس کے ساتھ ایک اور نکتہ قابل غور یہ بھی ہے کہ امریکی سپریم کورٹ کے ججوں کی اکثریت اس وقت ایونجیلسٹ (evangelist) عیسائیوں پر مبنی ہے اور ایونجیلسٹ عیسائی اسقاط حمل کو اپنے مذہب کے مطابق بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ نیز ان جج صاحبان کا تقرر امریکی روایت پسند جماعت ریپبلکن پارٹی کے سابق صدر ڈانلڈ ٹرمپ نے کیا تھا جو خود بھی ایک شدت پسند ایونجیلسٹ عیسائی ہے۔

پھر اس اقدام کو نام بھی اتنا خوبصورت دیا گیا؛ پرولائف؛ زندگی کو پروان چڑھانے والے، زندگی سے پیار کرنے والے، حتیٰ کہ اس انسان تک سے ہمدردی رکھنے والے جو ابھی دنیا میں نہیں آیا.....!!! طرفہ تماشایہ ہے کہ یہی لوگ جو زندگی سے اتنا بیار جتا رہے ہیں وہ عراق میں لاکھوں زندہ انسانوں اور دس لاکھ ان بچوں کے قاتل ہیں جو اس دنیا میں آچکے تھے، علاوہ ان بچوں کے جو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اپنی ماؤں کے پیٹوں میں اپنی ماؤں کے ساتھ ہی قتل ہو گئے۔ انہیں زندگی سے اتنا ہی پیار تھا تو بیس برس تک افغانستان کی سر زمین پر مساجد، مدارس اور عوام کے گھروں، شادیوں کی تقاریب، جنازوں کے ہجوم اور تقسیم اسناد کے جلسوں پر برم کیوں برساتے رہے، میزائل کیوں داغنے رہے؟ آج شام میں ملے تلے دبے والے، بمباریوں سے چھلٹی ہونے والے، تباہ کن کیمیکل ہتھیاروں سے دم گھٹ کے مرنے والے کیا بچے نہیں ہیں؟ جن ممالک پر آپ نے اقتصادی پابندیاں لگا رکھی ہیں ان میں انسان نہیں بستے کیا، یا ان انسانوں کے بچے نہیں ہوتے؟ مگر بات وہی ہے جو کسی صحافی نے روس یوکرین کی جنگ کی کوریج کرنے والے صحافیوں کی زبان بارے تجزیہ کرتے ہوئے کہی، کہ جب بمباری افغانستان اور عراق میں تھی تو کہا جاتا کہ مرنے والوں کو ہی قصور وار تھے اور جب یوکرین مارے جارہے ہیں تو ان کی نیلی آنکھوں اور سفید جلد کی وجہ سے ان کے لیے civilized یعنی مہذب کی اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے، صرف ان کے رنگ و روپ کی وجہ سے۔

اہل مغرب اپنے معاشروں میں تو اسقاط حمل پر پابندی عائد کر رہے ہیں، دوسری جانب یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ اس قسم کا پہلا قدم ہے اور پھر ہم جنس افراد کی شادیوں کی قانونی حیثیت جیسے بہت سے متنازع موضوعات پر بھی اسی قسم کے فیصلے سامنے آسکتے ہیں.....

(باقی صفحہ نمبر 47 پر)

انسانی جان کی قدر و قیمت جاننے، پہچاننے اور اس کی قدر کرنے کی توقع انسانوں ہی سے کی جاسکتی ہے اور کی جانی چاہیے۔ زندہ معاشرے اور زندہ قومیں اپنے اندر بسنے والے انسانوں کی جان کی حفاظت کرتے ہیں، اسے محترم ٹھہراتے ہیں اور اسے اس کے جائز حقوق سے محروم نہیں کرتے۔ مگر صرف جان کی حفاظت کسی معاشرے اور کسی قوم کو زندہ رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے؛ زندگی صرف سانسوں کی آمد و رفت کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی عبادات، اخلاق و اطوار، معاشرت و معیشت، تہذیب و شائستگی کے اس مجموعے کا نام ہے جسے اللہ رب العزت نے دین قرار دیا ہے۔ اگر ایک قوم یا معاشرہ بحیثیت مجموعی اپنے دین پر عمل پیرا ہے، خواہ افراد معاشرہ میں چند کمزوریاں بھی پائی جاتی ہوں تو وہ ایک زندہ معاشرہ ہے لیکن اگر صورت حال بالکل عکس ہے تو قوم کے افراد انفرادی طور پر کتنے ہی فلاحی کاموں میں حصہ کیوں نہ لیں اور اصلاح معاشرہ کی جتنی چاہیں کوششیں کر لیں، اس قوم کو فلاح یافتہ اور اس معاشرے کو ایک معیاری معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امریکی معاشرہ اخلاقی انحطاط کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ عوام کی غالب اکثریت اپنے آپ کو ہر لحاظ سے ہی آزاد سمجھتی ہے اور تقریباً ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی، معاشرتی، تمدنی پابندیوں یا حدود و قیود سے خود کو مبرا سمجھتی ہے۔ اسی اخلاقی انحطاط کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ شادیوں کے بندھن میں بندھنے کا رواج کم سے کم اور بغیر شادی اس کے فوائد سے مستفید ہونا زیادہ ہلکا اور آسان سمجھا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہ مرد کو اٹھانی پڑتی ہے اور نہ ہی عورت کسی عہد و وفا کی پابند ہوتی ہے، ایسے تعلقات کا نتیجہ 'بریک اپ' کے عنوان سے ساری دنیا کے سامنے عیاں ہو جاتا ہے۔ یوں ان تعلقات کے نتیجے میں ٹھہرنے والے حمل نہ قانونی و شرعی باپ کو مطلوب ہوتے ہیں اور نہ ہی ہونے والی ماں ان کی ذمہ داری کا طوق اپنے گلے میں لگانا چاہتی ہے۔ لہذا اس کا آسان طریقہ یہ ڈھونڈ رکھا ہے کہ پہلے رنگ رلیاں منائی جائیں اور پھر اگر ان کا کوئی نتیجہ برآمد ہو جائے تو اسے اسقاط کروا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک کر نئے سرے سے خم ٹھونک کر میدانِ شہوت کا رخ کیا جائے۔

پچاس برس تک امریکہ میں اسقاط حمل قانونی طور پر جائز رہا ہے مگر اس کے نتیجے میں امریکی نسل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ امریکی نوجوان خاندان کی ذمہ داری اٹھانے کو قطعاً تیار نہیں۔ مرد نوجوان ہر روز ایک نئی عورت سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہے اور تقریباً یہی رجحان نوجوان عورتوں کا بھی ہے اور بس۔ کمایا، کھایا، عیاشی کی اور بوڑھا ہو تو خدمت کروانے کے لیے اولڈ ہوم چلا گیا اور وہیں مر کھپ گیا۔ عورتوں نے ذمہ داری سے بچنے کا ذریعہ اسقاط حمل کو سمجھ رکھا ہے۔ کیونکہ اگر بد قسمتی سے کوئی حمل ضائع نہ ہو سکے تو دنیا میں آنے والے بچے کی ذمہ داری



زمین (earth) پر ہم انسان رہتے ہیں تو ہم سے قبل اس پر جنات آباد تھے۔ جنات کی تاریخ انسانوں سے نجانے کتنی پرانی ہے۔ پھر علمائے کرام نے بعض روایات کو جمع کر کے جو انسانیت کی عمر کا اندازہ لگایا ہے تو آدم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا درمیانی فاصلہ بھی چند ہزار سال کا ہے۔ یعنی جنات کا اس دنیا میں نجانے کتنے ہزار برس بسنا اور پھر اس کے بعد کم از کم تین چار ہزار سال انسانوں کا اس دنیا میں بسنا، ان ہزاروں سالوں میں نہ جنات میں سے کسی نے ایسی بد فعلی کی اور نہ انسانوں میں سے کسی نے۔ پھر لوط علیہ السلام کی قوم وہ پہلی قوم ہے جس نے تاریخ مخلوق میں اس رُوسایہ کا اضافہ کیا۔

لوط علیہ السلام سے لے کر ماضی قریب کا زمانہ بھی محتاط اندازوں کے مطابق کم از کم پانچ ہزار سال کا ہے۔ آج جب دنیا دینی و سائنسی، حتیٰ کہ توہم پرست روایتوں کے مطابق بھی اپنے آخری سانسوں کے قریب ہے تو اس دنیا میں ایک نئی فطرت ایجاد ہو گئی ہے۔ پہلے فطرت کے نام پر اس لعنت کا نام محض ہم جنس پرستی تھا جیسا کہ لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ رُوسایہ تھی۔ پھر اس ہم جنس پرستی میں عورتیں عورتوں کے ساتھ رُوسایہ میں شریک ہو گئیں۔ اس ایل اور جی کے بعد اس میں bisexuals کا ثم transgenders اور پھر queers کہلانے والوں کا اضافہ ہو گیا۔ اللہ کی سچی کتاب تو محض مردوں کے مردوں سے شہوانی تعلق کے متعلق فرماتی ہے کہ یہ پہلی بار قومِ سدوم نے کیا۔ آج یہ کون سی اور کیسی فطرت ہے جس کا مخلوق کو آخر الزمان میں معلوم ہوا ہے۔ بخاری و مسلم کی مختلف احادیث میں وارد ہے کہ

”زنا کا علی الاعلان ہونا قیامت کی علامات میں سے ہے۔“ اور ”قیامت سے پہلے زنا پھیل جائے گا۔“

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر زنا اس قدر عام ہو گیا کہ لوگ کھلے عام اس کی تشہیر کرنے لگے، تو اللہ انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دے گا جو پہلے کسی قوم پر نہ آئی ہوں گی۔“

تمام تعریف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور اپنے محبوب کا امتی بنایا، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم! اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر دے، اپنے دین کی خدمت کی مبارک محنت کا کام لے لے اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب کے قدموں میں جگہ عطا فرمادے۔ بے شک مانگنے والے کو نہ مانگنا آتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اہلیت ہم میں پائی جاتی ہے!

LGBTQ: قیامت سے پہلے قیامت!

..... بین الاقوامی کوششوں سے لے کر پاکستان میں قانون سازی تک.....

دنیا میں بدکاری اپنی تمام اقسام کے ساتھ عام ہوتی جا رہی ہے۔ مرد و عورت کے مابین بدکاری، نہایت قبیح گناہ و جرم ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ زنا، شراب اور سود وہ تین معاملات ہیں جو تمام شریعتوں میں حرام رہے ہیں اور یہ تین جرائم عقلاً بھی جرائم ہیں کہ بعض جرائم و گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر انسان کی ذاتی زندگی پر یا معاشرے میں محدود ہوتا ہے، لیکن ان تین سے معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں اور فساد کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن عورت و مرد کے مابین اس بدکاری سے بھی زیادہ فحش کام مرد کا مرد سے بد فعلی کرنے کا ہے۔ قومِ سدوم کی طرف اللہ پاک نے اپنے طاہر و مطہر پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا، یہ قوم یہی بد فعلی کا جرم کیا کرتی تھی اور اسے عین فطرت کہا کرتی تھی۔ فطرت تو ایسی چیز ہے جس کی طرف ہر انسان کا خود بخود رجحان ہوتا ہو، کھانا پینا، سونا، مرد و عورت کا قربت کا تعلق وغیرہ۔ اگر یہ بد فعلی (فاحشہ و بائند) فطرت ہوتی تو تخلیق کائنات کے اول دن سے ہی مخلوق میں پائی جاتی، لیکن اللہ پاک قرآن مجید میں قومِ لوط کے بارے میں فرماتا ہے:

اَتَاۡتُوۡنَ اللّٰہَ کُزٰۡنًا وَّ مِنَ الْعٰلَمِیۡنَ ۝ (سورۃ الشعراء: ۱۶۵)

”کیا دنیا کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس (شہوت رانی کے لیے) جاتے ہو۔“

شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں عالمین کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ تاریخ میں پہلی قوم جس نے یہ بد فعلی شروع کی وہ قومِ لوط تھی اور یہاں صرف مراد انسان نہیں ہیں بلکہ جنات بھی ہیں۔ ہم تفاسیر کے مطالعے سے جانتے ہیں کہ جس

کل تک ہم ایڈز کو روکتے تھے^۱، آج کو رووانے کیسے اپنی لپیٹ میں دنیا بھر کو لیا۔ چند برس پہلے کیا کوئی کو رووانے کا نام سے بھی واقف تھا؟ پھر کو رووانے کے بعد منکی پاکس (monkey pox) کے بارے میں تو مستند لوگوں اور ذرائع کے یہاں بھی یہ بات عام ہے کہ اس کا شکار ہونے والوں میں اکثریت ہم جنس پرست لوگوں کی ہے، سچان اللہ صبح فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے!

یہ آج کی دنیا میں بدکاری کا یہ زور، انسانوں کا ہر غیر فطری طریقے سے شہوت بھگانے کے لیے نہیں، اس کو آتش فشاں بنانے کے لیے دوسرے انسانوں کے ساتھ منہ کالا کرنا، حتیٰ کہ اپنی ملعون شہوت کا نشانہ بے زبان جانوروں تک کو بنانا کیسا عظیم ظلم ہے؟!

لیکن ظلم فوق ظلم وہ اقدام ہے جس نے راقم السطور کو اس موضوع پر لکھنے پر مجبور کر دیا۔ یورپ کے کچھ خسیں و اسفل انسان جو اپنے آپ کو اس ایل جی بی ٹی کیو کا حصہ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں، حالانکہ وہ ہم جنسی کی لعنت کو حلال کہنے اور جاننے کے بعد بدترین مرتد و زندیق ہیں، کے لیے دنیا کی ہم جنس پرست کمیونٹی چندہ جمع کر کے ایک نیا حرم، ایک نیا کعبہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، فالعیاذ باللہ، نقل کفر کفر نہ باشد!

دھنک رنگوں کا ایک کمرہ بنایا جا رہا ہے اور ان بد فطرت و اسفل انسانوں کا کہنا ہے کہ چونکہ دنیا بھر میں اہل ایمان ہم جنس پرستوں کو مکہ میں جا کر عبادت کرتے ہوئے جان کا خطرہ ہے اس لیے ہم یورپ کے کسی ملک میں ایک نیا کعبہ تعمیر کر رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک، ان ناجائز کفری اقدامات کی تصویریں انٹرنیٹ پر موجود ہیں، بے شک ان کو دیکھنا اور یہاں یا کہیں اور شریک (share) کرنا خود ایک اذیت ناک عمل ہے، اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ!

پھر برطانیہ میں مقیم جنوبی ایشیائی نژاد ایک ’مسلمان‘ عورت کی گفتگو بھی سنی جو کہتی ہے کہ ’اگر پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے تو وہ بھی LGBTQ رائٹس کی حمایت کرتے کیونکہ آپ نے بھی ہیومن رائٹس کی ہمیشہ حمایت کی!‘

عاقبت آگئی لوگوں کو نظر ادھر بھی تو ہو!

پھر ایک قیامت تو وہ ہے جس کا ذکر ہم نے پچھلی سطور میں کیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حشر سامانی یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسا نظریاتی ملک بھی ہے، جسے مملکت خدا داد کہتے ہیں۔ یہاں کا آئین ’اسلامی‘ ہے، اس میں اختیار و اقتدار کا مالک اعلیٰ اللہ ہے۔ پارلیمان کے ماتھے پر کلمہ طیبہ درج ہے۔ عدالت عالیہ کی پیشانی پر ’فاکھم بین الناس بالحق‘ درج ہے۔ یہاں اسلامی نظریاتی

اگر کو ہر ایڈز شدہ کو ناجائز فعل کے فاعل کے طور پر جاننا ناجائز بات اور خود ایک جرم ہے کہ اس بیماری کا شکار تو معصوم بچے بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اندرون سندھ کے علاقوں میں ہوا، یہاں عمومی بات کی جارہی ہے۔ اسی طرح دیگر بیماریوں کا معاملہ بھی ہے۔

کو نسل بھی ہے اور وفاقی شرعی عدالت بھی۔ اس ملک کی مقننہ بھی ٹرانس جینڈر بل منظور کرتی ہے۔ اس بل میں کہنے کو پہلی شق تو پیدائشی خنث لوگوں کے لیے ہے اور یہ شق کہنے کو واقعی انسان کی توجہ اس طرف دلاتی ہے کہ یہ بے چارے بھی تو انسان ہیں، کون سا اپنے اختیار سے ایسا ہوئے ہیں، اللہ ہی کی مخلوق ہیں تو ان کے لیے حقوق کیوں نہیں؟

اس کا جواب تو یقیناً شریعت کی کتابوں میں موجود ہے۔ شریعت اسلامی کو نافذ کرنے والا خلیفہ راشد، امیر المؤمنین اگر دریائے فرات کے کنارے کسی کتے کے پیاسے مر جانے کو اپنی مسئولیت گردانتا ہو تو یہ کہاں ممکن ہے کہ شریعت الہی ایسے افراد کو حق نہ دیتی ہو۔ مزید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ان افراد میں سے جو مرد کی جسمانی ساخت کے لحاظ سے ماثل ہیں ان کا حکم مردوں جیسا اور جو عورتوں کی طرح ہیں ان کا حکم عورتوں جیسا۔ الغرض، شریعت مطہرہ نے تو ہر ایک کے لیے اس کا حق مقرر کیا ہے۔ بلکہ تاریخ کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ بادشاہوں اور سلاطین کے محلات میں اکثر ذمہ داریاں خنثوں ہی کے پاس رہتی رہی ہیں۔ یہ حقوق کا نیاراگ تو اسی جدید تہذیب کی پیداوار ہے۔

لیکن اس قانون میں جو اگلی دو تعریفیں ہیں ان کا تعلق اسی LGBTQ تحریک سے ہے جو عالمی طور پر دجالی اشاروں سے برپا ہے۔ دوسرا اگر وہ ان بد بخت انسانوں کا ہے جو مرد ہو کر عورتوں کے اعضا اور عورت ہو کر مردوں کے اعضا آپریشن سے لگواتے ہیں، یعنی ٹرانس جینڈر، لعنت اللہ علیہم! ان بے غیرت لوگوں کو ہمارے معاشرے میں (بے ادبی کے لیے معذرت) ’کھسر‘ کہا جاتا ہے اور یہ اکثر وہ مرد ہوتے ہیں جو پیشے کے طور پر عمل قوم سدوم بھی کرتے ہیں اور زمانے بھر کے وارداتیہ ہوتے ہیں۔ قانون اگلے گروہ کی تعریف یہ کرتا ہے کہ وہ مرد جو اپنے آپ کو عورت سمجھتا ہو یا وہ عورت جو اپنے آپ کو مرد سمجھتی ہو، غالباً انہی کو queer کہا جاتا ہے۔

یہ قانون LGBTQ میں سے Ts اور Qs کے لیے تو تحفظ کا ضامن ہو گیا۔ باقی رہے گئے LGBs تو یہ تو سب ہی بد فطرت ایک ہی کھاتے کے ہیں، ان کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ یہ قانون پہلی بار ۲۰۱۸ء میں منظور ہوا تھا جسے نون لیگ، ق لیگ، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کی چار ’خاتون‘ سینیٹرز نے تیار کیا تھا۔ نجانے خاتون کہلانے والیاں کس کے ایجنڈے پر کام کرتی ہیں، اگر یہ مغربی ایجنڈا نہیں ہے تو زیادہ تشویش کی بات ہے کہ یہ براہ راست ایلیسی ایجنڈے پر کام کرتی ہیں۔ یہ بل منظور بھی تحریک انصاف کی حکومت کے زمانے میں ہوا جس کا سربراہ ہاتھ میں موٹے دانوں والی تسبیح گھماتا تھا، جس کی بیوی کہتی تھی کہ مسلم دنیا میں دبی لیڈر ہیں ایک اردگان اور دوسرا عمران خان (شاید دونوں اسی قسم کے قوانین

والے ہیں اس لیے)۔ وہ عمران خان جس کو مولانا طارق جمیل کی بھرپور حمایت حاصل تھی اور اب بھی ہے کہ پی ڈی ایم کی مشترکہ حکومت آنے کے بعد مولانا نے نئی حکومت کو ہارس ٹریڈنگ کے زمرے میں تنقید کا نشانہ بول ٹی وی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بنایا کہ انسانوں کی خرید و فروخت کرنے والے قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ اللہ را قم سمیت تمام مسلمانوں اور مولانا موصوف پر رحم فرمائے، ہارس ٹریڈنگ پر قیامت کے روز کیا جواب دیا جائے گا، اس سے پہلے اس ہم جنس پرستی اور قوم سدوم کو خراج تحسین اور خراج عقیدت پیش کرتے قانون سازوں کے بارے میں تو جواب سوچ لیا جائے۔

اس قانون کے بارے میں سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ اس کے لیے ہر مکتبہ فکر سے مشاورت کے لیے وفاقی محتسب کے دفتر میں خصوصی سیل قائم کیا گیا تھا۔ یہ بل پہلے سینیٹ کی قائمہ کمیٹی نے منظور کیا جس کے بعد اس کو پارلیمنٹ نے مشترکہ طور پر منظور کیا تھا۔

سبحان اللہ علی ما یصفون! یہ ہے وہ پاکستان کا پارلیمنٹ جس کے ممبروں کو پاکستان کا ۳۷ء کا اسلامی آئین ارکان شوریٰ کہتا ہے اور جس پارلیمنٹ کو مجلس شوریٰ کہتا ہے، بے ادبی معاف یہ پنجابی کا شورا تو ہو سکتا ہے، شوریٰ نہیں۔

فرحت اللہ بابر نے یہ بھی کہا کہ جب یہ بل پیش ہو رہا تھا تو اسلامی نظریاتی کونسل نے اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں اٹھایا جو کہ سینیٹ کے ریکارڈ پر ہے۔ اب اس اسلامی نظریاتی کونسل کا کیا رونا، رونا۔

اس وقت (ستمبر ۲۰۲۲ء کے آخری عشرے میں) یہ بل وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اس پر جو بھی فیصلہ دے، دو باتیں بہر کیف وفاقی شرعی عدالت کے متعلق مستحضر رہنی چاہئیں، پہلی بات یہ کہ یہ عدالت بھی سپریم کورٹ ہی کے تحت ہے اور دوسری بات یہ کہ وفاقی شرعی عدالت نے سود کے مسئلے پر بھی ایک فیصلہ دے رکھا ہے جس کا نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات رہا ہے، پاکستان میں سود حلال ہے اور اللہ کی شریعت کی طرف منسوب وفاقی شرعی عدالت اس کو حرام کہتی ہے لیکن بے بس ہے!

جماعت اسلامی کے ارکان سینیٹ نے اس بل کو اب چیلنج کیا ہے، جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل جناب امیر العظیم صاحب نے اس کے متعلق کہا کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جماعت اسلامی اس بل پر کبھی خاموش تھی۔ ہم کبھی بھی اس بل پر خاموش نہیں رہے۔ ہم نے اس وقت بھی مخالفت کی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ایکٹ میں الفاظ کا گورکھ دھندہ استعمال کیا گیا تھا جس نے قوم کو کچھ کنفیوز کر دیا تھا۔ ہم نے اس وقت بھی کہا تھا کہ یہ بل خرابیوں کی جڑ بنے گا مگر جب حکومتی ڈیٹا سامنے آیا کہ ہزاروں لوگوں نے اپنی جنس تبدیل کر لی ہے اور اس کی خرابیاں سامنے آئیں اور قوم پر حقیقت آشکار ہو گئی کہ یہ بل خرافات کا باعث بن رہا ہے اور قوم کو ہوش آیا تو جماعت اسلامی اب قوم کی نمائندگی کر رہی ہے۔

امیر العظیم صاحب کے اسی بیان میں موجود چند نقاط کے حوالے سے امیر العظیم صاحب، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت اہل حدیث اور اس طرح کی دیگر پارلیمانی سیاسی پارٹیوں کے حضرات کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ چند گزارشات پیش ہیں:

• الفاظ کا گورکھ دھندہ محض اس ایکٹ میں استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ یہ گورکھ دھندہ پورے آئین پاکستان میں استعمال کیا گیا ہے۔

○ اس آئین میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو کہا گیا ہے۔

○ اس آئین میں قراردادِ مقاصد بھی موجود ہے، جس کی رو سے یہاں

کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔

لیکن یہاں عملاً کیا واقعی اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ ہے۔ (سبحان اللہ، یہ الفاظ محض بحث کے لیے استعمال کیے گئے ہیں، ورنہ، اللہ اکبر! اللہ تو مالک الملک، الخالق و المالك ہے، وہی پادشاہ ہے اور باقی سب کی حیثیت تو دراصل ہے ہی نہیں) یہاں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اگر اللہ ہو تو کیا اس طرح کے قوانین کے بل پیش کرنے کی کوئی جرأت بھی کر سکتا ہے؟

اس آئین میں قراردادِ مقاصد موجود ہے لیکن پاکستان کی سپریم کورٹ (جو تشریح و تنفیذ آئین کا قانونی ادارہ ہے) کہتی ہے کہ قراردادِ پاکستان کی حیثیت بھی آئین کی دیگر دفعات اور شقوق جیسی ہے۔ اور سپریم کورٹ سولہ آنے کھری بات کہتی ہے، اسی لیے تو پارلیمنٹ میں اس قسم کے قانون پاس ہو سکتے ہیں!!!

• پچھلے صفحات پر بھی یہ عرض کیا گیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی حقیقی حیثیت نظام پاکستان میں کیا ہے؟ آپ حضرات ایک بار پھر انہی اداروں سے اس آئین کو کالعدم اور باطل قرار دلوانے یا اس میں تبدیلی کروانے جارہے ہیں؟ بالفرض یہ تبدیلی ہو بھی گئی تو اس سے پہلے کے جو فیصلے وفاقی شرعی عدالت نے دیے (اور اسلامی نظریاتی کونسل کی قانونی حیثیت میں گزارشات) ان کا کیا ہو گا؟ کیا ایک من پاک دودھ میں ایک قطرہ ناپاکی کا اس دودھ کو ناپاک کرنے کے لیے کافی نہیں، تو پھر آئین پاکستان کیسے پاک و پوتر ہے جس کی اساس انگریز کے تقسیم برصغیر سے پہلے کے انڈیا ایکٹ ہیں؟ اور آئندہ اس قسم کے قوانین جو بالیقین منظور ہوں گے کے سدباب کے لیے کیا سوچا گیا ہے؟

• ہم اللہ کے بندے ہیں، اس کے غلام ہیں، اس کے دین و شریعت کے نام لیوا ہیں۔ ہم عوامی خواہشات کو سامنے رکھ کر نہیں چلتے۔ عوام کو ہوش آئے یا نہ آئے۔ ہم قوم کے نمائندے نہیں ہم تو خیر امتِ آخرت للناس ہیں، ہمارا تو ہر حال میں

کام 'تائرون بالمعروف' اور 'تنهون عن المنکر' ہے۔ ہم معروف کام کیسے 'منکرات' کے گڑھ پارلیمان میں بیٹھ کر کر سکتے ہیں؟

- ضرورت بس اس امر کی ہے کہ اس آئین و قانون اور کلمہ پڑھی ریاست کی حقیقت سمجھی جائے۔ یہ آئین ہی فقط گورکھ دھندہ نہیں، یہ سارا نظام ہی گورکھ دھندہ ہے۔ ہماری اسلامی سیاسی پارٹیاں آج سے دو دہائی قبل جس قسم کی پارلیمانی اکثریت، ایم ایم اے کے زمانے میں دیکھ چکی ہیں شاید ویسی اکثریت آئندہ انہیں کبھی مستقبل میں نہ ملے۔ سو جب ماضی میں اتنی بھاری اکثریت کے ساتھ نفاذ شریعت کی طرف پیش قدمی نہ ہو سکی تو آئندہ نفاذ اسلام کی توقع اسی نظام کی کھینچی حدود میں رہ کر کرنا دانش مندی کی بات نہیں!
- راقم السطور کی باتیں تو نہایت اجمالی نوعیت کی ہیں۔ طالب حق حضرات کو آئین پاکستان کی حقیقت کے حوالے سے شیخ ایمن الظواہری کی آئین پاکستان کے شرعی محاکمے پر مبنی کتاب 'پیدہ سحر اور ٹھماتا چراغ' سے کثیر رہنمائی مل سکتی ہے۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، وما علينا إلا البلاغ!

حرم کی فضاؤں میں لیکن دھواں ہے!

پچھلے ماہ سوشل میڈیا پر آنے والی وہ ویڈیو آپ نے دیکھی ہوگی جس میں مکہ مکرمہ کا ایک منظر ہے۔ مسجد الحرام سے ملحق بلند منزلہ ہوٹل جس پر گھڑی نصب ہے اس ویڈیو میں دیکھا جاسکتا ہے۔ پہلا منظر مسجد الحرام کی پڑوسی عمارت کا ہے اور دوسرا منظر حدود حرم ہی میں ایک عرب طرز کی محفل موسیقی کا ہے۔

ساتھ ہی ہمیں خبر رساں ایجنسی رائٹرز کی ایک ویڈیو رپورٹ دیکھنے کو ملی جس میں سعودی عرب کے بچوں اور جوان سال خواتین کو موسیقی کے سکولوں میں جاتے اور موسیقی کی تعلیم حاصل کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ بچے عود نامی گٹار نما ایک عربی ساز بجا رہے ہیں اور خواتین کو مغربی پیانو سکھایا جا رہا ہے۔ موسیقی کا ایک استاد کہتا ہے کہ 'ہمارے معاشرے میں موسیقی سکھانا کوئی آسان کام نہیں ہے، پہلے یہ زیادہ مشکل تھا کہ معاشرے میں موسیقی کے حوالے سے مباحث پائے جاتے تھے کہ یہ حرام ہے یا حلال، یہ ایک ممنوع عمل (taboo) تھا۔ اب حکومت کی سرپرستی ہمیں حاصل ہے اس لیے ہم یہ کام (اعلانیہ) کر رہے ہیں'۔ پیانو پر مغربی دھنیں سیکھتی لڑکی کہتی ہے کہ 'میری نسل کے لیے موسیقی سیکھنے کی سہولت موجود نہیں تھی، میں بہت خوش ہوں کہ موسیقی کو ایک علم یا فن کے طور پر سکھایا جا رہا ہے۔ ابھی میں موسیقی کی بنیادی تعلیم حاصل کر رہی ہوں، اس موسیقی کو میں ذاتی زندگی میں بھی جاری رکھ سکتی ہوں یا میں اس

موسیقی کے فن کو میلوں میں استعمال کر سکتی ہوں بلکہ میں اس کو بطور پیشہ بھی اختیار کر سکتی ہوں۔

یہ ہے وہ سرزمین جہاں کعبۃ المشرقة ہے، بیت اللہ، اللہ جس کو کسی گھر کی حاجت نہیں اس اللہ کا گھر! وہ سرزمین جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، ساری زندگی رہے، یہیں وصال فرمایا، یہیں صحابہ کی تربیت فرمائی۔ اس سرزمین سے فیض خداوندی، فیض نبوت و علم دنیا میں پھیلا۔ یہیں سے جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز ہوا جس کی انتہا دنیا کے ہر کچے پکے گھر میں اسلام کو نافذ کر دینا ہے، وہ جہاد جو قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔ جس سرزمین کے بچے حسن و حسین تھے، یہاں عبد اللہ نام کے ابن عمر، ابن عباس، ابن مسعود، ابن زبیر، ابن عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہم پیدا ہو کر فکر اسلام کی تربیت پا کر محدث و فقیہ و مفسر و قاضی و سپہ سالار و خلیفۃ المسلمین بنتے تھے۔ یہاں کے علاقہ طائف سے تعلق رکھنے والا کوئی ابن قاسم سندھ کی کسی بیٹی کی ایک آواز پر ترپ اٹھتا تھا۔ یہاں کی بیٹیاں توتول و عائشہ و اسماء و سمیہ و خولہ و عفرات تھیں، رضی اللہ عنہن۔ ہائے افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن میں آج کے حسن و حسین عود و رباب سیکھ رہے ہیں۔ جزیرۃ العرب کی بیٹیاں موسیقی سیکھ کر میلوں ٹھیلوں پر پیانو بجانے کے عزم کا اظہار کر رہی ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کو فساد بتانے کے لیے..... امت کے نونہالوں کے لیے سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ ابن الجراح و حمزہ ابن عبد المطلب کو بطور 'ہیر' پیش کرنے کے بجائے سپر مین، ہیٹ مین اور سپانڈر مین جیسے بدکار کرداروں سے روشناس کروانے کے لیے..... امت کے جوانوں کو جہاد سے جدا کر کے موسیقی، کانسرٹوں، شرابوں اور حشیش و افیون اور شیشوں اور خٹوں پر لگانے کے لیے سعودی وزارت دفاع کے تحت 'مركز الحرب الفکري' قائم ہے۔

اور ہم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی جالیوں کی مدحتوں میں مگن ہیں۔ کعبے میں کھڑے کسی سیدیں نما امام کعبہ کی خوش الحان قرأت کو سن کر اشک برہاں ہو رہے ہیں۔ ہمارے مشائخ و قراء بھی بس اسی قسم کے دین پر راضی ہیں کہ حدود حرم میں زنا بھی ہے، شراب و کباب بھی اور موسیقی کی محفلیں بھی۔ بس نہیں ہے تو اللہ کا دین نہیں ہے، نفاذ شریعت محمدیؐ نہیں ہے۔ لوگ خوش ہیں کہ سعودیہ میں حدود نافذ ہیں، چور کے ہاتھ کٹتے ہیں اور قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ چور تو آل سعود ہیں جنہوں نے دین اللہ وہاں چوری کر لیا ہے۔ چور تو وہ جعلی مشائخ جبہ و دستار ہیں جو رپورٹل سلیٹی میں حجر اسود دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ کیسا ظلم کا نظام ہے کہ جو ایک بھوکے برمی اور بھوکے حبشی کو چند ریالوں کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے اور اللہ کے دین کے دشمن چوروں کی گردنیں نہیں کاٹتا۔ یہ شریعت محمدیؐ نہیں شریعت سعودیہ ہے، جس کا ماخذ و مصدر و شگفتن اور ریاض کے ہوائے نفس پر قائم محلات ہیں۔

چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن ہمارے بعض حضرات نے حرم مکی میں بیس سے دس رکعت تراویح کا مسئلہ دیکھا اور اس پر اظہارِ تشویش بھی کیا لیکن اس حرم اور ابھی ہونے والے حج پر مقرر کیے اماموں کا دین نہیں دیکھا۔ ہم کیسی بحثوں میں الجھے رہے اور حرم لتا رہا۔ اقبال نے کہا تھا:

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے!

شریعت معطل رہی، بلکہ شریعت کی جگہ کفر نافذ رہا۔ نیتن یاہو اور اس کے یہودی حرمین کی سر زمین پر دندناتے رہے۔ جو بائبڈن کے استقبال میں آل سعود کی بیٹیاں برہنہ ٹانگیں لیے اھلاً و سھلاً مہربا کی صدائیں بلند کرتی رہیں اور اہل صلیب کے سرغنے بائبڈن کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتی رہیں۔ مشرقی ترکستان کی بیٹیوں کو مکہ و مدینہ سے پکڑ پکڑ کر ظالم چین کے حوالے کیا جاتا رہا۔ کعبۃ اللہ کے گرد ہر گزرتے دن کے ساتھ صلیبیوں اور صہیونیوں کا گھیراؤ ہو رہا۔

عجب اک تصور امیر حرم نے، بتوں سے عداوت کا کل شب دیا ہے
کہ خود بت کدے میں چراغاں ہے کل سے، حرم کی فضاؤں میں لیکن دھواں ہے

اردگان اور اس قسم کی 'اسلامی' پارٹیوں کی سیاست

زمانے سے ہمارے لوگ اردگان کو ایک اسلامی لیڈر جانتے ہیں۔ رات میں کھلے عام شراب پینے پر پابندی، آیا صوفیا کی بطور مسجد بحالی، چند سکارف والیوں کی حکومتی ایوانوں میں آمد وغیرہ ایسے اقدامات ہیں جن کے سبب اردگان کو امت مسلمہ کا لیڈر کہا جاتا ہے۔ انہی اقدامات میں اسرائیل کے ساتھ نسبتاً درشت تعلق اور جہادِ شام میں شامی مجاہدین اور مہاجرین کو پناہ دینا بھی شامل ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ سب اقتدار کی سیاست اور اقتصادیات کا کھیل ہے۔ ایک گھناؤنا کھیل جس میں امت مسلمہ، امت مسلمہ کے مفادات، اسلامی تحریکات اور جہاد فی سبیل اللہ کی کوئی حیثیت ہے تو بس خطرِ خنج کی بساط پر پڑے پیادوں کی سی جنہیں کہیں بھی، کبھی بھی جھوٹا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی سیاست ہے جس کا مقصد دین اللہ کے شعائر کو استعمال کرنا تو ہے، لیکن دین اللہ اور اس کے شعائر کا نفاذ نہیں۔ اللہ کے دین کے نفاذ میں بے شک مراحل ہیں، لیکن ایسے بھی کیا مراحل اور ایسی بھی کیا حکمتیں کہ اللہ کی شریعت کے بہت سے اساسی احکام پاؤں تلے دو دہائیوں سے زیادہ تک روندے جاتے رہیں اور اسلام کا عملی نفاذ نہ ظاہر میں نظر آئے اور نہ ہی باطن میں؟

شیخ ڈاکٹر عبد اللہ نفیسی ایک کویتی مفکر ہیں۔ شیخ عبد اللہ نفیسی اپنے ایک انٹرویو میں طیب اردگان سے اپنی ایک ملاقات کا حال سناتے ہیں کہ وہ استنبول میں اردگان کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ استنبول کی گلیاں اور سڑکیں ساری دنیا جانتی ہے کہ برہنگی کی بدترین شکل ہیں۔ شیخ

نفیسی نے اردگان سے کہا کہ اس فحاشی و عریانی کے سدباب کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں (آخر کو آپ ایک اسلامی پارٹی سے وابستہ ہیں اور اقتدار میں بھی ہیں)؟ اردگان نے جواب دیا کچھ بھی نہیں!۔ شیخ نفیسی کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر وہ حیرت سے سُن ہو گئے اور انہوں نے پوچھا کیوں؟ جواباً اردگان نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو مکہ میں ایسے گھر موجود تھے جن پر جھنڈے نصب تھے اور معلوم تھا کہ یہ قحبہ خانہ ہیں۔ لیکن آپ علیہ السلام نے ان کی طرف توجہ نہ کی بلکہ توحید کی دعوت اور بتوں کو گرانے اور دیگر چیزوں کے انہدام کی طرف توجہ دی۔ ہمارے سامنے بھی زیادہ بڑے مسائل ہیں، فوج کی اصلاح، عدل و انصاف کی فراہمی اور اقتصاد۔

بلاشبہ اگر ایک اسلامی جماعت اقتدار میں آتی ہے تو اس کا سامنا بڑے چیلنجز سے ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ اسلام کا مقصد اقتدار کیا ہے؟ کیا لا دین فوج کی اصلاح، عدل و انصاف کی فراہمی اور اقتصاد کی ترقی اسلام کے اہداف محض ہیں؟ نہایت مختصر الفاظ میں اسلام کا عالی شان ہدف تو اتباعِ شریعتِ مطہرہ ہے، اقتدار بھی اپنی اسلامی پارٹی کے اقتدار میں رہنے کی خاطر نہیں بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر ہے۔ علمائے امت نے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ دنیوی نعمتوں اور معاملات کو اللہ جل شانہ نے اتباعِ شریعت سے جوڑ رکھا ہے۔ جس قدر اتباعِ شریعت ہو گا اسی قدر عدل و انصاف، امن و خوشحالی اور معیشت و اقتصاد مضبوط ہو گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ٥٠ (سورة الاعراف: ٩٦)

”اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انھوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لیے ان کی مسلسل بد عملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔“

پس اللہ نے تو زمین و آسمان کی نعمتوں کو ایمان اور اپنی خشیت سے جوڑ دیا ہے۔ پھر اگر پالیسیاں دنیا کے بہترین دماغ ہی کیوں نہ بناتے ہوں لیکن اعمال بد ہوں تو اس کی پاداش میں اللہ پکڑ لیتے ہیں، آخرت کی پکڑ تو ہے ہی ہے، دنیا میں بھی اچھی پالیسیوں کے برے نتائج کی صورت پکڑ خداوندی ظاہر ہوتی ہے۔

اور جو پہلی بات طیب اردگان نے سیرت سے مثال کے طور پر بیان کی تو یہاں یہ نقطہ بھی سمجھنے کا ہے کہ شاید جناب اردگان اور ان کے ہم نوا ابھی مکی دور ہی میں گرفتار ہیں۔ عجیب بات ہے کہ پورے ملک میں قوت و شوکت ہونے کے باوجود یہ لوگ مدینہ طیبہ جہاں اسلام اولاً اور کاملاً

نافذ ہوا کی کوئی مثال دینے سے کیوں قاصر ہیں؟ کیا مدینہ میں، جہاں جدید فکر والے حضرات کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم head of state تھے، میں بھی قحبہ خانے اور جھنڈوں والے گھر موجود تھے؟ کیا وہاں حرمت شراب کے حکم کے بعد دن میں شراب حلال اور رات کو حرام ہو جایا کرتی تھی؟ کیا عورتیں مدینے کی گلیوں میں بے حجاب نہیں بے لباس گھومتی تھیں؟ کیا مدینے کا نظام اقتصاد سود پر مبنی تھا؟ نفاذ شریعت میں مراحل اور مدارج کی بحث کو مانتے ہوئے عرض ہے کہ کیا مدینہ کے بعد اسلام جس جس شہر میں پہنچا تو کیا وہاں قحبہ گری، سودی لین دین، شراب فروشی و نوشی وغیرہ کو تدریجاً چند سالوں میں بند کیا گیا یا ضد شریعت معاملات کو فیصلہ قطعی کر کے اسی لمحے روک دیا گیا؟

اردگان اور ان جیسوں کی فکر کی اصلاح تو خدا جانے کب ہو، لیکن اردگان کو اسلامی لیڈر جاننے والوں کے سامنے اردگان کے حال ہی میں دو اہم فیصلوں کے متعلق چند امور پیش کرنا ضروری ہے۔ اردگان نے اگست ۲۰۲۲ء کے وسط میں پہلا فیصلہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بحالی کا کیا اور دوسرا فیصلہ شام میں بشار الاسد کے ساتھ تعلقات کی بحالی اور شامی مہاجرین کو دوبارہ شامی قصاب بشار کے علاقے میں بھیجنے کا۔

پہلے یہ جاننا اچھا ہے کہ ترکی نے اسرائیل سے تعلق کیوں توڑا تھا اور شام میں ترکی کا مفاد کیا تھا۔ اسرائیل سے ترکی نے تعلقات تب توڑے تھے جب بیت المقدس کو ٹرمپ نے اسرائیلی دار الحکومت قرار دیا تھا، اور فلسطین میں ہونے والے مظاہرات میں ساٹھ سے زائد فلسطینی اسرائیلی فائرنگ سے شہید کیے گئے تھے۔ شام میں ترکی ترویجاتی گہرائی کے نظریے کے تحت اور خطے میں برتری کی خاطر، بشار الاسد کی جگہ کسی ترکی نواز حکمران کی تنصیب کی خاطر، نیز شامی جہادی کل کلاں شام سے بڑھ کر ترکی سے بھی دو دو ہاتھ نہ کریں، ان کی روک تھام کی خاطر ترکی شامی سیاست میں اترا تھا۔

یہ فیصلے کیوں کیے گئے، برطانوی جریدے ’دی گارڈین‘ اور امریکی تھنک ٹینک ’کونسل فار فارن ریلیشنز‘ کے تجزیات (راقم کے اضافوں کے ہمراہ) کے مطابق:

- ۲۰۲۳ء کے وسط میں ترکی میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کے لیے اردگان کو عوام کے سامنے اچھی کارکردگی کے ساتھ جانا ہے اور اقتصادی صورت حال اور مہاجرین کا ترکی سے اخراج، ترکی کی عوامی سیاست کے اہم مسائل ہیں۔

- ترکی کو توقع ہے کہ اسرائیل سے تعلقات کی بحالی کے نتیجے میں واشنگٹن میں موجود اسرائیل حامی اور اسرائیلی لابی کے ادارے امریکہ کی جانب سے ترکی کو ایف

سولہ طیارے خریدنے اور دیگر درآمدات میں معاون ثابت ہوں گے، جیسا کہ ترکی و اسرائیل کے ماضی میں تعلقات کے نتیجے توڑے کی دہائی میں ہوا۔ نتیجتاً اقتصاد بہتر ہو گا۔

- اسرائیل سے قطع تعلقی کے سبب اسرائیلی سیاحوں نے استنبول کی تفریح گاہوں اور ساحلوں کے بجائے اپنا سیاحتی اڈا قبرص اور یونان کو بنالیا۔ اس سے اقتصادی نقصان بھی ہوا اور سفارتی و سیاسی بھی۔ اس قطع تعلقی کے دوران قبرص اور یونان سے اسرائیل کے سٹریٹیجک اور دفاعی تعلقات میں بہتری آئی ہے اور قبرص سے ترکی کی پرانی خاصیت ہے۔

- اسرائیلی ساحلوں پر سال ۲۰۱۰ء میں قدرتی گیس کے ذخائر کی دریافت ہوئی اور اس گیس کو اسرائیل یورپ کو بیچنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اقتصادی حوالے سے بہترین راہداری ترکی ہو سکتا ہے اور دونوں ممالک ہی اس کے نتیجے میں اقتصادی فائدے کے منتفی ہیں۔

ترکی کی سیاست کا مقصد وہی ہے جو اس ’خیال‘ کی اولین سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ مسئلہ فلسطین آج بھی ویسا ہی ہے۔ ہر چند ہفتوں بعد فلسطینی مسلمانوں پر بمباریاں کی جاتی ہیں۔ اور اردگان کی محض فلسطینی مسلمانوں اور امت مسلمہ سے نہیں بلکہ اسلام سے خیانت اس کا راض فلسطین کو تقسیم کر کے ’دور یاستی حل‘ کا وکیل و حامی ہونا ہے۔ نیز اردگان کے اسرائیل سے حالیہ تعلقات کی بحالی کے سبب اسرائیل کو توقع ہے کہ فلسطینی مزاحمتی و جہادی تنظیم ’حماس‘ پر ترکی کی جانب سے دباؤ ڈالا جائے گا، حماس اس وقت پچھلے تقریباً دس سال سے استنبول سے فعالیت کر رہی ہے۔

اردگان اور اس قسم کی اسلامی پارٹیاں جس رفتار سے انہی باطل نظاموں میں رہتے ہوئے شریعت لارہی ہیں اور جس طرح اسلام پر عامل ہیں تو اس پر مولانا امیر محمد (المعرف مولانا بکلی گھر^۱) رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان کردہ قصہ یاد آگیا۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ’ضیاء الحق نے مجھے کہا کہ ”مولانا! میں پاکستان میں نفاذ شریعت (والا) قانون لارہا ہوں“۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ یہ کس قسم کی شریعت تم لارہے ہو (کس رفتار سے لارہے ہو)؟ اگر شریعت کراچی سے رکشے میں بیٹھ کر روانہ ہوئی ہوتی تو بھی اب تک پشاور پہنچ چکی ہوتی!!“۔

جھوٹ کے سرچیرہ نہیں ہوتے؛ کابل کی چودہ سالہ لڑکی کی جھوٹی کہانی

شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار، متحدہ عرب امارات کے میڈیا ادارے ’دی نیشنل‘ نے چند ہفتے قبل کابل میں بستی ایک چودہ سالہ لڑکی پر ایک ویڈیو رپورٹ بنا کر نشر کی۔ اہل صدق و امانت

^۱ حضرت مولانا امیر محمد صاحب، بکلی گھر نامی علاقے کی مسجد کے امام و خطیب تھے، اس علاقے کی نسبت سے آپ کا نام ’مولانا بکلی گھر‘ مشہور ہو گیا۔

میں سے کئی لوگوں نے اس ویڈیو پر جوابی تبصرے لکھے اور نشر کیے۔ دشمن کے اس پروپیگنڈے کے رد کے لیے راقم نے بھی اپنا تھوڑا سا حصہ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ واما علینا لا البلاغ!

- رپورٹ کے مطابق ہدیٰ نامی یہ بچی کابل کی ایک معروف گائیکا لو جسٹ ڈاکٹر نجم السماء شفا جو کی بیٹی ہے۔ اس بچی نے اپنی ساری زندگی کابل میں امریکی سائے کے تحت قائم کھ پتلی اور کرپٹ حکومت کے تحت گزاری ہے۔
- یہ بچی اس رپورٹ میں امریکی لہجے کے قریب قریب انداز میں انگریزی بول رہی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ طالبان کے 'قبضے' کے بعد سے یہ سکول جانے سے قاصر ہے۔ افغانستان میں موجود اپنے ایک دوست کی معلومات کے مطابق راقم جانتا ہے کہ افغانستان میں سرکاری سکول تو لڑکیوں کے لیے بوجہ قریباً ایک سال سے بند ہیں لیکن نجی سکول اب بھی کھلے ہیں۔ فتح کابل سے پیش تر چند سال قبل جہاد افغانستان کے فریضے کی ادائیگی کے لیے، افغانستان میں اپنے قیام کے دوران راقم کو ذاتی طور پر افغانستان کے کئی صوبے، شہر اور قصبے دیکھنے کا موقع ملا اور افغانستان کے سرکاری ہی نہیں نجی سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور ان میں زیر تعلیم طلباء کو دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ افغانستان کے سرکاری تعلیمی اداروں میں انگریزی پڑھنے پڑھانے اور بولنے کا معیار (حالانکہ اصلاً انگریزی نہ دنیوی معیار ہے نہ اخروی) ویسا ہی ہے جیسا کہ پاکستان کے اردو میڈیم اداروں میں ہے۔ بلکہ افغانستان کے اعلیٰ سرکاری تعلیمی اداروں میں انگریزی ہی کیا دیگر علوم و فنون کا معیار پاکستان کے اوسط درجے کے سمجھے جانے والے اداروں سے بھی کم ہے۔ اتنی لمبی بات کا مقصد یہ ہے کہ یہ بچی جو امریکی لہجے کے قریب قریب انگریزی بولنا بلا جھجک جانتی ہے کو میڈیا اور اس کے ماں باپ نے کیا استعمال (بمعنی استحصال) کیا ہے کہ یہ بچی یقیناً کابل کے مہنگے ترین اور اعلیٰ ترین امریکی یا غربی نظام تعلیم سے وابستہ کسی ادارے میں پڑھتی رہی ہے اور کہتی ہے کہ چونکہ سکول بند ہیں لہذا میں تعلیم جاری نہیں رکھ سکتی، حالانکہ ایسے ادارے کھلے ہیں؟!
- کہتی ہے کہ طالبان کے 'قبضے' کے بعد سے وہ باہر گھوم نہیں سکتی۔ حالانکہ ویڈیو رپورٹ کے بیشتر مناظر میں یہ بچی کابل کی شاہراہوں، سڑکوں، بوبلیک، آئس کریم پارلر، ریسٹوران وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔
- بلٹ پروف گاڑی میں بیٹھ کر کابل کی سڑکوں پر گھومتے ہوئے کہتی ہے کہ اسے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ طالبان کہتے ہیں کہ باہر جاتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی محرم ہونا چاہیے۔ حالانکہ پچھلے نقطے میں بیان کردہ تمام ہی جگہوں پر یہ لڑکی گھوم رہی ہے (گویا اجازت ہے تو گھوم رہی ہے ناں) اور وہ بھی بنا محرم کے، کہ محرم اس ویڈیو میں کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ یہاں دو نقاط مزید ہیں:

○ پہلا یہ کہ محرم کا حکم طالبان نے خود ایجاد نہیں کیا، یہ اللہ کی شریعت کا حکم ہے۔ اب اس لڑکی کو پٹیاں پڑھانے والوں میں یہ تو کہنے کی جرأت نہیں ہے کہ اللہ نے ہم پر (نعوذ باللہ) یہ محرم کے ساتھ سفر کی مشکل ڈالی ہے، لہذا برا بھلا طالبان کو کہتے ہیں۔

○ دوسری بات یہ کہ جس اللہ کی شریعت کا محرم کے ساتھ سفر کرنے کا حکم طالبان نے نافذ کیا ہے، اسی حکم کی تشریح فقہاء کے اقوال کے مطابق طالبان نے بیان بھی کی ہے کہ اگر تقریباً ستر کلو میٹر سے زیادہ کا سفر ہو تب محرم کی ضرورت ہے۔ بلکہ طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد صاحب نے محرم محرم کی رٹ لگائے سوالوں سے ایک بار جھنجھلا کر یہ بھی کہا کہ اپنے شہر یا علاقے کے اندر رہتے ہوئے، ضروری کاموں کے لیے یہ محرم کے ساتھ ہونے نہ ہونے کی بحث نجانے کہاں سے آگئی ہے؟

• کہتی ہے کہ طالبان اس عورت پر پتھر پھینکا کرتے تھے جو حجاب نہیں اوڑھتی تھی اور میں اس سے بہت ڈرتی ہوں۔ آج کل کے طالبان تو سمارٹ فونوں اور سوشل میڈیا کا بھی خوب استعمال کرتے ہیں، یقیناً انہوں نے یہ ویڈیو دیکھی ہوگی۔ سو یہ لڑکی یہ ویڈیو بنواتے اور اس ویڈیو میں بے حجاب ہوتے ہوئے کیوں نہیں ڈری؟ اور ایسا واقعہ کب ہوا ہے کہ طالبان نے ایسی کسی عورت پر پتھر پھینکے ہوں جو بے حجاب گھومتی ہو۔ پھر یہ کہ بچی بھی آدھا سر اور آدھا منہ کھول کر باہر گھوم رہی تھی اور اس بچی کی ماں بھی ویڈیو میں منہ کھول کر بغیر عباہے وغیرہ کے نظر آتی ہے، ان کو کیوں کسی نے پتھر نہیں مارے؟

اس بچی کو تو اس کے ماں باپ اور میڈیا نے استعمال کیا ہے، لیکن اس میڈیا ادارے کے عہدیداروں کو سوچنا چاہیے کہ انہوں نے کس قسم کے لوگوں کو رپورٹر رکھا ہوا ہے جنہیں جھوٹ بھی صحیح سے بولنا نہیں آتا۔ یہ لوگ بس مغربی اداروں کا نمک کھا رہے ہیں اور اس کو حلال نہیں کر رہے۔

اسی کے ساتھ چند اور لوگوں کی منافقت بھی مجھے یاد آگئی۔ کسی افغان عورت نے ایک بار ٹوئٹر پر لکھا کہ وہ افغانستان چھوڑ کر یورپ یا امریکہ محض اس وجہ سے جانا چاہتی ہے کہ افغانستان میں وہ اپنی بچیوں کو تعلیم نہیں دلا سکتی۔ تبصروں میں ایک اور عورت نے لکھا کہ بالکل اسی علت کے سبب اس کی بہن افغانستان چھوڑ کر جا چکی ہے۔ جیسا کہ پہلے راقم لکھ آیا ہے کہ افغانستان میں بالغ لڑکیوں کے لیے صرف سرکاری سکول بوجہ بند ہیں، نجی سکول تو کھلے ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ نجی تعلیمی اداروں کی فیس زیادہ ہوگی یا یورپ جانے کا خرچہ؟

☆☆☆☆☆

تمام مسائل کا حل ”وحدتِ امت“ میں ہے!

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ

دارالعلوم دیوبند کی پڑھ سوسالہ خدمات کی یاد میں منعقد اجتماع عام کے شرکاء کو امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کا پیغام (ماخوذ از عمر ثالث بحوالہ جملہ قدرہارچودھواں شمارہ)

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على قائد المجاهدين و على آله
وصحبه أجمعين!

محترم علمائے کرام، اس مبارک اجتماع کے شرکاء اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امت محمدیؐ جس طرح کے حساس اور خوف پھیلانے والے شرائط و حالات سے گزر رہی ہے، اس کے اندر اس طرز کے بڑے اجتماعات کا انعقاد نا صرف ایک فائدہ مند اور قیمتی اقدام ہے، بلکہ مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اپنے مسائل و مشکلات پر گفتگو کریں۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کے منصوبین حضرات کو اس بڑی کامیابی پر اجر دے۔

حالیہ حالات ہمیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو درپیش موجودہ مسائل کے حل کے لیے اس طرز کے عالمی اجلاس منعقد کیے جائیں۔ دارالعلوم دیوبند کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔

برصغیر میں کئی رکاوٹوں اور بندشوں کے باوجود دارالعلوم دیوبند کی برکت سے احیائے علوم دین اور اسلامی اقدار باقی ہیں اور دارالعلوم دیوبند نے عالم اسلام کو ایسی قیمتی اور عظیم شخصیات پیش کی ہیں جن کے علمی، اصلاحی اور دعوتی کارنامے نہیں بھلائے جاسکتے۔

اجلاس میں شریک میرے مسلمان بھائیو!

عالم کفر کے حملوں اور مسلمانوں کے ساتھ تکبر بھرا رویہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور دنیا کے ہر حصے میں مسلمانوں کے ساتھ بغض بھرا رویہ رکھا گیا ہے۔ عالم کفر برائے نام اقوام متحدہ کے ادارے کو اپنے اہداف و مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے، اس ادارے نے جب بھی مسلمانوں کے مفاد میں کوئی فیصلہ کیا ہے وہ سالوں تک صرف کاغذوں میں ہی رہا ہے اور عمل کی دنیا میں ظاہر نہیں ہوا، لیکن جن مسائل سے ان (عالم کفر) کے اپنے مفادات وابستہ ہوں وہ بہت جلد عملی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت دوسروں کے زیر سایہ ہے اور تقریباً نیچے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی جغرافیائی حیثیت اقتصادی نگاہ سے

بہت اچھی ہے اور خام مواد کے بے شمار وسائل رکھتی ہے لیکن اس سب کے باوجود دنیا میں ان کی اتنی کم حیثیت ہے جس کی وجہ سے ان کے مسائل حل نہیں ہو پاتے۔

عالم کفر کے اہداف اور مقاصد سب پر عیاں ہیں۔ ان کو دنیا میں اپنا حریف اسلامی نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، اس لیے وہ افغانستان کے اندر اسلامی نظام کو کسی بھی صورت برداشت نہیں کر سکتے اور امارت اسلامیہ جو ملک کے ۹۵ فیصد حصے پر حاکم ہے اس کو حکومت کے بجائے ایک گروپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

افغان مجاہد عوام کی قوت و ہمت سے سوویت یونین کو شکست ہوئی، وہ سوویت یونین جو امریکہ اور عالم مغرب کی سرحدات تک پہنچ گیا تھا۔ وہ سوویت یونین جس نے ویتنام میں امریکہ کو شرمناک شکست سے دوچار کیا تھا۔ جس نے وسطی ایشیا کو ہضم کر لیا تھا اور جس کے گرم پانی تک پہنچنے میں ایک قدم زمین باقی تھی۔ آج کی اصطلاح میں ان دنوں ترقی یافتہ امریکہ کا وجود متزلزل تھا، شکست کی کڑواہٹ سے اس کا حلق کڑوا تھا اور وہ زبوں حال بیٹھا تھا۔

لیکن اس بے بس عوام نے اپنے قوی ایمان کی برکت سے کمیونیزم کے گھٹے ٹکا دیے اور شکست نہ ماننے والی سوویت یونین کو دنیا کے نقشے سے ہٹا دیا اور پوری دنیا کو اس سے نجات دلادی۔

اسلام اور کمیونیزم کی لڑائی میں ہمارا ملک داخل ہو گیا اور کئی بھاری مشکلات اور سختیوں سے گزرنے کے بعد ہماری مظلوم عوام نے اپنی سر زمین پر اپنے پسندیدہ اسلامی نظام کو نافذ کر دیا۔ لیکن اس بے انصاف اور بے وفاداری نے ہمارے کارناموں کو عموماً سمجھا اور اب یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے اس منفرد مقصد سے بھی کنارہ کش کر دیں۔

وہ اس جہاد پروردہ افغانستان میں اسلامی حکومت کو کسی بھی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اقوام متحدہ کی صورت میں افغانستان پر ظالمانہ پابندیاں لگا کر ہمیں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عالم کفر انتہائی کبر و غرور کے ساتھ امارت اسلامیہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ امارت اسلامیہ کے ساتھ

ان کے تمام اختلافات کسی دلیل کے مطابق بھی جائز نہیں ہیں۔ دلیل اور منطقی دنیا کے دعویدار برائے نام اصول و ضوابط پر چلنے والے صرف زور زبردستی کے گھوڑے پر سوار ہیں۔

ہم پوری دنیا کے ساتھ باہمی تعاون اور عالم اسلام کے ساتھ اخوت و بھائی چارگی کی فضا میں تعلقات کے خواہاں ہیں اور ہم نے ہر کسی کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا ہے۔

ہمارے ملک میں کچھ عرصہ کے لیے اسی عالمی استعمار کے سبب گھریلو لڑائیوں اور بھائیوں کے قتل کی آگ بھڑک اٹھی تھی، یہاں وہ واقعات پیش آئے تھے جس نے ہمارے ملک کی خود مختاری کو خطرے میں ڈالا تھا۔ یہاں بلاوجہ اور بے بنیاد لڑائیاں جاری تھیں، لیکن یہی امریکہ اور مغربی دنیا جس نے آج افغانستان میں جنگ کے خاتمے اور افغانوں کے انسانی حقوق کی حفاظت کا جھوٹا نعرہ بلند کیا ہے، مسلمان بہتر جانتے ہیں کہ یہ صرف منہ کی باتیں ہیں، یہی تو تھے جنہوں نے افغانستان کے سخت دنوں میں اپنے آپ کو گونگا بنالیا تھا۔

لیکن جب آج ہم نے اسلام کو واقعی اور اصلی شکل میں اختیار کر کے اسلامی نظام کو نافذ کیا، امن و امان قائم کیا اور بھائیوں کے قتل عام کو روکا، صلح لانے کے لیے اپنا مبارک خون بہایا اور اس ملک میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جس سے پورے عوام خوش ہیں اور اس نظام سے محبت اور ہمدردی رکھتے ہیں، تو عالم کفر کبھی اس کو تشدد اسلام اور کبھی طالبان کی تعبیر کردہ اسلام کے عنوانات سے بدنام کرنے کے لیے مختلف قسم کے پروپیگنڈے کر رہا ہے۔

ہم یہ بات دعوے کے ساتھ کرتے ہیں کہ امارت اسلامی افغانستان لوگوں کی پسندیدہ حکومت ہے، اور ہمارے اس دعوے کی حقیقت کے لیے منشیات پر پابندی جس کی روک تھام کے لیے پوری دنیا ورطہ حیرت میں پڑی تھی اور شکایت کرتی تھی، ایک بڑی دلیل ہے۔ باوجود اس کے کہ ہمارے ملک کے زیادہ تر بزرگوں کے لیے پوست کی کاشت ہی اس جنگ زدہ ملک میں سرمائے کا ذریعہ تھا لیکن جب امارت اسلامیہ نے اس کی کاشت پر پابندی لگا دی، تو سب نے یک زبان ہو کر ہماری بات مان لی۔ دنیا والوں نے بجائے اس کے کہ ہمارے اس اقدام کو سراہتے اور اس کے بدلے ان بزرگوں کے ساتھ تعاون کرتے، اپنے زہر آلود پروپیگنڈوں کو مزید تیز کر دیا۔

ملک میں ہمارے اوامر اور احکامات کو انتہائی تیزی کے ساتھ مانا جاتا ہے اور ہمارے نظام کی ہر بات کو ہماری عوام لبیک کہتے ہیں، لیکن جو راہ سے بٹے ہوئے اور مغرب زدہ افغان ہماری

مخالفت کرتے ہیں وہ ایک یا دو فیصد بھی نہیں ہیں لیکن ان کی آواز اور پروپیگنڈہ اس لیے زیادہ بلند اور تیز ہے کیونکہ وہ اسی مغربی دنیا کی گود میں بیٹھے ہیں، مغرب اور امریکہ نے ان کے لیے اپنا میڈیا وقف کر دیا ہے۔

ہم نے اپنی عوام کے لیے اسی نظام کو اختیار کیا ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا اساسی قانون قرآنی اصول ہیں اور یہی اصول مومنین کی ایمانیات ہیں۔ امارت اسلامیہ نے ملک و قوم کی صلح کے لیے کافی خون بہایا ہے اور دنیا کے ساتھ تعلقات کی مضبوطی کے لیے ہر ممکن راستہ اختیار کیا ہے۔ ہم بابتگ دہل کہتے ہیں کہ ہم ہر گز اسلامی اصولوں کو پاؤں تلے نہیں روندیں گے اور قرآنی احکام پر کسی کے ساتھ بھی سودا بازی نہیں کریں گے۔

ہماری مظلوم عوام کو روسی حملہ آروں نے کافی ستایا ہے۔ انسان خور کمیونزم نے ہمارے ملک کو کھنڈروں میں تبدیل کیا ہے، ہمارا ملک ویران اور کھنڈر بنا ہوا ہے۔ ہماری عوام کو بیس سالہ جنگ نے متاثر کیا ہے۔ ہمارے ملک کے مظلوم عوام کو بہت زیادہ اقتصادی مسائل کا سامنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ یہ لڑائیاں ختم کر دے تاکہ ہم اس ملک کو دوبارہ آباد کر کے اپنے مظلوم عوام کے لیے ان کے کھنڈر گھروں کو دوبارہ آباد کر دیں۔

ہم سب سے زیادہ صلح کے خواہاں ہیں کیونکہ عالمی استعمار کی دہشت گردی نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔ عالمی کفری افواج ہمیں اپنے ہم وطنوں کی خدمت کے لیے نہیں چھوڑتیں۔ ہمیں اس کے لیے فارغ نہیں چھوڑا کہ ہم اپنے یتیموں کے آنسوؤں کو پونچھیں۔ ہمیں اس کے لیے نہیں چھوڑا کہ ہم اپنی بیواؤں اور مساکین کے سر چھپانے کی جگہ بنائیں۔ ہم اسلامی نظام، آزادی اور حریت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت اور آزادی کی خاطر ہم اپنے سر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن عالم کفر چاہتا ہے کہ ہم اپنے اس ہدف سے پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ اپنی اس دشمنی اور بے رحمانہ منصوبوں کے ذریعے چاہتے ہیں کہ ہمارے سروں سے آزادی کی فکر نکال دیں۔ لہذا ہم اصطلاحاً کہہ سکتے ہیں کہ وقت کے سپر پاور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں اور مختلف بہانے بنا کر ہمارے اوپر پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

یہ (یہ کفار) دہشت گردی کے نام پر اور انسانی حقوق کا خیال نہ رکھنے والے بوسیدہ نعروں کے ذریعے صرف ہم نہیں بلکہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو تکلیف دے رہے ہیں اور انہیں رسوا کر رہے ہیں۔ کل تک یہ برائے نام سپر پاور کہلانے والے ممالک دنیا میں کمزور و ضعیف لوگوں کو نشانہ بنا رہے تھے، ان کے ممالک پر حملہ آور ہوئے، کل تک سوویت یونین کئی ممالک پر قابض تھا۔

ہم نے اپنی عوام کے لیے اسی نظام کو اختیار کیا ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا اساسی قانون قرآنی اصول ہیں اور یہی اصول مومنین کی ایمانیات ہیں۔ امارت اسلامیہ نے ملک و قوم کی صلح کے لیے کافی خون بہایا ہے اور دنیا کے ساتھ تعلقات کی مضبوطی کے لیے ہر ممکن راستہ اختیار کیا ہے۔ ہم بابتگ دہل کہتے ہیں کہ ہم ہر گز اسلامی اصولوں کو پاؤں تلے نہیں روندیں گے اور قرآنی احکام پر کسی کے ساتھ بھی سودا بازی نہیں کریں گے۔

ہمیں اس کے لیے فارغ نہیں چھوڑا کہ ہم اپنے یتیموں کے آنسوؤں کو پونچھیں۔ ہمیں اس کے لیے نہیں چھوڑا کہ ہم اپنی بیواؤں اور مساکین کے سر چھپانے کی جگہ بنائیں۔ ہم اسلامی نظام، آزادی اور حریت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت اور آزادی کی خاطر ہم اپنے سر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن عالم کفر چاہتا ہے کہ ہم اپنے اس ہدف سے پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ اپنی اس دشمنی اور بے رحمانہ منصوبوں کے ذریعے چاہتے ہیں کہ ہمارے سروں سے آزادی کی فکر نکال دیں۔ لہذا ہم اصطلاحاً کہہ سکتے ہیں کہ وقت کے سپر پاور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں اور مختلف بہانے بنا کر ہمارے اوپر پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

دنیا بھر میں مسلمانوں کی سربلندی کی امید کے ساتھ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی، خادم اسلام

ملا محمد عمر مجاہد

(ملا محمد عمر مجاہد)

☆☆☆☆☆

گیارہ ستمبر کے شہ سواروں کی مدحت میں.....

”میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کی کاٹ تیز دھار تلوار سے زیادہ تھی، سلام ہے ان پر جو مصائب کے سمندر میں جا کو دے اور دشمن پر قہر بن کر ٹوٹے۔ کہاں خواہشات کے پجاری یہ دنیا والے ور کہاں اپنے رب کے ہاتھ اپنی جانیں بیچ دینے والے یہ نوجوان؟! تلواریں ان کے سروں پر منڈلا رہی تھیں۔ مگر پھر بھی ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ یہ اپنے سینوں کو ڈھال بناتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ حالانکہ ان کو کوئی مجبور کرنے والا نہ تھا۔

جس وقت چہار سو تارکیاں چھا چکی تھیں اور درندے ہم پر جھپٹ رہے تھے۔ ہمارے گھروں سے خون کی ندیاں جاری تھیں اور باغی ہم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ میدان تلواروں کی چمک اور گھوڑوں کی ٹاپ سے خالی تھے۔ جب کہ مظلوموں کے لیے صرف اور سسکیاں تھیں۔ اور وہ بھی ڈھول باجوں کی آواز تلے دب چکی تھیں۔

ایسے میں یک دم وہ ایک تیز آندھی کی مانند اٹھے اور امریکیوں کے محلات کو زمین بوس کرتے ہوئے انہیں یہ پیغام دے چلے کہ ہم تم سے ہو نہی لکراتے رہیں گے۔ جب تک تم ہماری ایک ایک زمین سے نکل نہ بھاگو۔“

(سپہ سالار امت، شیخ اسامہ بن محمد بن لادن شہید علیہ السلام)

اور ابھی بھی یہ وسطی ایشیائی ممالک پر قابض ہے۔ کچھ عرصہ قبل برطانیہ نے دنیا بھر میں اپنی استعماریت کا جال بچھایا تھا اور برصغیر پر قابض ہو گیا تھا۔ آج امریکہ پوری دنیا پر قابض بننے کے منصوبے بنا رہا ہے اور ہمیں اپنے ممالک میں اپنی پسند کی حکومت بنانے نہیں دیتا، اور دنیا پر قابض ہونے کے چکر میں کہیں بھی عوام کو سکون سے رہنے نہیں دیتا اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے الگ راستے اپنائے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظام اور جہاد کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے یہ تمام متحد ہو گئے ہیں اور برائے نام اقوام متحدہ کے ادارے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

اسلامی ممالک کو اقوام متحدہ کے رکن بننے نے کیا فائدہ دیا ہے؟ ان کا کون سا مسئلہ اقوام متحدہ کے ذریعے حل ہوا ہے؟

تو مسلمان امت کی اس زبوں حالی کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ ان سخت حالات میں مسلمانوں کی وحدت اور ان کا متحد ہونا ضروری ہے اور اس بحران سے نکلنے کے لیے کون سا راستہ اپنانا چاہیے۔ مسلمانوں کے لیے اس طرح کے اجلاس اور اجتماعات بہت اہمیت کے حامل ہیں تاکہ اپنے مسائل، مشکلات اور تکالیف پر تبادلہ خیال کریں۔

آج جب صفحہ ہستی پر مسلمان ایک امت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنے اسلامی تشخص کو بچائیں اور اس بات کو سمجھیں کہ مسلمانوں کو کیوں سکون کی زندگی گزارنے کے لیے نہیں چھوڑا جا رہا۔ مسلمانوں نے کسی کے ملک پر قبضہ نہیں کیا ہے بلکہ یہ دوسری حکومتیں ہیں جو ان پر حملہ کر رہی ہیں۔ یہ جو جھگڑے اور لڑائیاں چل رہی ہیں یہ مسلمانوں کے ممالک میں ہو رہی ہیں۔ ہمارے ملک پر سوویت یونین نے قبضہ کیا، ہم اس کے پیچھے نہیں گئے بلکہ وہ ہمارے پیچھے آیا تھا۔ اسی طرح امریکہ نے بھی ہماری سر زمین کو کروڑ میزائل سے نشانہ بنایا۔ مسلمانانِ فلسطین کو بھی ان کے اپنے ملک میں تکالیف دی جا رہی ہیں اور یہودی ان علاقوں میں داخل ہوئے ہیں۔ چیچنیا اور کشمیر کا حال بھی اس سے مختلف نہیں اور پوری اسلامی دنیا میں یہی معاملہ چل رہا ہے۔

تو اس قسم کے حالات میں بدرجہ اتم مسلمانوں کو وحدت اور متحد ہونے کی ضرورت ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمان اپنے مابین لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ایک ملک میں جزوی اختلافات کی وجہ سے دسیوں اسلامی پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس تقسیم اور علیحدگیوں نے ہمارے اندر وحدتِ امت اور مسلمانوں کی مشکلات کے حل کی فکر کو مردہ کر دیا ہے، لہذا ایک جان دو قالب بننے کے لیے مضبوط اقدامات اٹھانے چاہیے۔

آخر میں ایک بار پھر امید کرتا ہوں کہ ہمارے مسلمان، مظلوم، اور محصور عوام جو عالمی بد معاشوں کی دھمکیوں کا سامنا کر رہے ہیں اور جن پر ایمان و اسلام کے جرم کی پاداش میں سختی کی جا رہی ہیں، انہیں اپنی دعاؤں میں نہ بھلایا جائے گا۔



امارت اسلامیہ افغانستان

دفتر مرکزی ترجمان

گورنروں کے اجلاس میں امیر المومنین کی ہدایات

آج بدھ ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۴۳ء کو قندھار میں امارت اسلامیہ کے زعمیم عالی قدر امیر المومنین شیخ القرآن والحديث مولوی ہبۃ اللہ اخوندزادہ حفظہ اللہ کی سربراہی میں گورنر اجلاس منعقد ہوا، یہ اجلاس صبح ۹:۰۰ بجے سے شام تک جاری رہا۔ اجلاس کا انعقاد قرآن عظیم الشان کی آیات مبارکہ کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد مشائخ کرام، جید علمائے کرام اور صوبائی گورنروں نے تقریریں کیں۔ اسلامی نظام کی اہمیت، اس کی حفاظت اور عوام کے جان و مال کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ اجلاس کے اختتام پر امیر المومنین شیخ صاحب نے گورنروں کی خدمت میں اہم نصیحتیں اور گزارشات کیں۔ گورنروں کو ان کے امور اور مسئولیت کی طرف توجہ دلائی۔ شیخ صاحب نے فرمایا:

”اسلامی نظام کا قیام عوام کی قربانیوں، تھکاوٹوں اور شہادتوں کی برکت سے وجود میں آیا ہے، اس راستے میں کئی علمائے کرام، طالبان عظام اور عام افغانوں نے قربانیاں دیں، آپ کو شش کیجیے کہ یہ قربانیاں ضائع نہ ہوں اور اسلامی نظام کی حفاظت کیجیے۔ دنیا کے دسیوں جنگجو ممالک کے ساتھ ہمارا جہاد مادیت اور کرسی حاصل کرنے کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ یہ مقابلہ عقیدے کی بنیاد پر تھا، ابھی تو بیس سال یہ جہاد جاری رہا؛ اگر یہ عرصہ چالیس سال بھی جاری رہتا تب بھی ہمارا ان کے خلاف جہاد جاری رہنا تھا اور اس کے نتیجے میں تمام حملہ آور دشمنوں کو شکست ہو جاتی اور وہ اس ملک سے سرخم کر کے نکلتے۔“

عالی قدر امیر المومنین حفظہ اللہ نے گورنر حضرات کو صوبائی امور کو مزید بہتر کرنے کی غرض سے درج ذیل نصائح کیے:

”بھائیو! ہم حاکم نہیں، بلکہ اس دین کے خادم ہیں، لوگوں کو شرعی احکام سے آگاہ کریں گے تاکہ اس کا نفاذ عمل میں آئے۔ امیر کو فرائض، واجبات اور حرام میں تصرف کا حق نہیں ہے، بلکہ صرف مباحات امیر کے امر سے واجب یا منع کرنے پر حرام ہو جاتے ہیں۔ ہم مکمل شریعت چاہتے ہیں، لہذا تمام مسئولین اپنے آپ کو شریعت سے مزین کریں، گزرے بیس سالوں میں اسلامی نظام اور شریعت کے خلاف بہت زیادہ پروپیگنڈے ہوئے اور اس کے مقابل جمہوریت کی طرف دعوت دی گئی، وہ قوانین جو لوگوں کے بنائے گئے ہیں قابل تطبیق نہیں ہیں، امارت اسلامیہ میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر مسئلے کا حل شریعت کے اندر ہے، تمام فیصلے شریعت پر کیجیے!

امارت اسلامیہ میں حاکم اللہ جل جلالہ کے احکام ہیں، عوام کے مطالبات اور ان کے مزاج کے مطابق فیصلے نہیں ہوں گے کیونکہ یہ جمہوریت نہیں ہے، لہذا اپنے امیر کے تمام فیصلوں کو جو شریعت کے مطابق ہوں اس کو عمل میں لائیے اور اعتراض سے احتراز کیجیے۔ امراء کی اہانت سے اپنے آپ کو بچائیے، کیونکہ جو شخص اپنے شرعی امام کی اہانت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اہانت کرے گا۔ عدالتوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کیجیے، اس کی ضروریات کو پورا کیجیے اور فیصلوں کی تطبیق میں ان کے ساتھ مدد کیجیے! تمام گورنر حضرات اپنے درمیان اچھے تعلقات رکھیں، ایک دوسرے کی مدد کیجیے اور اسی طرح اپنے تجارب کو ایک دوسرے کے ساتھ شریک کیجیے!

بیواؤں اور یتیموں کی مدد کیجیے، بھیک مانگنے والی عورتوں کا وظیفہ مقرر کیجیے تاکہ بھیک مانگنے کے محتاج نہ ہوں، اگر آپ کے پاس کسی کے ساتھ مدد کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو مجھے بتائیے تاکہ میں مدد کر سکوں۔ پچھلی حکومت کے یتیموں کی بھی مدد کیجیے، کیونکہ وہ بھی ہماری عوام کا حصہ ہیں اور اب آپ کی رعیت میں ہیں، ان کے سروں پر دستِ شفقت رکھیے! قومیت اور عصبیت کو ختم کیجیے!

علماء اور مساجد کے اماموں کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو اسلامی نظام کے فوائد و خیر خواہی سے آگاہ اور متوجہ کریں، تاکہ عوام کو علاقہ پرستی، زبان پرستی اور عصبیت سے نکال دیں۔ خواتین کو تمام شرعی حقوق دیجیے! حقوقِ نسواں کے بارے میں چھ نقاط پر مبنی جو فرمان صادر ہوا ہے^۱ اس کی مکمل طور پر تطبیق کیجیے!“

ذبح اللہ مجاہد

ترجمان امارت اسلامیہ افغانستان

۲۸ ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ

۲۷ جولائی ۲۰۲۲ء

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو اور دری زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ ’نوائے غزوہ ہند‘ نے کی ہے۔

^۱ مذکورہ فرمان کا اردو ترجمہ مجلہ ’نوائے غزوہ ہند‘ کے نومبر و دسمبر ۲۰۲۱ء (ج ۱۳ ش ۶) کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

ہم سے کردر گزر!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

رب کے ہاں سے ۱۰-۸ سال کی ملازمت کا پروانہ، گھر، خاندان، بیوی، بچے، نبوت، فرعون کی غرقابی، بنی اسرائیل کی نجات لے کر آئی۔

اخلاص اور مروت کو اتنا پھل لگتا ہے! ہماری تاریخ روح سیراب و شاداب کر دینے والی ہے جہاں سے کھول لیجیے! یہی کوہسار کنارے جوئے نغمہ خواں سیدنا عمرؓ بھی تھے۔ بیواؤں کے لیے کاندھے پر مشک رکھے پانی بھرتے، مجاہدین کی بیویوں کے لیے بازار سے سودا سلف لائے، پھر تھک کر مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹ جاتے۔

اسی طرح ایک دن شہر سے باہر تھک چکے تھے۔ غلام کو گدھے پر سوار دیکھا، ساتھ بٹھالینے کی درخواست کی۔ وہ فوراً اتر گیا اور گدھا پیش کیا۔ فرمایا: نہیں! تم سوار رہو، اور امیر المومنین اس طرح مدینہ میں داخل ہوئے کہ گدھے پر غلام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ (ہمارے ہاں افسران تک ڈرائیور کے ساتھ آگے بیٹھنا ہتک سمجھتے ہیں۔ گاڑی کا دروازہ خود کھولنے اور بریف کیس اپنا خود اٹھانے سے بھی معذور ہوتے ہیں!) سفر میں امیر المومنین کے لیے درخت کا سایہ شامیانہ ہوتا اور فرش خاک بستر! جبکہ رعایا کا یہ عالم کہ زکوٰۃ دینے نکلیں تو مستحق زکوٰۃ نہ ملے۔ معاذ بن جبلؓ یمن کے گورنر تھے۔ صوبے کے بجٹ سے بچی رقم مرکز کو دینے کو بھجوائی۔ سیدنا عمرؓ ناراض ہوئے واپس کر دی کہ وہیں فقر کو دو (مدینہ خوشحالی سے سیراب تھا!) جوابی خط آیا کہ میرے صوبے میں کوئی مستحق نہیں ہے!

اور امن کا یہ عالم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری پوری ہوئی کہ تنہا عورت حیرہ سے مکہ تک کا سفر کرے گی، ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا! آج ہمارے پورے ملک میں لوٹ مار، چوری ڈاکے کا بازار گرم ہے۔ بھری ٹرین میں، موٹر وے پر روشنیوں کے باوجود، کوچ کے سفر میں لٹی خواتین! روزانہ اغوا قتل ہوتے معصوم بچے! (ریاست مدینہ کی دعویٰ بھرے اتنے سال۔) اور یہ موازنہ بھی کر لیجیے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا، تو وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے، ماننے سے انکاری ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلوار کی دھمکی دی تو سر جھکا دیا۔ یہاں کرسیوں، ووٹوں، عدل انصاف کے گھن چکر، آپادھانی، کھینچا تانی، میوزیکل چیزز کا نقشہ اور وہاں منصب سے لرزاں و ترساں عمرؓ جیسا جری آدمی! سیدنا عمرؓ نے صرف باصلاحیت امرا و گورنر مقرر کرتے بلکہ حکام کی سخت نگرانی کرتے۔ ارشاد فرمایا: میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہیں کوڑوں سے پیٹیں یا تمہارا مال تم سے لے لیں، بلکہ اس لیے کہ وہ تمہارے مسائل عدل و انصاف کے ساتھ حل کریں اور مال تمہارے درمیان عدل...

(باقی صفحہ نمبر پر 87)

ملکی فضا کا انتشار و افتراق طبیعت کو مکدر کیے دے رہا تھا۔ نئے ہجری سال کی ابتدا اور شہادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرے لازم و ملزوم ہیں۔ رشد و ہدایت کا ایک مینار اور حق و باطل مابین کسوٹی! اگرچہ یہ شہادت سانحہ عظیم تھا اسلامی تاریخ کا، مگر یہ وہ ہستی ہے کہ جس کا تذکرہ ہی دلوں کو گرمادے، ولولہ تازہ سے بھر دے۔ یاس کی تاریکیاں چھٹ جائیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی شہادت پر فرمایا تھا: عمر! اللہ تم پر رحم فرمائے، تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا، جسے دیکھ کر مجھے یہ تمنا ہوتی کہ اس جیسا عمل کرتے ہوئے اللہ سے ملوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ یقین تھا کہ وہ آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ میرا یہ یقین اس وجہ سے تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: میں گیا اور ابو بکرؓ و عمرؓ گئے، میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے، میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ باہر آئے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرؓ کی شہادت کے وقت ان الفاظ میں تسلی انہیں دی تھی: آپ کی خلافت پر دو لوگوں کے مابین بھی اختلاف نہ تھا، ایسے اجماع کے ساتھ آپ نے خلافت سنبھالی تھی۔ اقبال کے یہ اشعار سیدنا عمرؓ کو کیا خوب چھتے ہیں: تنے پیدا کن از مشق غبارے، تنے محکم تر از سنگیں حصارے۔ درون اول دل درد آشنائے، چوں جوئے در کنارے کو ہسارے۔

(مشق خاک سے وہ وجود اٹھا جو پتھر کے حصار سے زیادہ مستحکم ہو۔ مگر جس کے اندر درد آشنا دھڑکتا دل یوں ہو جیسے کوہسار کے دامن میں بہتی ندی!) اہل ایمان کا حیران کن توازن جنگوں میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ کفار جہاں وحشی و درندے ہو جاتے ہیں۔ مومنانہ صفیں سورۃ الانفال سے، (جنگوں میں بھی) نماز سے للہیت اور خشوع پاتی ہیں۔ جسم، دل، کھال نرم پڑ جاتی، چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔ خدا خوفی ہر جا رہنما ہوتی ہے۔ (جس کا ہماری سیاسی جنگوں سے گزر بھی نہیں!) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ کی مثال حضرت موسیٰؑ سے دی تھی جنہوں نے کہا تھا: یا اللہ ان کے دلوں کو مہر کر دے کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔ اشداء علی الکفار میں یہ سختی اور رجاء بینہم میں بھی ضرب المثل۔

حضرت موسیٰؑ مدین میں دیکھیں تو تھکا ماندہ اجنبی مسافر، جوتے پھٹ چکے آبلہ پا، راستے میں درختوں کے پتے کھاتے ہونٹ کٹ گئے۔ اس حال میں بھی کنوئیں پر خواتین کی بے چارگی پر طبیعت کی نرمی، نیکی مدد کو لپکتی ہے۔ حالانکہ گرد و پیش مردوں کا ہنگامہ مروت سے بے پروا تھا! خواتین کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور پھر اپنا فقر لیے درخت کے نیچے عجز سے رب تعالیٰ کو پکار رہے ہیں! اجابت و عادلدی چندی مجسم چلی آئی۔ درد مندی کے احساس، لمحے کی نیکی، الشکور

اڈ تاطوفان: بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک کے لیے متبادل راستہ

شاہ ادریس تالقدار

اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ عوام ہر جانب سے بڑھتی ہوئی مہنگائی اور قیمتوں میں اضافے سے نبرد آزما ہیں۔ ایک جانب چیزوں کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور دوسری جانب لوگوں کی قوت خرید گھٹتی جا رہی ہے۔

خدا شہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ صورتحال مزید خرابی کی طرف جائے گی۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق، ملک تین قسم کے بحرانوں کا شکار ہو سکتا ہے۔

پہلا، خوراک کی درآمدات میں خاطر خواہ اضافے کی ضرورت پیش آسکتی ہے جس سے ان اشیاء کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ سدا کی مغرور و متکبر حسینہ بھی اب یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ ایسا وقت آسکتا ہے جب لوگوں کو خوراک کی مواد دستیاب نہیں ہوگا۔

دوسرا، برآمدات کے نقطہ نظر سے مصنوعات تیار کرنے والی صنعتوں کی ان مصنوعات کی تیاری کے لیے درکار خام مال کی درآمد پہلے ہی کم ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ و یورپی ممالک میں (جہاں یہ مصنوعات برآمد کی جاتی ہیں)، اقتصادی کساد بازاری کے سبب لوگوں کی قوت خرید کم ہو گئی ہے، نتیجتاً بہت سے برآمداتی آرڈر منسوخ کر دیے گئے ہیں جس سے قدرتی طور پر برآمدات سے ہونے والا منافع و آمدن بے حد متاثر ہوئی ہے۔

تیسرا، لوکل کرنسی میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ صورتحال یہ ہے کہ واجب الادا بیرونی قرضے میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں توقع یہی کی جا سکتی ہے کہ فارن کرنسی اور شرح مبادلہ میں پایا جانے والا بحران مزید شدت اختیار کر لے گا۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں ملک مزید فشار تلے آنے والا ہے۔

چوتھا اور آخری نقطہ یہ ہے کہ ملک کے بینکرینک عوامی لیگ اور دیگر کرپٹ افسروں کی پھیلائی ہوئی بے تحاشا کرپشن کے باعث کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ یہ تمام اسباب اور آنے والی عالمی کساد بازاری بنگلہ دیش کی معیشت کو ماسوائے تباہی کے اور کہاں لے جائے گی؟

سرحدی مشکلات

بنگلہ دیش کو درپیش دوسرا تشویشناک اور نازک مسئلہ سرحدوں پر بھارت اور اب میانمار کی جانب سے بڑھتی ہوئی جارحیت ہے۔ بھارتی سرحدی گارڈ تو معمول میں بھی بنگلہ دیش کے شہریوں پر فائرنگ کرتے رہتے ہیں، اب میانمار بھی بھارت کی تقلید کر رہا ہے۔ اگست کے آخری ہفتے سے میانمار متعدد مرتبہ بنگلہ دیش کی سرحد کے اندر فائرنگ کر چکا ہے۔ ان حملوں

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، بنگلہ دیش آج ایک تاریخی دورا ہے پر کھڑا ہے۔ اس کے افق پر ایک اڈ تاطوفان کے سائے دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ وقت ہے اپنے لیے کوئی راہ متعین کرنے کا، ایک ایسا راستہ جو اس سرزمین کے باسیوں کو کسی نیک انجام تک پہنچائے۔ اس راستے کا انتخاب تعین کون کرے گا؟ یہ ذمہ داری ہے علمائے کرام اور اسلامی تحریکوں کے قائدین کی۔

میں اس تحریر میں بنگلہ دیش کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی صورتحال کے بعض مزید پہلوؤں کو واضح کروں گا۔ جس کے بعد میری کوشش ہوگی کہ بنگلہ دیش پر ایک تمہیدی نوعیت کا تجزیہ پیش کر دوں، جو شاید آنے والے دنوں کے لیے منصوبہ بندی اور پیش بندی کرنے میں علمائے کرام اور بنگلہ دیش میں موجود اسلامی تحریکوں کے قائدین کے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکے۔ یہ تحریر اپنا ربط وہیں سے جوڑتی ہے جہاں اس سے پچھلی تحریر 'بنگلہ دیش ایک دورا ہے پر' (شائع شدہ مجلہ نوائے غزوہ ہند: مئی تا جولائی ۲۰۲۲ء) میں گفتگو کا اختتام ہوا تھا۔ سو قارئین سے درخواست ہے کہ مضمون ہذا پڑھنے سے پہلے مضمون 'بنگلہ دیش ایک دورا ہے پر' سے بھی استفادہ کریں۔

بنگلہ دیش آج مسائل و مصائب کے ایک ایسے طوفان میں گھرا ہوا ہے جس کی شدت و تندی وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ ان مسائل کی نوعیت ایسی ہے اور ان سے ایسے اسباب جڑے ہوئے ہیں، کہ مستقبل قریب میں ان کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا۔ گو کہ ممکن ہے کہ شدت کے اعتبار سے وقت و حالات کے ساتھ ساتھ ان میں کمی پیشی نظر آتی رہے گی۔

معاشی پریشانیاں

اس وقت بنگلہ دیش کا سب سے اہم اور فوری حل طلب مسئلہ اس کے معاشی و اقتصادی مسائل ہیں۔ ملکی معیشت بحران کا شکار ہے..... ایک ایسا بحران جو ہر گزرتے دن کے ساتھ شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔

مہنگائی تاریخی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ اگست ۲۰۲۲ء میں مہنگائی ۹ فیصد سے زیادہ تھی۔ اس سال کے آغاز میں، ایک ڈالر ۸۵.۸۰ ٹکوں کے مساوی تھا۔ اب ستمبر میں، یہ ۷۵.۰۰ ۱۰۶ ٹکوں کے مساوی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بنگلہ دیشی کرنسی ایک سال میں ۲۳.۲۵ فیصد قدر کھو چکی ہے۔

اشیائے خورد و نوش اور روز مرہ استعمال کی چیزوں کی قیمتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ حتیٰ کہ صابن، شیمپو اور ڈٹر جنٹس جیسی معمولی چیزوں کی قیمتوں میں بھی گزشتہ دو ماہ میں ۶۰ فیصد تک

میں بارودی گولے، فائٹر جیٹس (جنگی طیاروں) اور نیلی کاپڑوں کے ذریعے بمباری اور بارودی سرنگوں سے کیے جانے والے حملے شامل ہیں۔

ان حملوں میں کم از کم ایک شخص قتل، جبکہ متعدد افراد زخمی ہوئے ہیں۔ میانمار کی حکومت کا دعویٰ ہے کہ اراکان آرمی (برمیوں پر مشتمل ایک قومیت پرست مسلح ملیشیا) اور آرسا (روہنگیا مسلمانوں کا ایک مسلح گروپ: ARSA) کے بنگلہ دیش کے اندر 'مرکز' (bases) موجود ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ بنگلہ دیش ان کے خلاف تحقیق و تفتیش اور انہیں ختم کرنے کے حوالے سے فوری اقدامات اٹھائے۔

شیخ حسینہ کی حکومت بے حد غیر مقبول، بلکہ بدنام ہے۔ اور حکومتی حمایت کے ساتھ مسلح افواج میں پھیلی بے تحاشا کرپشن اور جرائم نے ان کا مورال تباہ کر دیا ہے۔ لہذا حکومت اور مسلح افواج، دونوں ہی میں ان مسائل کے حل کے لیے مؤثر اقدامات کرنے کی نہ صلاحیت ہے اور نہ جذبہ۔

میانمار میں خانہ جنگی جیسے جیسے شدت پکڑتی جا رہی ہے، بنگلہ دیش کے بارڈر پر ہونے والی اس نوک جھونک کی مقدار و شدت میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ پریشان تشویشناک چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے میں مسلح ملیشیاؤں کی موجودگی ہے۔ بہت سے نسلی مسلح گروہ سرحد کی اس جانب پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ ان گروہوں کا ایک ہی مقصد ہے: بنگلہ دیش سے علیحدہ ہو کر ایک نئی ریاست کا قیام۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ گروہ علاقائی صورتحال یعنی میانمار کی خانہ جنگی، بنگلہ دیشی حکومت کی سیاسی کمزوری و ضعف اور چین و بھارت کے مابین پائی جانے والی سرد جنگ کو بھی اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں۔

چند قطبی دنیا / Multipolar World

چند قطبی دنیا آج ایک حقیقت کا روپ دھار چکی ہے۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد دنیا نے ایک قطبیت کا ایک مختصر سا زمانہ دیکھا۔ امریکہ اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور تھا جسے چیلنج کرنے کے لیے بظاہر کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ مگر اللہ رب العزت کے فضل سے، امام و مجدد شیخ اسامہ بن لادن کی قیادت میں مجاہدین نے امریکہ پر اس کی اپنی سر زمین پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کے احساسِ سلامتی و حفاظت کو پاش پاش کر دیا۔ اور انہیں مجبور کر دیا کہ اسلام کے خلاف اپنی سابقہ خفیہ جنگ کو آشکار کر دیں۔

لہذا امریکہ نے 'دہشتگردی' کے خلاف جنگ کی اوٹ میں میں اعلانیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ مگر فتح اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اللہ جل جلالہ نے عراق و

¹ مزید استفادے کے لیے دیکھیے برادر محترم ابو انور الہندی کا اسی محلے کے صفحات میں شائع ہونے والا مضمون 'بنگلہ دیش میں ہندوؤں کا خطرناک مرحلہ'۔

افغانستان، ہر دو جگہ امریکہ کو ذلیل و رسوا کیا۔ دو دہائیوں کی جنگ کے بعد آج امریکہ مجبور ہے کہ اپنی نظریں اور توجہ کسی اور جانب پھیر لے۔ جبکہ چین، روس اور دیگر علاقائی طاقتوں نے یہ بیس سال امریکہ کو چیلنج کرنے کے لیے قوت و استعداد پیدا کرنے پر صرف کیے ہیں۔ اور اب امریکہ و یورپ روس کے ساتھ یوکرین میں ایک پر کسی جنگ میں پھنسے ہوئے ہیں، جبکہ امریکہ و چین کے مابین سرد جنگ بدستور جاری ہے۔

اس صورتحال کے سبب بنگلہ دیش اور خلیج بنگال تزیوراتی اعتبار سے نہایت اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ امریکہ و چین، دونوں اپنے دشمن پر برتری حاصل کرنے کے لیے خلیج بنگال پر تصرف و اختیار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اسی میں بھارت کا بھی اضافہ کر لیجیے، جس نے اپنی غلام حسینہ کی مدد و تعاون سے بنگلہ دیش کو عملاً اپنے ایک صوبے کی حیثیت دے رکھی ہے۔ فی الحال امریکہ، چین اور بھارت، تینوں کے مفادات بنگلہ دیش سے وابستہ ہیں۔ بعض معاملات میں یہ مفادات ایک دوسرے سے متصل و مشابہ بھی ہیں مگر بیشتر امور میں یہ ایک دوسرے کے مقابل و متضاد ہیں۔

ایک قابل، باصلاحیت اور مضبوط حکومت تو شاید ان قوتوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر کے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن حسینہ کے پاس یہ کرنے کے لیے نہ اتنا عقل و فہم ہے، نہ سودا بازی کے لیے چہرے مہرے، اور نہ ہی عوامی حمایت۔ لہذا علاقائی و عالمی طاقتوں کے یہ مسابقانہ رقیبانہ مفادات بنگلہ دیش کے لیے سوائے مزید عدم استحکام کے، کوئی فائدہ نہیں رکھتے۔

ہندوؤں

بھارت میں آر ایس ایس کی حمایت و پشتیبانی کے ذریعے ہندوؤں کی تحریک نے پورے بنگلہ دیش پر اپنا جال پھیلا دیا ہے۔ ہندوؤں کی تحریک ISKCON (ہری کرشنا تحریک) جیسی تنظیموں کو بھرتی اور دیگر تنظیمی مقاصد و سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتی ہے۔ یہ تحریک حکومتی انتظامی مشینری، مسلح افواج اور میڈیا کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے اور اب ایک ایسے وطن دشمن سازشی گروہ کا روپ دھار چکی ہے جو اکھنڈ بھارت کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے منظم و فعال ہے۔¹

کے طلبہ پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ گزشتہ تیس برسوں میں، بنگلہ دیش میں طاقت و اقتدار کے حصول کی سیاسی ترکیب یہی رہی ہے۔ بات جب بھی حکومت کے خلاف عملی تحریکوں کی آتی ہے، تو بڑی بڑی سیکولر سیاسی پارٹیاں اسلامی جماعتوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیتی ہیں۔ لیکن مسندِ اقتدار تک پہنچنے ہی یہ اپنے ان 'اتحادیوں' کو کھڑے لائن لگانے میں دیر نہیں لگاتیں۔

مختصر یہ کہ سیکولر سیاسی قوتیں اپنے اس کھیل میں اسلامی جماعتوں کو بطور مہرہ استعمال کرنے کی کوشش کریں گی، جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتی آئی ہیں۔ مسلمان ان کے مقاصد کے حصول و تکمیل کے لیے اپنی جانیں کھوں گے مگر بدلے میں پائیں گے کچھ نہیں۔ اور دن کے اختتام پر بنگلہ دیش پر سیکولر نظام ہی حاکم و قابض ہو گا۔ یہی وہ لازمی نتیجہ ہے جو بنگلہ دیش کے سیکولر آئینی سیاسی نظام کا حاصل ہے۔

یہ وہ صورتحال ہے جس میں بنگلہ دیش کے مسلمان آج اپنے آپ کو پاتے ہیں۔ سیاسی و معاشرتی تمام حلقے دشمنوں کے قبضے میں ہیں۔ جبکہ افق پر کسی کالے طوفان کے گہرے اور مہیب بادل جمع ہو رہے ہیں۔

متبادل راستہ

اس مضمون کے آغاز میں ہم نے کہا تھا کہ بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے آنے والے طوفان سے بچنے کے لیے کوئی راہ متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس راہ کا تعین کیا کیسے جائے گا؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے عالمی جہادی قائدین کی فراہم کردہ ہدایت و رہنمائی پر نظر ڈالیں اور ان کے بیان کردہ بعض اصول و مبادی کو سمجھ لیں۔ القاعدہ کی قیادت میں رواں عالمی جہادی تحریک مسلم دنیا میں شریعت اسلامی کی حکومت اور خلافت کے قیام کے محاذ پر صرف اول میں کھڑی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس تحریک نے مسلمان علاقوں کو دو بنیادی قسموں میں تقسیم کر رکھا ہے:

- ترجیحی علاقے
- ثانوی یا دیگر علاقے

ترجیحی علاقے وہ علاقے ہیں جہاں مجاہدین کے لیے حاکم نظام کو لاکارنا اور اس کا مقابلہ کرنا ممکن ہے۔ جہاں وہ اس نظام کو گرانے اور گور یلا جنگ کے ذریعے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ کسی بھی علاقے کے لیے ترجیحی علاقے کی قسم میں شمار کیے جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں چند اوصاف پائے جاتے ہوں۔

شیخ ابو بکر ناجی کے مطابق، وہ اوصاف یہ ہیں:

بنگلہ دیش کے سیاسی منظر نامے پر سیکولر طاقتوں کا غلبہ ہے۔ بنگلہ دیش کی حالیہ حکومت جو کہ عوامی لیگ پر مشتمل ہے وہ سیکولر ازم کی ایک مسلح و متشدد شکل ہے، جو کہ کلکتہ میں ایجاد شدہ بنگالی ہندو قومیت پرستی کے تصورات سے بھی بری طرح متاثر ہے۔

عوامی لیگ اور حسینہ کی بنیادی اپوزیشن بی این پی کی سربراہی میں سیکولر پارٹیوں پر مشتمل ایک گروہ ہے۔ یہ تمام پارٹیاں اپنی اساس میں سیکولر ہیں، گو کہ سب عوامی لیگ کی طرح متشدد اور جارحیت کی طرف مائل نہیں ہیں۔ جیسے امریکی سیکولر ازم اور فرانسیسی سیکولر ازم میں اختلافات پائے جاتے ہیں، اسی طرح ان دو گروہوں میں بھی فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اساسی طور پر یہ ایک ہی دین کے مختلف مذاہب ہیں۔

بد قسمتی سے بنگلہ دیش کے عام عوام، انہی پارٹیوں کے تناظر میں سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ میڈیا، دانشوروں اور تعلیمی نظام کی دہائیوں پر محیط ذہن سازی کے بعد آج لوگ سیاسی تبدیلی کو محض الیکشن کے تناظر میں دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ جب وہ اپنی سرزمین کے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہیں تو اسی سیکولر سیاسی ڈھانچے کی حدود میں رہتے ہوئے سوچتے ہیں۔

فی الوقت تو حسینہ طاقت و اقتدار سے جدا ہونے پر رضامند نظر نہیں آتی۔ بھارت بھی فی الحال اس کو بطور حکمران قائم رکھنے پر آمادہ نظر آتا ہے، آخر اس نے اپنے آپ کو ایک فرمانبردار پالتو جانور ثابت کیا ہے۔ لہذا اس وقت تو قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عوامی لیگ کسی نہ کسی طرح الیکشن کے نتائج کو انکار کر کے اقتدار پر اپنے قبضے کو جاری رکھنے کی کوشش کرے گی۔

لیکن اگر اپوزیشن نے حسینہ کو بزور اقتدار سے دست بردار ہونے پر مجبور کرنا چاہا تو انہیں لامحالہ سڑکوں پر نکلنا پڑے گا۔ یوں بھی بنگلہ دیش میں سیاسی تبدیلی کے لیے سڑکوں پر نکل کر مظاہرے، احتجاج اور جارحیت کی ہمیشہ ضرورت پڑی ہے۔ بہت بار ہم نے دیکھا (جیسا کہ ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۶ء اور ۲۰۰۷ء) کہ طویل احتجاجی سلسلے، مظاہروں اور سڑکوں پر پر تشدد واقعات کے بعد فوجی اور شہری انتظامیہ نے اس وقت کی حکومت کی حمایت ترک کر دی جس کے نتیجے میں حکومت گر گئی۔

مگر حسینہ کی اپوزیشن اپنے طور پر سڑکوں کا کنٹرول سنبھالنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ اسی طرح وہ فوج کے ذریعے بھی حسینہ کا دھڑن تختہ کرنے پر قادر نہیں۔ اگر وہ حسینہ کو بزور طاقت ہٹانا چاہیں تو انہیں لامحالہ اسلامی تنظیموں اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کی حمایت درکار ہے۔

عوامی لیگ کے برخلاف، مخالف کیمپ بنگلہ دیش کی عوام کی جڑوں میں پھیلے ہوئے مضبوط اور گہرے نیٹ ورک کا مالک نہیں ہے، لہذا عوامی لیگ اور دیگر سیکورٹی اداروں کا سڑکوں پر مقابلہ و سامنا کرنے کے لیے انہیں اسلامی جمہوری سیاسی پارٹیوں (جیسے جماعت اسلامی) اور مدارس

1. تزویراتی گہرائی کی موجودگی اور اونچی نیچی غیر ہموار زمین جو قبضے اور تسلط والے علاقوں کے حصول میں مدد و معاون ہو۔
2. حاکم نظام کی کمزوری و ضعف۔ مرکز سے دور سرحدی علاقوں اور دور افتادہ مقامات پر حکومت کی کمزور گرفت۔
3. اسلامی و جہادی بیداری کی لہریں، علاقے میں اس کے لیے دعوت و تحریک کا موجود ہونا۔
4. اس علاقے کے لوگوں کی فطری صفات، اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے بعض علاقوں کو دیگر پر فوقیت و فضیلت عطا فرمائی ہے۔
5. اسلحے کی دستیابی۔¹

شیخ ابو مصعب السوریؒ بھی اسی سے ملتے جلتے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ اپنی کتاب 'دعوة المقاومة' میں وہ درج ذیل اوصاف کی فہرست بیان کرتے ہیں:

جغرافیائی شرائط

- تزویراتی گہرائی
- مختلف ممالک کے ساتھ طویل سرحدیں
- ایسی زمین جس کی ناکہ بندی کرنا دشوار ہو
- ناقابل رسائی پہاڑی علاقے یا گھنے جنگلات کی موجودگی (جنگلات سے ڈھکے ہوئے پہاڑی علاقے بہترین ہیں)
- ایسے علاقے جہاں گھیراؤ اور محاصرے کے باوجود خوراک اور پانی کی مناسب فراہمی کا انتظام ہو۔

آبادیاتی شرائط (ڈیموگرافک ضروریات)

- علاقے میں باسیوں کی بڑی تعداد کا ہونا
- نوجوانوں میں لڑنے کی صلاحیت، مضبوط عزم و جذبہ، اپنے مقصد کے ساتھ ان کا لگاؤ اور اس کے لیے صعوبتیں برداشت کرنے کی استعداد، ان کا استقلال و استقامت

- اور سب سے اہم اس علاقے میں اسلحے کی دستیابی

سیاسی صورتحال

- ایسی سیاسی صورتحال اور ماحول جس کے باعث عوام میں بآسانی جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور عزم پیدا کیا جاسکے۔

یہ اوصاف نہایت اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ ان کے بغیر خود سے ایک کئی گنا بڑے اور مضبوط دشمن کے خلاف طویل عرصے تک جنگ و جہاد جاری رکھنا بے حد مشکل ہے۔ ان صفات کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ افغانستان، پاکستان، کشمیر، صومالیہ، یمن، چچینا، مغرب اسلامی کے بعض علاقے..... یہ سب ترجیحی علاقوں کے ذیل میں آتے ہیں۔

البتہ مصر و تیونس جیسے علاقے ان اوصاف کے حامل نہیں، لہذا انہیں ثانوی ترجیح کے علاقوں میں شمار کیا جائے گا۔ اس تقسیم کی بنیاد پر بنگلہ دیش بھی ثانوی علاقوں میں شامل ہے کیونکہ بنگلہ دیش بھی ایسے کئی اوصاف سے محروم ہے جو ترجیحی علاقے میں شمار کیے جانے کے لیے قطعی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً غیر ہموار قطعہ زمین اور اسلحے کی دستیابی و فراہمی وغیرہ۔

قصہ مختصر یہ کہ بنگلہ دیش گوریلا طرز کی جنگ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ بنگلہ دیش میں طویل گوریلا جنگ کے ذریعے سیکولر نظام حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش عبث ہے۔ جبکہ اپنی سابقہ گفتگو میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے جمہوری طریقے سے کسی بھی بہتری کے لیے کوشش کرنا نہ صرف غیر مؤثر بلکہ غیر شرعی بھی ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ سڑکوں اور عوامی مقامات پر مسلح جارحیت، خون خرابہ اور حکومت کا دھڑن تختہ کرنے کی کوششوں سے بھی وہ تبدیلی آنے والی نہیں جو ہمیں درکار ہے۔ اس ضمن میں شیخ سیف العدل لکھتے ہیں:

”انقلاب کا مطلب سیاسی نظام میں تبدیلی ہے۔ حاکم طبقے اور ان کے تمام تر اداروں اور مالیاتی نظاموں پر غلبہ حاصل کر کے پورے اقتصادی، معاشرتی اور حکومتی نظام میں اساسی اور بنیادی تبدیلی لانے کا نام انقلاب ہے۔ پچھلے ریاستی نظام کو تباہ اور ختم کرنے کے بعد ایک نئے ریاستی نظام کی بنا رکھنا اور اس کی تعمیر کرنا انقلاب کہلاتا ہے۔ یعنی مکمل معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی تبدیلی لانا۔ جبکہ دوسری طرف اصلاح (ریفارم) سے مراد موجودہ نظام میں تبدیلی لانا ہے۔“

پہلے سے موجود نظام اور اس کے طور طریقوں اور علامات کی ترتیب نو یا اصلاح انقلاب کے ذریعے نہیں کی جاتی۔ انقلاب تو اساسی تبدیلی کی بنیاد پر آتا ہے، نہ کہ تصحیح اور اصلاح کی بنیاد پر۔“²

لہذا، کفری سیکولر نظام کو ہٹا کر اس کی جگہ شریعت الہی کو قائم و نافذ کرنا ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ یہ محض تصحیح و اصلاح نہیں۔ لہذا محض حکمران کی تبدیلی سے ایسی گہری تبدیلی لانا ممکن نہیں۔

² الصراع ... ورياح التغيير 2 (الثورة والإستراتيجية)

¹ مزید تفصیل کے لیے رجوع کیجئے شیخ ابو بکر ناجی کی کتاب 'ادارة التوحش' سے۔

پچھلی تمام تر گفتگو کی روشنی میں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانانِ بنگلہ دیش کے لیے عملی راستہ کیا ہے؟ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل بڑھتی ہوئی سیکولر جارحیت کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اگر ملک میں طاقت کا خلا پیدا ہو جائے یا وسیع پیمانے پر افراتفری اور لاقانونیت پھیل جائے، تو ایسی صورت حال کا سامنا انہیں کیسے کرنا چاہیے؟

یہ بے حد اہم سوالات ہیں، جو جواب چاہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ سوال ایسے بھی ہیں کہ جن کے جواب دینا آسان نہیں۔ ان مسائل کے کوئی جادوئی حل موجود نہیں۔ وہ تمام حل جو حقیقت پر مبنی ہیں اور مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں وہ بہت زیادہ وقت، محنت اور افرادی قوت مانگتے ہیں۔ ان کے لیے صبر اور استقامت کی ضرورت ہے۔

شیخ ابو بکر ناجی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

”بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اچانک الٹ جاتی ہے یا سیاسی صورت حال کے باعث کسی ایسے علاقے میں جو ترجیحی علاقہ نہیں ہے، لاقانونیت پھیل جاتی ہے۔ ایسی صورت میں دو امکانات ہیں۔

آیا اس علاقے میں کوئی اسلامی تنظیمیں موجود ہیں جو صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے صورت حال کو سنبھال سکیں؟ اگر ہاں، تو وہ لاقانونیت دور کرنے کے طریقے سے آگے بڑھیں گی۔

اور اگر ایسی کوئی اسلامی تنظیم موجود نہیں، تو یہ علاقے جلد ہی غیر اسلامی تنظیموں کے قبضے و انتظام میں چلے جائیں گے۔ یا حکومت کے گرنے کے بعد اس کا جو کوئی بھی باقی ماندہ حصہ ہے، اس کے زیر تسلط آجائیں گے۔ ورنہ یہ منظم ملیشیاؤں اور دیگر اس قسم کے گروہوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔“

اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ایک مضبوط اسلامی تنظیم کی عدم موجودگی میں طاقت کا کوئی خلا پیدا ہو بھی جاتا ہے، تو بھی مسلمان ایسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے اور اسے قابو کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔ ایسی کسی بھی صورت حال سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے لیے ایک مضبوط و منظم قوت کا موجود ہونا بنیادی اور ناگزیر شرط ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور اس کا درست ادراک کرنا نہایت اہم ہے۔

بنگلہ دیش جیسے علاقے میں کسی بھی قسم کی تبدیلی لانے کے لیے ضروری ہے کہ توحید، دعوت اور جہاد کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ایک مضبوط اور خود مختار اسلامی تحریک کا وجود ہو۔ ایک ایسی تحریک جو شریعتِ الہی کے نفاذ کی انتہائی ضرورت و اہمیت کو واضح کرے۔ جو معاشرے کی برائیوں کو دور کرے، معاشرے میں پھیلے منکرات سے متعلق اسلامی تعلیمات کو واضح اور عام کرے، اور عوام کو یہ بھی بتائے کہ اسلامی نظام ان برائیوں اور مفسدات کا کیسے علاج کرتا ہے۔ ایک ایسی تحریک جو جمہوریت اور دیگر انسانی ساختہ تصورات اور عقائد کی حقیقت کھول کر رکھ

دے اور اسلام کی ان سب پر عظمت اور برتری کا اظہار کرے۔ ایک ایسی تحریک جو نہ صرف اقدار و روایات کو فروغ دے، بلکہ بنگلہ دیش کے معاشرتی و اقتصادی اور جغرافیائی سیاسی حقائق کی جانب بھی توجہ دے۔ ایک ایسی تحریک جو علی الاعلان حق کا ساتھ دے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرے۔ جو لوگوں کے سامنے توحید و شرک، ایمان و کفر اور اسلام و سیکولر ازم کے مابین حفاصل کو واضح کرے۔ جو قومیت پرستی اور ’بنگالیٹ‘ کے نام پر بھارتی رسوم و رواج کے دھوکے میں آئے بغیر اپنے متبعین کی اسلامی شناخت کی حفاظت کے لیے کام کرے۔ ایک ایسی تحریک جس کے دل میں تو پورے عالم میں پھیلی امتِ بستی ہو، لیکن وہ بڑے صغیر ہندوستان اور بنگلہ دیش کی مقامی حقیقتوں کا بھی ادراک کرے۔ ایک ایسی تحریک جس کی نظر انسانوں کی بنائی سرحدوں میں مقید و محدود نہ ہو۔

اس تحریک کو اپنے خالص عقائد اور اقدار کے حوالے سے بے چلک اور غیر مصالحانہ ہونا ہو گا۔ شیخ ابو بکر ناجی کہتے ہیں:

”کائنات کے قانون کے مطابق، ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کی طاقت یا استعداد دو طرح سے تبدیل یا بحال کی جاسکتی ہے:

- معاشرے کے دینی عقائد اور اقدار کو زندہ کرنے، یا
- ظلم کے خلاف مزاحمت کے ذریعے معاشرے میں عدل قائم کرنے کی بنیاد پر (نہ کہ عقیدے یا حق کی بنیاد پر)۔ کیونکہ ظلم کی روک تھام اور عدل کا قیام ایسی چیزیں ہیں جن کی قدر اور تعریف کفار و مومنین یکساں طور پر کرتے ہیں۔“

لہذا موجودہ نظام کو بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی تحریک دعوت کی بنیاد قرآن و سنت سے حاصل کیے گئے خالص عقیدے اور اقدار پر ہو۔ نہ کہ سیکولر تحریکوں اور پارٹیوں کی مانند محض عوام میں مقبولیت اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے معاشرتی نا انصافیوں پر توجہ مرکوز ہو۔

بنگلہ دیش میں ان دونوں صورتوں..... یعنی صورت حال کا اسی طرح جاری و ساری رہنا، یا مستقبل میں کسی نمایاں تبدیلی یا طاقت کا خلا پیدا ہونے کی صورت میں..... اولین ضرورت اور کرنے کا پہلا کام یہ ہے کہ توحید، دعوت اور جہاد کی غیر مصالحانہ اساس پر کھڑی کی گئی ایک مضبوط اسلامی تحریک پکائی جائے۔ ایک بار ایسی تحریک وجود میں آ جاتی ہے، تو پھر وہ مسلمانانِ بنگلہ دیش کا سیکولر جارحیت اور اس کے حملوں سے دفاع کر سکتی ہے۔ اور پھر اگر رضائے الہی سے کوئی خاص صورت حال پیدا ہو جاتی ہے، یا طاقت کا ہی کوئی خلا پیدا ہو جاتا ہے تو ایک مضبوط تحریک اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 13 پر)

ہند تو اور غزوہ ہند

ممتاز میر

بچاؤ کا دوسری قوموں کو بہت فائدہ ہوگا، وہ ہند تو اس کے سائے سے دور بھاگیں گے۔ وہ جلد سمجھ جائیں گے کہ ہند تو اس کے سائے میں ان کا نام و نشان مٹ جائے گا اور بچ بھی گئے تو برہمنوں کی غلامی کرنی پڑے گی۔

اسی دوران ممبئی اردو نیوز کے ایڈیٹر جناب شکیل رشید کا ۱۲ جون کا اتوار یہ نظر سے گزرا۔ مدیر محترم، اتوار کے دن میں مسلمانوں کے احتجاج پر انٹلیجنس کی طرف سے دہشت گردانہ نظریہ آئے۔ اتوار کے دن ختم کرتے کرتے ہمارے ذہن میں جو شعر گونجا رہا تھا

قبل آغاز ہی انجام کا ڈر ہوتا ہے
دور اندیش بڑا تنگ نظر ہوتا ہے

اگر یہ فلسفہ کمیونسٹوں کے کام آسکتا ہے تو اسلامیوں کے کیوں نہیں۔ شکیل بھائی! ایک فلم کا ڈائلاگ بھی سن لیجیے، جو کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں، آپ بھی ابن صفی کے عاشق ہیں۔ غالباً جہنم کا شعلہ میں وہ کہتا ہے ”فلسفہ ذہین آدمی کے احساس کمتری کا نام ہے۔“ محترم! کیا خود حضور ﷺ کے سامنے ایسے اصحاب یا منافقین (جو بھی کہہ لیں) موجود نہ تھے جو جہاد پر جانے سے بچنے کے لیے بہانے بناتے تھے ایسے لوگ ہر جگہ ہر وقت ہر قوم میں موجود ہوتے ہیں۔ جب امریکہ نے طالبان پر حملہ کیا تو کیا اس وقت طالبان کو امریکہ کے سامنے سرینڈر کر کے اسامہ کو اس کے حوالے کرنے کا مشورہ دینے والے موجود نہ تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ آج وہی سب سے زیادہ بغلیں بجاتے ہوں گے۔

اب کہاں غازی علم الدین جیسے لوگ جو جان بچانے تک کے لیے غیروں کی عدالتوں میں جھوٹ بول دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس سے ان کے عشق رسولؐ پر حرف آتا تھا۔ جس طرح ہم جی رہے ہیں ہمیں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرنے کا مزہ چھو بھی نہیں سکتا۔ بدر الدین طیب جی تو ان انٹلیجنس لوگوں کے باپ تھے مگر انگریز کی عدالت میں انھوں نے عاشق رسولؐ کا مقدمہ لڑتے ہوئے کہا تھا کہ میں بھی ہوتا تو یہی کرتا۔ تو جناب، جب حالت یہ ہو تو ہمارے دانشور ایسے ہی بات کریں گے جیسے آپ کے ساتھ سوشل میڈیا پر ہوا۔ بمبئی میں ۲۰ سال میں نے ڈاکٹروں کے درمیان گھومتے گزاریے ہیں۔ جب بھی کوئی بم دھماکہ ہوتا تو سب سے پہلے اپنے ہی لال بھگڑے مسلمانوں کو گالیاں دینا شروع کر دیتے۔ وہ تو شکر ادا کرنا چاہیے آنجنابی کر کے کہ اس نے جان پر کھیل کر ”کھیل“ بدل دیا تھا۔ تب جا کر کہیں ہمارے دانشوروں کے سر بدلے تھے اور وہ ہندو دہشت گردوں کو گالیاں دینے لگے تھے۔

(باقی صفحہ نمبر 88 پر)

دہائیوں پہلے غزوہ ہند کی احادیث مطالعے میں آئی تھیں۔ اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیا ہو جائے گا کہ مسلمانوں کا ایک متحدہ لشکر وطن عزیز پر حملہ آور ہوگا۔ فسادات کہاں نہیں ہوتے، کم و بیش ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ اکثریت، اقلیت پر کہاں ظلم نہیں کرتی۔ کہیں رنگ، کہیں نسل، کہیں مذہب کے نام پر یہاں تک کہ صنف یا جنس کی بنیاد پر بھی دنیا میں ظلم ہوتا آیا ہے۔ مگر اب وہ لوگ دنیا سے چلے گئے جو اس طرح کا ظلم دیکھ کر بھی قوموں کو نہیں گروہوں کو بھی نہیں قافلوں کو بچانے ملکوں پر حملہ آور ہو جاتے تھے۔ اس لیے ہم یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہے کہ ایسا کیا کریں گے یہ اکثریت کے لوگ کہ منتشر مسلمان متحد ہو جائیں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ بات سچ ہی ہے کہ مسلمانوں کا اتحاد جہاد میں ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا مسلمان مسلمانوں کو مسلمان کر دیا طوفان مغرب نے۔ اب صدیوں سے مسلمان دین سے دور ہو رہے تھے مقامی طوفان نے انھیں تھپیڑے دے دے کر پھر دین کے ساحل پر لا پڑا ہے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ دور فتن کی احادیث پوری ہوتے شاید نصف صدی گزر جائے مگر اب ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کو نہیں خود اہلس کی ذریت کو اپنے انجام کی جلدی پڑی ہے۔ ہند تو اس کے متوالوں کے طفیل ۲۰۱۴ء سے حالات میں جو تبدیلی یا شدت آنا شروع ہوئی ہے اس نے ہماری بہت سی آرا کو تبدیل کر دیا ہے۔ کبھی کسی زمانے میں ہمارا بھی ”چالو چالو“ خیال یہی تھا کہ قوموں کے ہر مسئلے کا حل تعلیم میں ہے مگر اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم کی اہمیت انسان کی ذاتی زندگی میں بہت زیادہ ہے۔ مگر دنیا پر غلبہ قوموں کے اتحاد اور اپنے مقصد سے خلوص کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر غلبہ تعلیم کی بنیاد پر ہوتا تو نہ ہلا کو بغداد کو تباہ کر پاتا نہ مسلمانوں کو ہسپانیہ سے بھاگنا پڑتا نہ امریکہ طالبان سے محفوظ راستے کی بھیک مانگتا۔

بڑا افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ وطن عزیز کے ارباب اقتدار نے پورے ملک کو اہلس کے پالے میں ڈال دیا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کی صحبت میں رہ کر یہودیوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ وہ یہودی جو جانتے تھے کہ حضور ﷺ اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں اور پھر بھی ان کے مخالف رہے۔ یہودی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ الملعونہ الکبریٰ پیش آئے گا اور پوری یہودی قوم فنا ہو جائے گی۔ بالکل اسی طرح ہند تو اس کے متوالے بھی جانتے ہیں کہ غزوہ ہند پیش آئے گا اور ان کا انجام بخیر نہ ہوگا پھر بھی وہ اپنے انجام کی طرف دھیرے دھیرے نہیں سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ جلد یا بدیر ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلیں گے۔ ان کی ساری حرکتیں اسی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ شاید اسی طرح حضور ﷺ کی وہ پیش گوئی پوری ہو کہ اگر کسی کے سو بیٹے ہوں گے تو نوا کے کام آجائیں گے۔ یعنی زبردست جانی نقصان ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے اس طرح کا جانی نقصان کوئی حیثیت نہیں رکھتا، مگر جنگ کے دوسرے فریق کا کیا؟ اس اکھاڑ

رونگیا کا جہاد

ڈاکٹر طلحہ عبدالکریم

برمی فوج

۱۴۳۰ء: اراکان پر مسلمانوں کا غلبہ

۱۴۰۴ء میں برما کی Ava بادشاہت نے اراکان پر حملہ کیا اور اراکانی بادشاہ نارامی کھلہ کو شکست دے دی۔ لیکن اس حملے نے ۱۴۳۰ء سے لے کر ۱۵۳۰ء تک پوری ایک صدی کے لیے اراکان پر مسلمانوں کے غلبے کی راہ ہموار ہوئی۔ ہوا یوں کہ نارامی کھلہ نے شکست کے بعد بنگال کے سلطان جلال الدین محمد شاہ کے ہاں پناہ لی۔ اور ۱۴۳۰ء میں نارامی کھلہ سلطان کی مدد سے ہی واپس اراکانی تخت شاہی پر جا بیٹھا۔ سلطان نے اراکانی بادشاہ کے ہمراہ بنگالی لشکر بھیجا جس میں بہت سے افغان سپاہی بھی تھے۔ بادشاہ نے نیا دار الحکومت مراک یو تعمیر کیا جہاں اس کے ساتھ آنے والی مسلم فوج آباد ہو گئی۔ مسلمانوں نے آغاز میں ہی کوالانگ گاؤں میں ساندی خان مسجد تعمیر کی۔ اراکان پر قبضہ کرنے کی مدد کے بدلے بادشاہ نے اراکانی علاقے بھنگا کے بارہ دیہات بنگالی تسلط میں دے دیے اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ وہ بنگال کے تابع رہے گا۔ اس لیے اراکانی بادشاہوں کے القابات اسلامی تھے^۱ اور اراکان میں بنگالی دینار رائج رہا جس پر کلمہ کے گرد چاروں خلفائے راشدین کے نام نقش تھے اور اسی دینار کی تصویر روہنگیا مسلمانوں کا قومی شعار بن گیا۔ ۱۴۳۳ء میں سلطان جلال الدین محمد شاہ کی وفات کے ساتھ نارامی کھلہ بھی مر گیا لیکن اراکان ۱۵۳۰ء تک سلطنت بنگال کے تابع رہا۔ پھر ۱۴۵۹ء میں نارامی کھلہ کے ایک جانشین نے الٹا بنگالی علاقے چٹاگانگ پر حملہ کر کے اپنے تابع کر لیا اور یہ حالت ۱۶۶۶ء تک رہی جب اورنگزیب کے زمانے میں مغل سلطنت نے دوبارہ چٹاگانگ کو آزاد کرالیا۔ مراک یو بادشاہت کے اس دور کو چٹاگانگ اراکان بادشاہت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اراکانی بادشاہ سلطان بنگال سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود اسلامی القابات استعمال کرتا تھا اور مسلمان اعلیٰ اہل عہدوں پر فائز رہے اور معاشرے میں اثر و نفوذ کے حامل تھے۔ اس طرح اراکان کی مسلم آبادی ۱۷ویں صدی تک بڑھتی گئی۔

۱۶۶۰ء: بکمان نسل

مغل شہزادہ شاہ شجاع اپنے والد کی طرف سے بنگال صوبے کا فرمانروا تھا۔ بادشاہ کی علالت کے بعد جب اسے اپنے بھائی اور نگزیب عالمگیر کی طرف سے شکست ہوئی تو اس نے اراکان میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۶۶۰ء میں اس نے اراکان کے بادشاہ سندا تھودا Sanda Thudamma کے ہاں پناہ لی جس نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے حج کے لیے کشتیاں فراہم

برمی فوج کو سرکاری طور پر ٹاٹ ماڈو Tatmadaw کہتے ہیں جو کہ برمی میں فضائی، بری اور بحری افواج کا مخفف ہے۔ اس فورس کے تحت ذیلی فورسز بھی کام کرتی ہیں جن میں پولیس، عوامی ملیشیا اور سرحدی فورسز شامل ہیں۔ ان سرحدی فورسز کو مقامی طور پر ناساکھا کہا جاتا ہے۔ چونکہ ابھی تک برما کو کوئی عسکری قانون نہیں تشکیل دیا گیا اس لیے نظریاتی اعتبار سے تمام ملازمین رضاکار تصور ہوتے ہیں۔ عسکری قانون نہ ہونے کی وجہ سے فوج شہریوں سے زبردستی کام لیتی ہے، یہاں تک کہ انہیں مائن سویپر کے طور پر بھی استعمال کرتی ہے۔ اور انڈیپنڈنٹ (اخبار) کے مطابق برما میں بچوں کو فروخت کیا جاتا ہے اور سب سے بڑی خریدار فوج ہے جو انہیں محض چالیس ڈالر اور ایک بوری چاول یا ایک گیلن پٹرول کے بدلے بھرتی کر لیتی ہے۔ اگرچہ برما کو کوئی عسکری قانون نہیں ہے لیکن عوامی ملیشیا کے قوانین صدر کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ برما کے دفاع کی خاطر اس میں زبردستی بھرتی کرے۔

برطانیہ سے آزادی کے بعد سے اب تک ٹاٹماڈو اکثر مقامی نسلی مسلح بغاوتوں کے خلاف لڑتی رہی ہے۔ اور اگرچہ مسلم اقلیتوں کے علاوہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ اس کی جنگیں زیادہ رہی ہیں لیکن سب سے زیادہ مظالم مسلم اقلیتوں کے خلاف جنگوں کے دوران ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ نے بھی بنیادی آزادیوں اور حقوق انسانی کی مسلسل منتظم طریقے سے خلاف ورزی کی پر زور مذمت کی ہے۔ لیکن ان تمام مظالم کے باوجود ایک عالمی سروے کے مطابق ٹاٹماڈو برمی عوام میں نہایت مقبول ہے۔ برما کی عسکری صلاحیت چین کے بل بوتے پر قائم ہے۔ اور آج کل برما روس سے جوہری توانائی بھی حاصل کر رہا ہے۔

روہنگیا اراکان کی تاریخ

اراکانی تاریخ دانوں کے مطابق ان کی ریاست تین ہزار سال قبل از میلاد سے لے کر ۸۴۷ء تک ایک مستقل بادشاہت رہی ہے۔ ۸۴۷ء میں ہمار قوم نے ان پر حملہ کر کے پہلی دفعہ اس کا استقلال چھینا۔ لیکن تاریخ دان مانتے ہیں کہ اس طویل عرصے میں اراکانی تاریخ کا سنہری دور ۱۴۳۰ء میں شروع ہوتا ہے جب اراکانی بادشاہ نارامی کھلہ من سائن Min Saw Mon Naramaikhla نے مسلمانوں کی مدد سے مراک یو Mrauk U کی بادشاہت قائم کی۔

۱- مثلاً نارامی کھلہ کا لقب (سلیمان شاہ) تھا۔

۱۸۲۶ میں پہلی انگلو برمی جنگ کے بعد برطانیہ نے اراکان اور تناسرم کو برطانوی بنگال میں شامل کر دیا۔ اور بنگالیوں کو تحریض دلائی کہ وہ اراکان کی زرخیز زمین میں زراعت کریں کیونکہ اراکان میں آبادی بہت کم تھی۔ اس طرح بہت سے مسلمان چٹاگانگ کے علاقے سے آئے اور اراکان کے مغربی دیہات آباد کیے۔ اس کے بعد ۱۸۵۲ء میں دوسری انگلو برمن وار میں وسطی برما اور تیسری انگلو برمن وار ۱۸۸۵ء میں بالائی برما اور ۱۸۹۰ء میں شان اسٹیٹ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

لیکن برما کی طرف ہندیوں کی ہجرت صرف اراکان تک محدود نہ تھی بلکہ پورے برما میں ہوئی۔ ہند سے یہ ہجرتیں ۱۹۲۷ء میں اپنے عروج کو پہنچیں یہاں تک کہ اس وقت رنگون شہر مہاجرین کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ اور برما کے بڑے شہروں میں ہندی مہاجرین آبادی کی اکثریت بن گئے۔

۱۹۳۷: برطانیہ سے آزادی کا آغاز

برطانیہ کے قبضے سے برمی اقوام میں برطانیہ سے نفرت کے ساتھ ساتھ بنگالیوں سے بھی نفرت ہونے لگی جن کے ذریعے برطانیہ برما کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اس لیے ۱۹۳۷ء میں برطانیہ نے برما کو برطانوی انڈیا سے علیحدہ کر کے ایک بدھ مت کے پیروکار بامار کو وزیراعظم مقرر کر کے مستقل برطانوی کالونی بنادیا۔ لیکن برمیوں کی آزادی کی جدوجہد جاری رہی۔ اور ۱۹۴۰ء میں جاپان کا دوسری جنگ عظیم میں باقاعدہ داخل ہونے سے پہلے ہی برما کے مشہور جنرل آنگ سان Aung San نے جاپان میں (برمائیشنل آرمی) تشکیل دی۔

دوسری طرف ۱۹۳۹ء میں برطانوی حکومت کو اراکان میں بسنے والے راہکین بدھ متوں اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی کا احساس ہوا جس کے تدارک کے لیے برطانیہ نے اراکان میں مسلمانوں کی ہجرت کے بارے میں ایک کمیشن بنایا۔ اس کمیشن نے سفارش کی کہ مزید ہجرت کو روکنے کے لیے اراکان اور بنگال کے درمیان سرحد کو بند کر دیا جائے۔ جو کہ ۱۹۴۱ء میں انڈو برمی معاہدہ کے بعد فعلاً رک گئی۔

تیسری طرف (برمی برطانوی) اور (بدھ مسلم) کشاکش کو دیکھتے ہوئے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں روہنگیا مسلمانوں نے اپنے تحفظ کے لیے علیحدگی کی تحریک چلائی تاکہ اس علاقے کو مستقبل کے مغربی پاکستان سے ملحق کیا جائے۔ لیکن اسی وقت عالمی جنگ دوم شروع ہوئی اور ۱۹۴۲ء میں جاپانی فوج نے برما پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں برطانوی فوج نے برما سمیت اراکان سے بھی پسپائی اختیار کر لی۔ لیکن نکلنے ہوئے برطانیہ نے اپنی مفادات کی خاطر شمالی اراکان میں مسلمانوں کو ہتھیار

کرے گا۔ لیکن اس نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے شاہ شجاع کا سونا اور جواہرات غصب کر لیے۔ جس کے نتیجے میں شاہ شجاع نے اپنے ۲۰۰ پیروکار اور مقامی اراکانی مسلمانوں کے ساتھ مل کر فیصلہ کیا کہ شاہ اراکان کا تختہ الٹ دیا جائے کیونکہ اس نے عہد شکنی کی۔ چنانچہ شاہ شجاع کے لشکر نے تھوڑا پر حملہ کیا اور قریب تھے کہ شاہی محل کو آگ لگا دیں۔ اس حملے میں بے شمار مغل مارے گئے اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۶۶۱ء میں شاہ شجاع اور اس کے کئی ساتھی اراکانی فوجیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ۱۶۶۳ء میں شاہ شجاع کی اولاد کو اراکان کے بادشاہ نے کا غلام بنایا، بیٹی کے ساتھ زیادتی کی اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔

شاہ شجاع کے ساتھ آنے والے باقی ماندہ افراد کو تابعدار کرنے کے بعد شاہی کمان بردار یونٹ میں شامل کر دیا گیا جہاں سے ان کا نام کمان پڑ گیا۔ یہی افراد موجودہ مسلمان کمان نسل کے آباء واجداد ہیں۔ دوسری طرف اور نگزیب کی طرف سے بنگال کے نئے گورنر شائستہ خان نے حملہ کیا اور اراکان سے چٹاگانگ، رامو، مشرقی بنگال، سنڈوپ، ڈیانگا اپنے قبضہ میں لیے لیا اور دریائے ناف تک کے علاقے کو بنگال میں شامل کر لیا۔ سندا تھودما کی ۱۶۸۴ء میں وفات کے بعد (کمان) مسلمان شمالی ہند سے آنے والے افغان تاجروں کے ساتھ مل کر بہت طاقتور ہو گئے اور تخت اراکان کے (بادشاہ گر) بن گئے۔ ہند سے آنے والے مزید سپاہیوں نے بھی ان کی مدد کی۔ اس طرح کمان اراکان پر ۱۶۸۴ء سے ۱۷۱۰ء تک غالب رہے یہاں تک کہ بادشاہ سنداویزایا نے انہیں دبایا اور اکثر کمان کو اراکان کے ایک جزیرے (رام ری) اور شہر (اکیاپ) کے نزدیک ایک گاؤں میں جلاوطن کر دیا۔ آج کل کمان نسل سرکاری طور پر برما کی ایک سویتینتیس (۱۳۵) اقلیتی نسلوں میں سے ایک مسلم اقلیت شمار ہوتی ہے۔ اور ان کی آبادی تقریباً ۵۰ ہزار ہے۔ سندا تھودما مراک یو بادشاہت کا آخری طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کے بعد ۱۰۰ سال تک مراک یو بادشاہت رہی لیکن انتہائی کمزور حالت میں یہاں تک کہ بامار قوم نے اراکان پر حملہ کر کے ان کا اقتدار ختم کر ڈالا۔

۱۷۸۵: بامار کا اراکان پر حملہ

۱۷۸۵ء میں برمی راجہ بودھوپیہ نے اراکان پر حملہ کر کے مراک یو بادشاہت ختم کر دی۔ اس سے پہلے تک اراکان ایک آزاد خود مختار بادشاہت رہا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں ۳۵ ہزار اراکانی بامار قوم کے ظلم سے بچنے کے لیے اس وقت برطانوی بنگال کے تابع چٹاگانگ میں پناہ گزین ہوئے۔ بامار نے ہزاروں اراکانیوں کو قتل کیا اور بڑی تعداد کو وسطی برما منتقل کر دیا۔ یہاں تک کہ جب برطانیہ نے اراکان پر قبضہ کیا تو وہاں کی آبادی انتہائی کم تھی۔ اس راجے نے اراکان کے بعد منی پور اور آسام پر بھی قبضہ کیا جو کہ آج کل انڈیا میں واقع ہیں۔

دیے تاکہ وہ ان کے اور چاچانی فوج اور ان کے حمایت یافتہ راکھین بدھوں کے درمیان بفرزوں بن جائیں۔

پھر آہستہ آہستہ اتحادی ممالک نے دوبارہ سے اپنے آپ کو برما میں منظم کیا اور ۱۹۴۵ میں جاپانی فوج کو شکست دے دی۔ اگرچہ شروع میں بہت سے برمیوں نے برما کی آزادی کی خاطر جاپانی فوج کی حمایت کی تھی لیکن بہت سے برمی خصوصاً برما کی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے ایسے بھی تھے جو برطانیہ کی برمی فوج میں لڑ رہے تھے۔ شروع میں برما نیشنل آرمی اور اراکان نیشنل آرمی جاپان کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے لیکن ۱۹۴۵ میں جاپان کی شکست کو دیکھتے ہوئے جاپان کو چھوڑ کر اتحادیوں کے ساتھ مل گئی۔

۱۹۴۷ میں بارما قوم سے تعلق رکھنے والے آنگ سان نے دیگر نسلی اقلیتوں کے قائدین کے ساتھ پانگلاگ مذاکرات کیے جس کے نتیجے میں عارضی حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہوا لیکن اس کے حریفوں نے جلد ہی اسے قتل کر دیا۔

۱۹۴۲: مسلم بدھ فسادات اور قتل عام

جنگ عظیم دوم کی اس کشمکش کے دوران ہی ۱۹۴۲ میں اراکان میں مشہور قتل عام ہوا۔ جس میں روہنگیا کے ۵ ہزار اور بدھوں کے ۲۰ ہزار قتل ہوئے۔ جہاں برطانیہ اپنے مقاصد کے لیے مسلمانوں کی پشت پناہی کر رہا تھا وہیں جاپان بدھوں کا ساتھ دے رہا تھا۔ چنانچہ جاپانی فوج برما کے بقیہ علاقوں کی طرح اراکان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ جنسی زیادتی، قتل اور تشدد کی مرتکب ہوئی۔ جس کے نتیجے میں تقریباً ۲۲ ہزار مسلمان اراکان سے برطانوی بنگال منتقل ہوئے۔ اس وقت پورے برما سے مسلمانوں کے علاوہ بہت سے برمی انڈین، اینگلو برمی اور برطانوی بھی منتقل ہوئے۔ برطانوی فوج نے روہنگیا مسلمانوں کو دوبارہ اراکان میں آباد کرنے کے لیے روہنگیا کی ایک رضاکار فورس بنائی اور انہیں اسلحہ فراہم کیا۔ اس طرح جاپان اور اتحادیوں کے درمیان تین سالہ جنگ کے دوران اراکان میں بھی فسادات جاری رہے۔ اور اس وقت سے یہ علاقہ نسلی طور پر تقسیم ہو گیا۔ اس قسم کے فسادات صرف اراکان میں نہیں ہوئے بلکہ پورے برما ہوئے۔

۱۹۴۸: پاکستان سے الحاق کا مطالبہ مسترد

۴ جنوری ۱۹۴۸ کو برما برطانیہ سے آزاد ہوا۔ برطانیہ سے برما کی آزادی سے پہلے ہی اراکان کے مسلم قائدین نے محمد علی جناح سے ملاقات کی اور اس سے مایو Mayu یعنی مغربی اراکان کے علاقے کو مذہبی اور جغرافیائی روابط کی بنا پر پاکستان میں شامل کرنے کی اپیل کی۔ نیز اراکان کے دارالحکومت آکریاب (حالیہ سائیٹو) میں مسلم لیگ قائم کر کے پاکستان میں شمولیت کا مطالبہ کیا۔ لیکن یہ درخواست کبھی بھی قبول نہیں ہوئی کیونکہ محمد علی جناح نے علانیہ اس کی مخالفت یہ

کہتے ہوئے کی کہ ”وہ برمی امور میں مداخلت کی پوزیشن میں نہیں ہے“۔ محمد علی جناح کے انکار کے نتیجے میں روہنگیا کے بڑوں نے شمالی اراکان میں (مجاہد) پارٹی بنائی جس کا مقصد اراکان میں مسلم خود مختار ریاست قائم کرنا تھا۔

۱۹۴۸: مجاہدین تحریک

۱۹۴۸ میں جہاں برما برطانیہ سے آزاد ہوا وہیں برمی حکومت نے روہنگیا کو شہری تسلیم کرنے سے بھی انکار کیا۔ جس کے نتیجے میں تحریک مجاہدین کو مزید تقویت ملی۔ ذہن میں رہے کہ اس دوران اراکان میں راکھین بدھوں کی علیحدگی پسند تحریک بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ان دو تحریکوں کی وجہ سے مسلمان اور بدھوں میں مستقل عدم اعتماد اور دشمنی کی فضا قائم رہی۔ اس طرح روہنگیا مسلمانوں کے سامنے دو دشمن تھے۔ مرکزی سطح پر بارما بدھ اور مقامی سطح پر راکھین بدھ۔ ۱۹۵۰ کی دہائی میں اراکانی مسلمانوں نے اپنے لیے روہنگیا کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا تاکہ اپنے آپ کو اراکان کا اصلی باشندہ ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی الگ شناخت کو بھی برقرار رکھیں۔

اس عرصے میں جنگ عظیم دوم کے دوران چٹاگانگ میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلسل واپس آتے رہے لیکن برما کی حکومت انہیں غیر قانونی مہاجرین کہتی رہی اور بہت کو واپس آنے سے زبردستی روکا بھی۔ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

اعلام / میڈیا کے شہسواروں کے نام!

”اس عظیم فرض کو ادا کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے لیے اخلاص نیت، صدق دل سے توجہ، اور محض اسی کے لیے ہو جانے کو نہ بھولیے۔ اس لیے کہ آپ کے کام میں یہی نزول برکت کا سبب ہے۔ آپ جہاد کی زندہ آواز ہیں، اس کا چمکتا ہوا نیزہ ہیں، اس کے روشنی والے گولے ہیں..... جنہوں نے بیت ابیض (وائٹ ہاوس) میں بیٹھے ائمۃ الکفر کی نیندیں اڑادیں۔ آپ واقعی اللہ کے بہادر جوان، متقی اور گمنام [نظروں سے اوجھل، چھپے] مردان کار ہیں۔ اللہ نے آپ کو چننا ہے تاکہ آپ ہمت بڑھانے، عزم مصمم کرنے اور مومنوں کے لیے ثابت قدم رہنے کا سبب بنیں۔“

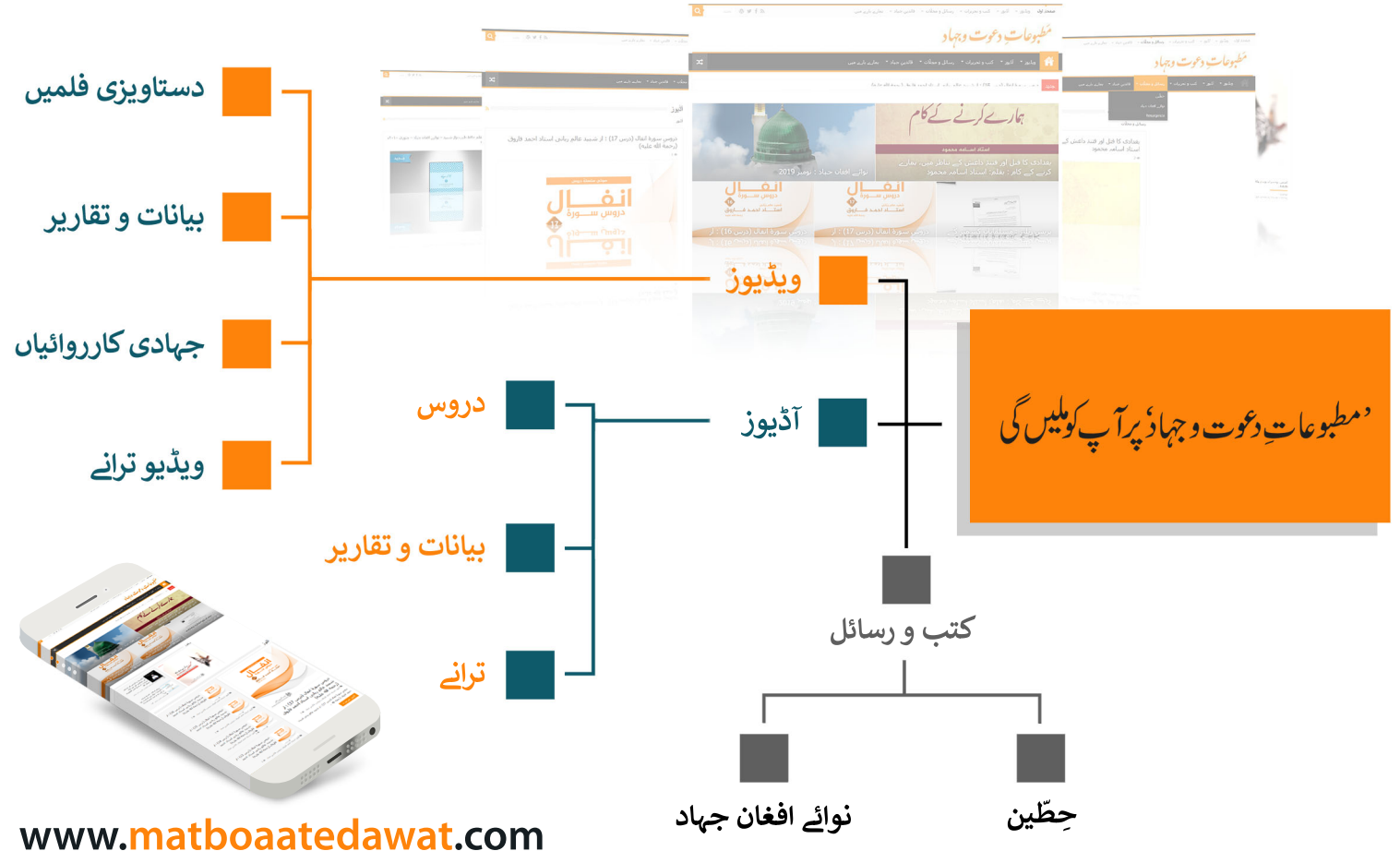
(الشیخ المجاہد مصطفیٰ ابویزید شہید رحمہ اللہ)

مَطْبوعاتِ دَعوت و جہاد

دعوتی و جہادی مواد پر مشتمل آن لائن لائبریری

www.matboaatedawat.com

اہم دعوتی و جہادی مواد اب ایک کلک کی دوری پر



نور باقی جان

حافظ صہیب غوری

شہید ابوتراب اپنے اعلیٰ اخلاق، سادگی، خندہ پیشانی، مہمان نوازی، محبت و شفقت، جرأت و شجاعت کی وجہ سے انصار و مجاہدین، عرب و عجم ہر ایک میں ہر دلعزیز اور محبوب تھے۔ الغرض ابوتراب بھائی سے تعلق کی نسبت سے ہماری ملاقات خدر خیل قوم کے علماء و مجاہدین سے ہوئی۔ مجاہدین نے ہمارا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور مجاہدین کے امیر نے ہر قسم کی مدد و نصرت کرنے اور اپنے گھر بار کو ہمارے لیے وقف کرنے کے ارادے کا اظہار کیا۔ ہم ان مجاہدین کے اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہمارے امیر صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں انہی مجاہدین کے ساتھ اپنی رہائش کی ترتیب بناؤں۔ ابھی ہم مقامی مجاہدین کے امیر کے ساتھ گھر کی ترتیب کے حوالے سے مشورہ کر رہے تھے کہ اچانک مقامیوں کے مرکز میں ہنستا مسکراتا اور حیوا و شرم کی وجہ سے جھکائی نظروں والا ایک بائیس تیس سالہ مقامی بھائی نمودار ہوا۔ ہمیں دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ محبت آمیز مسکراہٹ سے ہمیں دیکھتا رہا اور ’سُتْرے ماشے‘ (ابتدائی حال احوال) کے بعد ہم سے ہنسی مذاق اور مہاجرین سے منسوب کچھ لطیفے ہمیں سنانے لگا۔ ہمارے ساتھ اس وقت کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے مجاہد شہید بلال ظہور بھی تھے جو کہ شاکر اللہ بھائی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ شاکر اللہ بھائی کو بعد میں ۲۰۱۶ء میں آئی ایس آئی کے وحشی درندوں نے جعلی انکوائسٹر میں شہید کر دیا۔ شاکر اللہ بھائی نے میرا تعارف اس مقامی بھائی سے کروایا کہ یہ بھائی ’بے زڑہ وزیر‘ ہے اور یہ شہید ابوتراب رحمہ اللہ کے قریبی انصاروں میں سے رہا ہے اور مہاجر مجاہدین سے کافی دلی تعلق رکھتا ہے۔ غرض یہ میری اپنے دوست ’بے زڑہ‘ سے پہلی ملاقات تھی۔

نور باقی جان کا ابتدائی تعارف

’بے زڑہ‘ کا حقیقی نام نور باقی جان وزیر تھا۔ اس کا تخلص اس وقت ’بے زڑہ‘ تھا۔ مجاہدین کے ہاں یہ روایت ہے کہ وہ مخابروں پر گفتگو کے لیے یا دوسرے عسکری کاموں کے لیے اپنا نام تبدیل کر کے رمزی^۱ نام اختیار کرتے ہیں، ان ناموں کو تخلص کہا جاتا ہے۔ مجاہدین کی معاشرت میں ایک دوسرے کو انہیں تخلص ہی سے شناخت کیا جاتا ہے۔ پہلے تو ہم اس تخلص کو سن کر ڈر گئے، کیونکہ پشتو میں ’زڑہ‘ دراصل دل کو کہتے ہیں اور ہماری پشتو دانہ نے بے زڑہ کا ترجمہ بے دل یا بے رحم سے کیا جو کوئی مثبت صفت نہیں تھی کہ جس کو تخلص بنایا جائے۔ مگر بعد میں علم ہوا

یہ سن ۲۰۰۹ء کی سر دیوں کی بات ہے۔ میرا شاہ سے لواڑہ بارڈر کی طرف جاتے ہوئے دتہ خیل سے گزرا تو ایک بھائی نے یاد کر لیا کہ دتہ خیل میں وزیر قوم کی شاخ خدر خیل وزیر قبیلے کے مجاہدین اور عوام کے ساتھ ایبٹ آباد کے مجاہد کماندان، جرأت و کردار کے پیکر شہید ابوتراب رحمہ اللہ کا بہت قریبی تعلق رہا ہے اور خدر خیل قبیلے کے مجاہدین شہید ابوتراب رحمہ اللہ اور ان سے نسبت رکھنے والے مجاہدین کو بہت محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ دتہ خیل کے مقامی مجاہدین نے اپنے گروپ کا نام بھی ابوتراب رحمہ اللہ کی نسبت سے ’تراب کاروان‘ رکھا ہے۔

فخر سرزمین ہزارہ

سرزمین ہزارہ کے باسی عالم زیب جو بعد میں ابوتراب الباکستانی کے نام سے مجاہدین میں مشہور ہوئے، ایک باہمت اور اعلیٰ صفات کے حامل پاکستانی مجاہد کماندان تھے۔ جہاد کشمیر سے جڑنے کے بعد امارت اسلامیہ کے زمانے ہی سے محاذ اول کی جان و رونق تھے۔ شریعت اسلامیہ کا علم سنبھالے طالبان کی مغربی آلہ کار شمالی اتحاد سے لڑائیوں میں بگرام اور اس کے گرد و نواح میں مختلف محاذوں پر دادرشجاعت دیتے رہے۔ اسی زمانے سے عرب مجاہدین سے جڑ گئے اور بگرام کے محاذ پر عرب و عجم کے مجاہدین کے ایک گروپ کے قائد رہے۔ گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد کے حالات میں مہاجرین کو پاکستان میں پناہ دینے اور دیگر سہولیات فراہم کرنے کے کاموں میں مصروف رہے۔ وزیرستان نے جب دارالہجرت والہجہاد کی صورت حال اختیار کر لی تو شہید ابوتراب بھی اپنے امراء کے امر پر وزیرستان تشریف لے گئے۔ یہاں تنظیم القاعدہ میں مختلف ذمہ داریاں نبھانے کے بعد اپنی آخری عمر میں پاک افغان سرحد پر واقع لواڑہ نامی بارڈر پر قائم محاذ جنگ کے تنظیم القاعدہ کے مسئول بنے۔ اپنی اسی مسئولیت کے دوران کسی مشورے کے لیے تنظیم القاعدہ کے مسئول عسکری شیخ ابو عبد اللہ ابراہیم المہاجر المصری سے ملاقات کے لیے میرا شاہ کے گاؤں نغز کلی میں شیخ ابراہیم کے مکان پر تشریف لے گئے جہاں پر رات میں بد بخت بزدل امریکیوں نے ڈرون طیاروں سے شیخ کے مکان کو نشانہ بنایا اور شیخ ابراہیم مصری، نعیم عراقی، ایک اور عرب بھائی سمیت ابوتراب بھائی اور ان کے ساتھی خوشاب کے ملک عاطف اعوان، یہ کل پانچ مجاہدین اس حملے میں شہید ہو گئے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

^۱ کوڈ نام

کہ ’بے زڑہ‘ کی تعبیر بے باک، بہادر اور دلیر شخصیت سے کی جاتی ہے۔ نور باقی جان کو بعد ازاں ’شہیدی‘ اور پھر ’خیر‘ کے تخلص سے بھی مجاہدین میں جانا گیا۔ بالآخر ۲۰۱۴ء کے امریکی پاکستانی ضربِ عضب آپریشن کے دوران مجاہدین کے سامان کو محفوظ مقام کی طرف منتقل کرتے ہوئے نور باقی جان، پاکستانی فوج کے جاسوسی نظام کی مدد سے ہونے والے امریکی ڈرون حملے میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو، جنت الفردوس کو اس کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔

۲۰۰۹ء سے لے کر ۲۰۱۴ء کے اواخر میں اس کی شہادت تک تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہو گا کہ جس میں نور باقی جان اور میں اکثر اوقات میں اکٹھے رہے۔ ان پانچ سالوں میں بیشتر وقت میری رہائش نور باقی جان کے گھر کے قریب ہی رہی اور مجاہدین کی اصطلاح کے مطابق وہ ہمارا اس عرصے میں انصار رہا۔ ایک ایسا انصار کہ جس پر انصار و نصرت کی ہر تعریف صادر آتی ہے۔ حالات جس قسم کے بھی ہوں اور موسم کی جو بھی صورت حال ہو، اللہ کا یہ شیر اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جہاد اور اہل جہاد کی مدد و نصرت پر کمر بستہ رہا۔ وہ ہماری نصرت کرنے کی بدولت ہمارا انصار بھی تھا اور ہمارا حصہ و دست و بازو ہونے کی وجہ سے ہمارا اپنا ساتھی بھی۔ وزیرستان میں مقامی انصاروں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وہ جو کہ اپنے مقامی جہادی گروپوں کا حصہ ہوتے ہوئے اور مقامی سرگرمیوں میں شمولیت کرتے ہوئے اپنے فارغ وقت کو مہاجرین کی مدد و نصرت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو باقاعدہ مہاجر مجاہدین کے گروپوں کا حصہ ہوتے تھے اور ہر قسم کی مصروفیات کو چھوڑ کر جہاد کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہوتے تھے۔ ہمارا نور باقی جان انصار کی ان دونوں صفات پر پورا اترتا تھا۔

ہمارے تعارف کے ابتدائی ایام میں ہی مقامی امیر نے نور باقی جان کو ہماری خدمت اور نصرت کے لیے وقف کر دیا۔ اللہ ان کو دنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزا دے اور ان کا اپنی شان کے مطابق اعزاز و اکرام کرے۔ ایسا نہیں تھا کہ نور باقی جان کوئی فارغ یا بیکار انسان تھا، بلکہ وہ تو مقامی مجاہدین کا سب سے زیادہ فعال، دلیر اور باصلاحیت نوجوان تھا۔ وہ ان شخصیات میں سے تھا کہ جو کسی جہادی گروپ کی جان ہوتے ہیں اور بیشتر مشکل اور اہم مواقع پر جنہیں یاد کیا جاتا ہے۔ جو خطرات میں کودتے اور مشکل میں کام آتے ہیں۔ مگر کیا کہیں وزیرستان کے عظیم مجاہدین کی ایثار و احسان کی کیفیت کہ جس میں وہ اپنی ضرورت پر اپنے مہاجر بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے اور اپنا سب سے قیمتی اور نفیس حصہ نکال کر مہاجرین کو پیش کرتے۔ اس طرح نور باقی جان ہمارا انصار بھی تھا، رہبر بھی تھا، مقامی مشاور بھی تھا، رازدار ساتھی بھی تھا، جنگی کماندان بھی تھا اور اداریات (لاجسٹک) کا ذمہ دار بھی تھا۔

ان پانچ سالوں میں کئی دفعہ ایسے مواقع آئے کہ جب صادق اور کاذب میں فرق ہو جاتا ہے۔ سچی محبت اور جھوٹے دعووں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ فوجی آپریشن، ڈرون کی تباہ کاریاں، اقتصادی مشکلات، مقامی منافقین کے پیدا کردہ فتنے، موسمی شدائد، بیماریاں اور گھریلو ٹینشنیں..... یعنی کتنے ہی مواقع ایسے آئے کہ شاید ایک عام آدمی کے لیے اس میں پیچھے ہٹنے کا بہانہ بن سکتا ہو، مگر نور باقی جان تو کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ وہ تو اللہ کا ایک ایسا ولی تھا جس کا دل اور دماغ بس اپنے رب کے دین کی مدد کرنے کے لیے ہی کام کرتا تھا۔ اسلام کی نصرت، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو دنیا بھر میں نافذ کرنے کی کوشش کرنا اور اس کلمے کے رشتے کی خاطر اپنے مہاجر بھائیوں کو سہولیت فراہم کرنے کا یہ جذبہ اس کو میٹھے ہی نہیں دیتا تھا۔ اس کو ہر کام کرنا آتا تھا مگر ٹھکانا یا پیچھے ہٹنا نہیں آتا تھا۔

نور باقی جان ایک سادہ سا مسلمان تھا۔ انک انک کر ناظرہ قرآن پڑھنا اور نماز میں پڑھی جانے والی چند آخری سورتوں کے علاوہ اس کی کوئی نہ دینی تعلیم تھی اور نہ ہی دنیاوی۔ اہل دنیا کی تعریف میں وہ بالکل ان پڑھ تھا۔ لیکن جتنا ہم نے اس کو دیکھا اور جانا، ایمان اور ایمانی جذبات اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے پائے۔ اسلام سے محبت اور بنیادی دینی اخلاقیات اس کی شخصیت کا عام مظہر تھے۔ میں اس کے اخلاق اور کردار کو سوچتا ہوں تو اپنے پاکیزہ دین اسلام کی عظمت دل میں مزید بڑھ جاتی ہے کہ کیسے ایک سادے ان پڑھ نوجوان کے دل و جان کو بھی ایسے ہی منور کر دیتا ہے کہ جیسا کہ ایک عالم فاضل کو۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا دین فطرت کا دین ہے، یہ سب کا دین ہے، ہر قوم، ہر زبان، ہر وطن، ہر زمانے اور ہر قسم کے سابقے اور پس منظر رکھنے والے کے جسم و جان میں گھس سکتا ہے اور پھر اس گوشت پوست کے انسان کو اتنی عظمت پر پہنچا سکتا ہے کہ جس پر فرشتے بھی رشک کریں۔

نور باقی جان ان لوگوں میں سے تھا کہ جن سے مجھے بے حد محبت تھی اور ہے اور شاید وہ ان لوگوں میں سے بھی ہے کہ جن کے مجھ پر بے انتہا احسانات ہیں۔ اس شیر خدا کی صفات کا احاطہ تو میرے بس کی بات نہیں البتہ اس کے ساتھ بیٹے ایام کی یادوں کے کچھ جھروکے بیان کرنا مفید محسوس ہوتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے ایک اہم موضوع!

انصار سے محبت ایمان کی علامت

دفاعِ دین یا غلبہِ دین کی جو کوئی بھی تحریک اٹھے، اس کے بنیادی دو گروہ انصار و مہاجرین ہوتے ہیں۔ ایک گروہ اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھر بار، اعزاء و اقارب، مال و اجداد کو چھوڑ کر کسی ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرتا ہے جہاں پر وہ اپنے دین کی نصرت و مدد آسانی کے ساتھ کر سکے اور دوسرا گروہ بے سرو سامان غریب الدیار مہاجرین کو اپنے گھروں اور علاقوں میں ٹھکانہ دیتا

ہے، ان کی حفاظت و نصرت کرتا ہے اور غلبہ دین کی تحریک میں ان کا مدد و معاون بن جاتا ہے۔ ان ہی دونوں گروہوں کو قرآن عظیم الشان میں حقیقی مومن کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لِلدِّينِ الْأَوْفَىٰ وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورۃ الانفال: ۷۴)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔“

پھر ہمارا دین تو ایک زندہ دین ہے، قرآن ایک زندہ کتاب ہے۔ وہ طبقات جو اواکل اسلام میں موجود تھے اور جن کو قرآن مخاطب کرتا ہے اور ان کی صفات بیان کرتا ہے وہی طبقات آج بھی اسی طرح موجود ہیں۔ اہل ایمان، مجاہدین، مہاجرین، انصار، کفار، منافقین وغیرہ وغیرہ جس طرح پہلے زمانے کے اندر موجود تھے آج بھی اپنے اولین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے

آخرین میں بھی ایسے طبقات اور شخصیات نظر آتی ہیں۔ پہلوں کی صفات کا پرتو اور جھلک اس آخر الزمان میں بھی نظر آتا ہے۔ جس طرح انصارانِ مدینہ علیہم رضوان اللہ نے اپنے گھروں اور بستیوں میں اپنے مہاجر

بھائیوں کو بسایا اور پھر ان کے دفاع اور نصرت میں کسی قسم کی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، بالکل اسی طرح آج چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد انصارانِ وزیرستان اور دیگر قبائل نے اپنے مہاجر بھائیوں کے دفاع اور ان کی نصرت میں ایسے ایسے کام سرانجام دیے کہ جن کو سن کر آج اس مادیت کی پرستش کے دور میں ان کا تصور بھی مشکل ہے۔ اپنے مہاجر بھائیوں کے دفاع ہی کا جذبہ تو تھا کہ جس کی خاطر یہ قبائل، طاقت اور قوت میں کئی گنا بڑی اور دنیا کی بعض منظم ترین فوجوں میں سے ایک فوج، پاکستانی فوج تک سے ٹکرا گئے اور اسے قبائل کے کوہ و دمن میں ناکوں پہنے چبوائے۔ پھر اسی راہ میں شہادتیں، قید و بند، نقل مکانی و در بدری، جائیداد اور معیشت کے تباہ ہونے، غرض کسی قسم کی بھی قربانی سے پیچھے نہیں ہٹے۔ جب بھی حالات خراب ہوتے اور خطرات بڑھ جاتے تو اپنے سینوں کو آگے کر کے اپنے مہاجرین بھائیوں اور بہنوں کا دفاع کرتے اور بے خطر آتش نمرود میں کود جاتے۔ کتنی دفعہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا کہ جب کبھی رات میں ڈرون طیاروں کی پروازیں بہت بڑھ جاتیں اور مہاجرین جو کہ ڈرون طیاروں کا عمومی ہدف ہوتے تھے، کے لیے خطرہ زیادہ محسوس ہوتا تو انصار بھائی اس کمرے، کہ

جس میں مہاجرین کو سونا ہوتا تھا، کی چھت پر جا کر سو جاتا تاکہ اگر رات کے کسی پہر میں ڈرون اس کمرے پر میزائل کا وار کرے تو پہلے انصاری خود شہید ہو اور اس کے ٹکڑے ہونے کے بعد اس کے مہاجر بھائی کو تکلیف پہنچنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ یہ محض ایک مثال ہے ورنہ ہجرت وزیرستان کے زمانے میں روزمرہ کی زندگی میں ایسے کتنے ہی واقعات دیکھنے میں آتے تھے۔

پھر انصار سے محبت تو ایمان کا حصہ ہے، کیونکہ ان سے محبت ان کے دین کی محبت اور اس کی نصرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جتنا انصار و مہاجرین میں محبت و قربت بڑھے، ایک دوسرے پر اعتماد و بھروسہ بڑھے، اتنا ہی کسی جہادی تحریک کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ اپنے انصار سے دلی قربت، ان سے محبت و شفقت، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، ان کے دلی احساسات کو سمجھنا اور ان کا اعتبار کرنا، ان کی عزت و اکرام کرنا، ان کے احسان کا حتی الامکان بہترین بدل دینے کی کوشش کرنا، ان کی خوشی و غمی میں ان کے ساتھ شریک رہنا، ان کے دینی و اخلاقی معاملات میں اصلاح و تربیت کرنا، ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا۔ انصار کے ساتھ تعامل میں اگر ان سب معاملات کو نگاہ میں رکھا جائے تو نہ صرف یہ کہ باہمی تعلق بڑھتا جاتا ہے بلکہ جہادی صفوف سیدہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہو جاتی ہیں۔

انصار و مہاجرین کے تعلق کی اہمیت اور کفر کے لیے اس کے خطر کو سمجھنے کی وجہ سے ہر زمانے میں کفار اور منافقین کی یہ خواہش رہتی ہے کہ مختلف بہانوں اور فتنوں کے ذریعے سے ان دونوں گروہوں کے درمیان بدگمانی پھیلا کر فاصلے پیدا کیے جائیں۔

انصار و مہاجرین کے تعلق کی اہمیت اور کفر کے لیے اس کے خطر کو سمجھنے کی وجہ سے ہر

زمانے میں کفار اور منافقین کی یہ خواہش رہتی ہے کہ مختلف بہانوں اور فتنوں کے ذریعے سے ان دونوں گروہوں کے درمیان بدگمانی پھیلا کر فاصلے پیدا کیے جائیں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب اس زمانے میں انصارانِ مدینہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انصار موجود ہوں تو عبد اللہ بن ابی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایسے منافقین نہ ہوں کہ جو قومیت اور وطنیت کی عصبیتوں کے علم اٹھا کر اہل ایمان کے ان دونوں عظیم گروہوں میں فساد برپا کریں۔ پس دفاعِ دین کی ہر تحریک کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر اس فتنے سے ہوشیار رہیں اور اس کے سد باب کی کوشش کریں کہ جو انصار اور مہاجرین کے رشتے میں دراڑ ڈالنے کی کوشش کرے۔

انصار اور بالخصوص انصارانِ وزیرستان کے موضوع پر تمہیدی نکات کے بعد، بات کا رخ پھر اپنے محبوب بھائی نور باقی جان وزیر کی طرف موڑتے ہیں۔

خاندانی تعارف

نور باقی جان کا تعلق شمالی وزیرستان کے ممتاز ذیلی قبائل کی ذیلی شاخ مامید خیل کی ذیلی شاخ خدر خیل سے تھا۔ اس قبیلے کے خاندان دتہ خیل بازار کے شمال اور جنوب میں دریائے ٹوبی کے اطراف میں آباد ہیں۔ نور باقی جان کا گھرانہ ایک باشرع دیندار اور علاقے کا معزز گھرانہ تھا۔ ان کا خاندان ’فقیران‘ کے نام سے جانا جاتا تھا جو کہ وزیرستان میں بالعموم سادات کو کہا جاتا ہے۔ اس کے نانا تاربخ اسلام کے عظیم مجاہد حاجی میرزا علی خان (اپنی فقیر) رحمہ اللہ کے قریبی جانثار مجاہدین میں سے تھے۔ خود نور باقی جان کے بزرگ والد صاحب چالیس اور پچاس کی دہائیوں میں حاجی صاحب میرزا علی خان رحمہ اللہ کی انگریزی لشکر سے ہونے والی لڑائیوں میں شریک رہے تھے۔ انگریزوں کے لشکر کو دتہ خیل کی سڑک پر روک کر توڑے دار بندوقوں، پتھروں اور تلواروں سے تھس تھس کرنے کے واقعے کو اپنے خاندانی بزرگوں سے سن کر نور باقی جان ہمیں مزے لے لے کر سنایا کرتا تھا۔ نور باقی جان کے دو بڑے بھائی تھے جن میں سے ایک خدا ترس عالم دین تھے اور مقامی مدرسے میں استاد تھے اور دوسرے مزدوری کرنے کے لیے سعودی عرب گئے ہوئے تھے۔ اپنے گھرانے میں محض نور باقی جان ہی غیر شادی شدہ تھا۔

اے خدا! صرف تیرے لیے

پہلے دن سے لے کر اس کی شہادت تک اس کے ہر عمل اور ہر رویے سے اخلاص جھلکتا تھا۔ اس طویل جہادی زندگی میں اس نے ہمارا کتنا ساتھ دیا اور اس راہ میں اس نے کتنی تکلیفیں برداشت کیں مگر اس کے چہرے پر اطمینان ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ بس اللہ کے لیے ہے۔ اس کے تاثرات کا ایک ہی عنوان تھا کہ ’حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا‘۔ دین کی نصرت اور مدد کے عوض میں دنیا کی نہ کسی چیز کی اس نے کبھی خواہش کی اور نہ ہی کسی دنیاوی مقصد کے لیے اس نے اپنے اعمال کو بیان کیا۔ اس نے اپنا سب کچھ اور ساری صلاحیت جہاد کی نصرت میں لٹادی مگر کبھی کسی ایک سوئی جتنی چیز کا بھی مطالبہ نہیں کیا۔ اس کے گھرانے کی معاشی صورت حال کچھ اچھی نہیں تھی۔ بڑے بھائی کی مدرسے کی تنخواہ تو نہ ہونے کے برابر تھی جبکہ دوسرے بڑے بھائی کی مزدوری کے پیسے اس قرضے کو اتارنے میں لگائے جاتے تھے کہ جو ان کے سعودی عرب کے ویزے اور سفر کے لیے لیا گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس گھرانے نے کبھی ہم سے کچھ نہ مانگا اور نہ ہی اپنی غربت کا ایسا رونا رویا کہ جس سے دوسرا خود ہی صدقہ دینے پر تیار ہو جائے۔ ان کی بیٹھک میں مہمانوں کے علاوہ ہمارے ساتھی مستقل ہی موجود ہوتے تھے،

جہاں پر ان کی خدمت اور خاطر تواضع میں نہ کبھی کی آئی اور نہ ہی اس کے ماتھے پر کوئی شکن پڑی۔ بعض اوقات حالات اتنے خراب ہو جاتے اور لوگ بھی کہنے لگتے کہ نور باقی جان کا گھر امریکیوں کے نشانے پر ہے اور اگلا ڈرون حملہ اس کے گھر پر ہو گا مگر پھر بھی کبھی نہ اس نے اور نہ ہی اس کے گھر کے کسی اور فرد نے ہمیں وہاں سے کہیں اور جانے کا کہا۔

اس کی بیٹھک ہمارا مہمان خانہ بھی ہوتا اور مرکز بھی۔ ایک طرف ہم مہاجرین کی وہاں پر کثرت سے آمد و رفت اور دوسری طرف اس گھرانے کی ابتر معاشی صورت حال، یہ جان کر ہم نے مشورہ کیا کہ ماہانہ بنیاد پر کچھ رقم نور باقی جان کے گھرانے کو دی جائے جس سے وہ ہمارے ساتھیوں کی مستقل مہمان نوازی پر آنے والے اخراجات کو ادا کر سکیں۔ مگر اس بات کو ماننے سے اس نے اور اس کے بھائیوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار کا انداز اتنا سخت اور قطعی تھا کہ ہمیں دوبارہ بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پھر کچھ عرصے بعد ہم نے سوچا کہ جتنے ہمارے ساتھی مستقل ان کے مہمان خانے میں آتے جاتے ہیں اسی انداز سے ہم راشن خرید کر ان کے گھر دے دیتے ہیں کیونکہ وہ ویسے تو پیسے نہیں لیتے شاید اس بہانے راشن وصول کر لیں۔ الغرض ہم نے آٹا، گھی، چینی، چاول وغیرہ مناسب مقدار میں ان کے گھر میں دے دیے اور ہمارے زور و اصرار پر انہوں نے یہ اپنے گھر میں رکھ ہی لیے۔ مگر کچھ عرصے بعد دوبارہ یہ راشن بھی واپس کر دیا کہ ہم سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ ہم اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ وصول کریں، ہم تو آپ کو دینے کی تمنا میں کرتے ہیں، لے کیسے سکتے ہیں؟

’میں گاڑی نہیں چلا سکتا‘۔ عجیب تواضع

نور باقی جان کے اعلیٰ اخلاق اور تواضع کی ایک مثال اس وقت کی ہے کہ جب میری اس سے جان پہچان کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ ویسے بھی سفر میں ہی کسی کے اخلاق کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ پاکستانی فوج نے بنوں میرانشاہ عمومی شاہراہ پر تلاشی اور سختی بڑھادی تھی اور کسی باہر کے فرد کو خصوصی اجازت کے بغیر وہاں جانے سے روک دیا تھا۔ ایسے میں مجاہدین کے لیے پاکستان کے بندوبستی علاقوں سے آمد و رفت رکھنا بہت دشوار ہو گیا۔ ایسے میں مجاہدین نے ایک اور راستے کو اپنے سفر کے لیے اختیار کرنا شروع کیا جو کہ بنوں کے بجائے ضلع ہنگو میں جا کر نکلتا تھا۔ اسی نئے راستے کی ترتیب بنانے کے لیے میں اور نور باقی جان ضلع ہنگو سے متصل وزیرستان کی تحصیل شادہ کی طرف گئے اور وہاں پر کچھ وقت گزارا اور وہاں کے مجاہدین اور ہمدرد انصاروں سے ملاقاتیں کیں۔ ہمارے پاس ٹویٹا بھائی لکس ڈبل کین گاڑی تھی۔ واپسی پر ہم تھکے ہوئے بھی تھے اور پہنچنے کی جلدی بھی تھی مگر جوں ہی ہم نے گاڑی کا رخ واپسی کے لیے

¹ غالباً یہ لفظ ’محمود خیل‘ ہو گا مگر وزیری لہجے میں اسے ’مامید خیل‘ ہی کہا جاتا ہے۔

میرانشاہ کی طرف موڑا تو ہماری نظر کچھ ایسے مجاہدین کی طرف پڑی جو کہ پیدل چلے آرہے ہیں اور ان کے چہروں اور لباس سے تھکاوٹ اور طویل سفر کی علامات واضح ہیں۔ یہ مجاہدین کئی دن کا تھکا دینے والا سفر کر کے خیبر ایجنسی سے شمالی وزیرستان پہنچے تھے۔ نور باقی جان نے مشورہ دیا کہ ہمیں ان مجاہدین کو لازماً اپنی گاڑی پر بٹھا کر ان کی منزل پر پہنچانا چاہیے کیونکہ مجاہد جو بھی ہو اور جہاں کا بھی، اس کی مدد اور نصرت کرنا تو ہم پر فرض ہے۔ پھر نور باقی جان نے ان مجاہدین کو گاڑی کی سیٹوں پر بیٹھنے کا کہا اور خود اتر کر گاڑی کے پیچھے کی باڈی پر اچھل کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر میں اتر اور اسے منانے لگا کہ وہ آگے بیٹھے بلکہ خود گاڑی چلائے، میں پیچھے یا پھر مزید ساتھیوں کے ساتھ تنگ ہو کر سیٹوں پر بیٹھ جاؤں گا۔ مگر وہ مصر رہا کہ میں پیچھے ہی بیٹھوں گا۔ پھر جب میں نے اصرار بڑھایا اور گفتگو طویل پکڑنی گئی تو اس نے کہا کہ ”مجھے گاڑی کہاں چلانا آتی ہے، میں تو یہ گاڑی نہیں چلا سکتا۔“ مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی کیونکہ عمومی وزیرستانی مجاہدین کو گاڑی نہ صرف چلانا آتی تھی اور ہوتے بھی وہ اس کے بہت ماہر تھے۔ خیر اس کی بات سن کر مجھے تسلیم ہونا پڑا اور پھر طویل سفر اس نے اکیلے ہی باڈی پر بیٹھ کر کیا۔ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد میں دتہ خیل کے مجاہدین کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا جہاں پر مجاہدین آپس میں گاڑیوں کے چلانے کے موضوع پر بات کر رہے تھے۔ ایک مجاہد نے باتوں باتوں میں دتہ خیل کے عمدہ ڈرائیوروں کا نام لیا تو ان میں نور باقی جان کا ذکر سرفہرست کیا۔ میرامنہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میں نے کہا کیا نور باقی جان کو گاڑی چلانی بھی آتی ہے؟، تو وہ مقامی مجاہد ہنسا اور کہا کہ نور باقی جان تو علاقے کے اکثر مجاہدین کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے اور وہ ماہر ڈرائیور ہے، اس نے اگر آپ کے سامنے گاڑی چلانے سے انکار کیا ہے تو یہ صرف اس کی تواضع اور آپ کا اکرام تھا۔

خیر، اس واقعے سے جب مجھ پر اس کا ایک اعلیٰ خلق واضح ہوا تو مجھے اس پر مزید اعتماد ہوا کہ اس پر کام کا بوجھ ڈالا جاسکتا ہے۔ پھر اس کے بعد سے لے کر اس کی شہادت تک وہ مہاجرین کی کئی گاڑیوں کی نگرانی، ان کی مرمت اور ان میں اہم سفر کروانے کا ذمہ دار رہا۔ پھر گاڑی ہی سے بات نکلی تو اس سے متعلق اس کے اعلیٰ خلق کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔

باہمت و باعزم

۲۰۰۹ء میں پاکستانی افواج نے شیروں کی کچھار خطہ محسود میں ظالمانہ آپریشن کا آغاز کیا۔ مہاجر مجاہدین پہلے ہی دن سے اپنے محسودی بھائیوں کے دفاع میں شانہ بشانہ کھڑے ہوئے اور محسود کے مختلف علاقوں میں مراکز بنا کر وہاں پر ظالم و وحشی فوج سے دفاعی جنگ کرنے لگے۔ اسی

طرح کا ایک مرکز سپن قمر کے علاقے میں بھی تھا۔ سپن قمر کا محاذ، دتہ خیل کے مغرب میں فلک بوس پہاڑی سلسلوں پر قائم تھا۔ یہ علاقہ سردیوں میں برف میں دھنسا رہتا تھا اور موسم بہار میں برف پگھلنے کے بعد یہاں مجاہدین جمع ہو کر غاصبوں کے خلاف کارروائیاں کرتے تھے۔ سردی کی یہ حالت ہوتی کہ جون و جولائی کے مہینوں میں بھی ٹھنڈے پانی جم جایا کرتا تھا۔ پھر جب موسم سرما کی آمد آمد ہوتی اور برف پڑنے کا وقت قریب آتا تو مجاہدین اپنی کچھاروں سے نیچے اتر جاتے اور پھر سردیوں میں خطہ محسود کے مشرق کے قدرے گرم علاقوں میں اپنی کارروائیاں تیز کرتے۔ سپن قمر کے ایک مرکز میں مجاہدین کو سامان، اسلحے، خوراک کی مواد، زخمیوں کی منتقلی اور ساتھیوں کے محاذ پر آمد و رفت کی ذمہ داری نور باقی جان پر تھی۔ ڈبل کمین گاڑی نور باقی جان کے پاس ہوتی اور مخبرہ اس کے پاس ہوتا۔ پس جس وقت بھی مجاہدین کو محاذ پر ضرورت ہوتی نور باقی جان حالات، وقت، موسم کی پروا کیے بغیر محاذ کی ضروریات پورے کرنے میں سردھڑکی بازی لگا دیتا۔ یہ ذمہ داری کئی سال تک اس نے بحسن خوبی نبھائی۔ غالباً یہ ۲۰۱۲ء کے موسم خزاں کے آخر کی بات ہے، سردی ناقابل برداشت حد تک بڑھ چکی تھی۔ بادل آتے اور جاتے تھے، بس ایسا لگتا تھا کہ برف بس پڑا ہی چاہتی ہے۔ ساتھیوں نے نور باقی جان کو مخبرہ پر رابطہ کر کے بلوایا کہ وہ گاڑی لے کر آئے اور محاذ کے مرکز سے ساتھیوں کو لے جائے۔ سپن قمر کی طرف جانے کا راستہ انتہائی دشوار گزار تھا، سینکڑوں فٹ گہری کھائیوں کے اوپر بل کھاتی اور تن تنہا، تپلی، پھسلن والی سڑک جو بعض اوقات اچانک ایسے اونچائی کی طرف اٹھتی تھی جیسے کسی عمارت کی کوئی لفٹ اٹھتی ہو۔ عام حالات میں بھی کہنہ مشق ڈرائیور یا پشتو کی اصطلاح میں ’بے زڑہ‘ ڈرائیور ہی اس اونچے اور خطرناک راستے پر گاڑی لے جاسکتا تھا۔ خیر شام کو مرکز میں نور باقی جان پہنچا اور ساتھیوں سے ملاقات اور خوش گپیوں کے بعد اگلی صبح ساتھیوں کو لے کر واپسی کا ارادہ ہوا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ رات گئے برفباری شروع ہو گئی اور صبح جب ساتھی اٹھے تو برف وزیرستان کے کوہساروں کو ڈھانپ چکی تھی۔ اب واپسی کا سفر انتہائی خطرناک تھا۔ ایک ایسی سڑک پر سفر کہ جس میں عام حالات میں بھی پیدل چلنے والے کو بعض اوقات پکڑ پکڑ کر اترنا پڑتا ہے، اب اس سڑک پر برف پڑ چکی تھی۔ بظاہر اس پر اب گاڑی کو اتارنا ناممکن تھا مگر نور باقی جان کی ہمت تو آہنی تھی اور اس کے عزم کو توڑنا مشکل تھا۔ اس نے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سامان کو گاڑی میں بھر اور اللہ پر توکل کا نعرہ لگا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سامان سے بھری گاڑی میں تقریباً پندرہ ساتھی سوار تھے۔ اور گاڑی سڑک پر چلنے کے بجائے پھسلتے ہوئے آگے بڑھنا شروع ہوئی۔ پھر جب سخت اترائیاں شروع ہوئیں تو گاڑی پہلی اترائی ہی پر ایسا پھسلی کہ ساتھیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اللہ کا شکر کہ گاڑی ایک چٹان

¹ بے باک، جو کہ نور باقی جان کا پرانا تخلص تھا۔

سے لکرا کر رک گئی ورنہ سینکڑوں میٹر گہری کھائی میں پہنچے بغیر رکنے والی نہیں تھی۔ ساتھیوں نے فوراً گاڑیوں سے چھلانگ لگائی اور کہا کہ ہم گاڑی میں سفر نہیں کریں گے بلکہ پیدل اتریں گے۔ اور نور باقی جان کو بھی یہی کہا کہ گاڑی اور سامان کو فی الحال یہیں چھوڑتے ہیں اور خود پیدل پہاڑوں سے اترنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ مگر نور باقی جان نے کہا کہ آپ سب پیدل جائیں مگر میں اکیلا ہی گاڑی کو اتارتا ہوں اور میں بیت المال کی گاڑی اور سامان کو کیسے یہاں چھوڑ دوں، ہاں! اگر آج میری شہادت لکھی ہوئی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ یہ کہہ کر نور باقی جان نے کوڈ کر پھر سٹیئرنگ سنبھالا اور گاڑی کو ساتھ ہی جھٹکا دیا۔ وہاں راولپنڈی سے تعلق رکھنے والا عابد وزاہد، دلیر و جرأت مند مجاہد نوجوان حافظ جنید اور یس بھی موجود تھا۔ حافظ جنید جو کہ حافظ وقاص کے نام سے مجاہدین میں تعارف رکھتا تھا، اپنی خوش الحانی کے حوالے سے بھی مجاہدین میں مشہور تھا۔ حافظ وقاص نے بعد میں ۲۰۱۴ء کے اواخر میں صوبہ پکتیکا کے ضلع برمل میں امریکی غلام افغان ملی فوج سے ایک ٹکڑاؤ میں جام شہادت نوش کیا۔ حافظ وقاص سے رہا نہیں گیا کہ نور باقی جان اکیلا موت کے منہ میں چھلانگ لگائے اور ہم اس کو چھوڑ دیں۔ الغرض اس نے چھلانگ لگائی اور پھسلتی گاڑی میں سوار ہو گیا اور نور باقی جان سے کہا کہ اگر آج تم شہید ہو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ شہید ہوں گا۔ بعد میں نور باقی جان جب اپنے معصومانہ ظریفانہ انداز میں اس واقعے کو سناتا تھا تو یاد کرتا تھا کہ ایک وقاص ہی تھا کہ جس نے اس دن مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ الغرض اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور گاڑی پھسلتی، چلتی، پتھروں چٹانوں سے لکراتی بالآخر اتر ہی گئی اور ساتھی بخیر و عافیت اپنے گھکانوں پر پہنچے۔

صلیبی جنگ کے گرم محاذوں پر

نور باقی جان جہاد کا عاشق تھا۔ محاذوں پر جانے کے لیے مچلتا تھا۔ رات گئے بھی اسے اگر معلوم ہو جائے کہ مجاہدین کہیں دشمن پر حملہ کرنے کے لیے جارہے ہیں تو اس کا بس چلتا توڑتا ہوا ان کے پاس پہنچ جاتا۔ ہمارے ساتھ تعلق بننے کے بعد شاید نور باقی جان کو سب سے زیادہ تکلیف اسی وقت پہنچی ہوگی کہ جب اسے مہاجرین کی خدمات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے افغانستان کی موسم گرما کی تشکیل میں جانے سے روک دیا جاتا تھا۔ دو دہائیوں پر پھیلے افغانستان پر امریکی وحشیانہ حملے کے دوران امت مسلمہ کے دفاع کے لیے موسم بہار اور گرما میں افغانستان کے مختلف صوبوں میں جہادی تشکیلات کی جاتی تھیں۔ ان تشکیلات میں بلا مبالغہ ہر سال قبائل کے ہزاروں نوجوان، جوق در جوق امت مسلمہ کے دفاع اور لیلائے شہادت کی تلاش میں جایا کرتے تھے۔ خاص طور پر وزیرستانی قبائل وزیر، محمود اور داؤڑوں کے جذبات تو دیدنی ہوتے تھے۔ امریکیوں، یہودیوں سے جنگ کے لیے جانا اور اس جنگ میں مارا جانا، یہ ان کو اتنا محبوب ہوتا تھا کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی اور آنکھیں امت کی اس بیداری پر کبھی خوشی

اور کبھی ان شہداء کے جنازوں میں غم میں روتی رہتی تھیں۔ ان تشکیلات میں کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ بیسیوں ساتھیوں پر مشتمل مجاہدین کا کوئی گروپ راستے میں ہی امریکی بمباری کا شکار ہو جاتا یا کسی امریکی کیپ پر حملے کے بعد واپسی کے سفر میں امریکی طیاروں کے وار میں اپنی جانیں اس دین کی خاطر قربان کر دیتا۔ مگر یہ شہادتیں وزیرستان کے ان قبائلی نوجوانوں میں جہاد کا جذبہ اور بڑھاتیں اور جس قبیلے کے جتنے مجاہد پچھلے سال شہید ہوتے اگلے سال اس سے دگنے نئی تشکیل کے لیے تیار ہو کر گھروں سے نکل آتے۔ موسم بہار آتے ہی نوجوانوں کی خوشی کا وہ عالم ہوتا تھا کہ عید اور شادی کی خوشیاں بھی اس کے مقابلے میں کم محسوس ہوتی تھیں۔ پھر نوجوان ہی کیا سفید ریش بوڑھے بزرگ بھی اس جذبے میں پیچھے نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانانِ قبائل کے یہ بیٹے افغانستان کے صوبہ پکتیکا، خوست، گردیز، ننگرہار، کنڑ، پکتیا، غزنی، وردگ، لوگر اور زابل کے اکثر اہم معرکوں میں شریک ہوئے اور بلا مبالغہ ان کی شہادتوں کی تعداد اگر گنی جائے تو ہزاروں میں ہوگی۔ وزیرستان کے نوجوانوں کو اس جہاد میں شرکت کروانے اور ان کو منظم کرنے میں بڑا کردار فخر اسلام خانوادہ حقانی اور خاص طور پر مجاہدین کے سالار الحاج خلیفہ سراج الدین حقانی حفظہ اللہ اور ان کے رفیق خاص شیر افغان ملا سنگین رحمہ اللہ کو جاتا ہے کہ جن کی جرأت و کردار اور تدبیر و تنظیم کی بدولت مسلمانانِ قبائل کے لیے اس جہاد میں فعال کردار ادا کرنا اور وحشی امریکیوں سے دفاع کے لیے امت کے آگے بند باندھنے کا کام ممکن ہوا۔ اللہ امت مسلمہ کے ان محسنوں سے راضی ہو جائے اور ان کی قربانیوں کے نتیجے میں پوری دنیا میں اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب فرمادے، آمین۔

ہمارا دوست نور باقی جان بھی باقاعدگی سے ہر سال ان تشکیلات میں نہ صرف شرکت کرتا بلکہ اکثر مجاہدین کے کسی دستے کی کمان بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی۔ پکتیکا، پکتیا اور خوست، ان تین صوبوں کے مختلف اضلاع میں حقانی صاحب اور ملا سنگین کے دستوں میں شامل ہو کر امریکہ اور اس کے غلاموں کے کیپوں پر حملہ آور ہوتا۔ اس تجربے کی وجہ سے افغانستان کے ان صوبوں کے راستوں سے بھی وہ اچھا واقف تھا اور علاقائی حالات اور مشکلات سے بھی آگاہ ہوتا تھا۔ ہمارے ساتھ جڑنے کے بعد اب اس کی ذمہ داریوں میں یہ اضافہ بھی ہو گیا کہ وہ ہمارے مہاجر بھائیوں اور پشتوزبان سے ناواقف بھائیوں کو تشکیلات میں شریک کروانے کے لیے محاذوں تک چھوڑ کر آتا۔ اسی عرصے میں ہمارے دس بھائیوں پر مشتمل ایک دستے کی تشکیل پکتیکا کے ضلع ساکنڈاؤ میں ہوئی۔ ساکنڈاؤ کا ضلع حقانی خاندان کا آبائی علاقہ ہے اور دشوار گزار پہاڑیوں میں گھرے ہوئے علاقے تک پہنچنے کے لیے وزیرستان کے بارڈر سے کئی دنوں کا تھکا دینے والا پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔ آسمان سے باتیں کرتے پہاڑوں پر اسلحہ اور گولہ بارود اٹھا کر سفر ایک انتہائی پر مشقت اور تھکا دینے والا عمل ہوتا تھا، مگر اپنے رب کی جنت کے سوداگر حسبن اللہ و نعم

الوکیل کا ورد کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے چلتے بالآخر منزل پر پہنچ جاتے تھے۔ لیکن نور باقی جان نے اپنی بھائیوں کو آسانی پہنچانے کے لیے اس دفعہ گاڑی سے جانے کا فیصلہ کیا۔ گاڑی کا سفر اُس زمانے تک کافی خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک تو راستہ نہ ہونے کے برابر تھا، راستے میں رک رک کر راستہ خود بنانا ہوتا تھا، دوسرا طوفانی بارشوں کی وجہ سے راستے میں موسمی دریا گاڑی کا راستہ بند کر دیتے تھے، تیسرا گاڑی کی خرابی کی صورت میں مرمت کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا اور چوتھا امریکی چھاپوں اور بمباریوں کی وجہ سے گاڑی پر سفر کرنے سے بالعموم مجاہدین اجتناب ہی کرتے تھے۔ مگر نور باقی جان نے توکل کر کے اعلان کیا کہ میں خود جاؤں گا اور ساتھیوں کو سٹانڈ آؤت تک چھوڑ کر آؤں گا۔ الغرض اللہ کا یہ ولی ایک دفعہ پھر خطرات میں کودا اور بھائیوں کو محاذ جنگ پر پہنچا کر آیا۔ اس تشکیل کے شرکاء بھائی بھی نور باقی جان کی جرأت، حوصلہ، حسن انتظام اور استقامت سے بہت متاثر ہوئے۔

قلوب الأبرار قبور الأسرار

شہید نور باقی جان رحمہ اللہ کی بڑی عجیب صفت تھی کہ اگر اس سے کوئی بات راز کے انداز میں ہی کہہ دی جائے خواہ یہ کہا جائے کہ یہ راز ہے یا نہ کہا جائے، مگر محال ہے کہ وہ بات اس کی زبان سے بعد میں کہیں نکلے۔ بالکل جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے کہ نیک لوگوں کے دل رازوں کے قبرستان ہوتے ہیں، اسی طرح نور باقی جان کا دل بھی تھا۔ جہاد اور مجاہدین کی حفاظت کے لیے اہم راز اس کے دل میں دفن تھے اور وہ کسی قریبی ترین شخص کے سامنے بھی اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ اسی صفت رازداری کا دوسرا پہلو یعنی ترک لایعنی، بے کار بات کے پیچھے نہ پڑنا، یہ بھی نور باقی جان کی خاص صفت تھی۔ میرے نزدیک یہ دونوں صفات لازم ملزوم ہیں، یعنی جو کہ رازدار ہو گا وہ لازماً معاملات کی ٹوہ میں نہیں لگا رہے گا، اپنے کام سے کام رکھے گا، بے جا سوالات نہیں کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو بے کار میں ہر آنے جانے والے کی ٹوہ میں لگا رہے گا وہ لازماً رازدار بھی نہیں ہو گا اور جو اس کے دل میں آئے گا وہ زبان سے بھی ظاہر ہو جایا کرے گا۔

نور باقی جان نے اس عرصے میں بہت خدمات کیں۔ کئی مجاہدین کی نصرت کی اور ان کو

سہولیات فراہم کیں۔ مگر جو کیا، ایک تو وہ کسی کو بتایا نہیں اور دوسرا جو اس کو پتہ نہیں تھا اس میں سوال نہیں کیا۔ اس کی ایک مثال شہید مجاہد کبیر، داعی و مفکر جہاد جناب عزام یحییٰ الامریکی رحمہ اللہ کی خدمت

رازداری اور ترک لایعنی یہ دونوں صفات ایسی ہیں کہ ان صفات کا حامل مجاہد اگر باقی دیگر صفات میں کچھ کمزور بھی ہو، جیسا کہ علم، تجربہ وغیرہ میں، مگر اس صفت کی وجہ سے اسے دین کے دفاع میں بعض اہم اور بڑی خدمات کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

کرنے کا کام تھا۔ دت خیل میں ان کے طویل عرصے تک قیام کے دوران ان کے گھر کے انتظام سے لے کر ان کی دیگر ضروریات زندگی کو فراہم کرنے کی ذمہ داری نور باقی جان ہی کی تھی۔ مگر اس نے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ یہ صاحب کون ہیں اور کیا کام کرتے ہیں اور ان کی اہمیت کیا ہے۔ بس ایک مجاہد بھائی ہیں اور ہمیں ان کی خدمت کرنی ہے، یہی بات بتانا اس کو مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے کیمرے، کمپیوٹر اور دیگر کام کے آلات بھی دیکھے اور ان کی مرمت بھی کر کے دی مگر پھر بھی کبھی سوال نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کافی عرصے بعد جب میرا شاہ کے ایک مرکز میں مجاہدین ایک جہادی ویڈیو دیکھ رہے تھے تو اچانک اس میں شہید عزام امریکی رحمہ اللہ کا ایک بیان شروع ہو گیا جس کو دیکھ کر نور باقی جان سمجھ ضرور گیا کہ یہ شخصیت کون ہیں مگر پھر بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی یہ راز اس نے پوری زندگی کسی پر ظاہر کیا، اور نہ ہی وہ اس بات پر ناراض ہوا کہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ یہ کون ہیں۔ ایک مشاہدہ جو مجھے میا دین جہاد میں ہوا کہ جو شخص رازدار ہوتا ہے اور لایعنی کو ترک کرتا ہے وہ کبھی بھی اس بات پر اپنے امیر یا ذمہ دار سے ناراض نہیں

نور باقی جان کی ایک اور اہم اور پیاری صفت اس کے رازدان ہونے کی تھی۔ جہاد میں رازداری کا خیال رکھنا ایک بنیادی اصول ہے اور تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ مجاہدین میں جو جتنا رازدار ہوتا ہے اتنا ہی اس پر اعتماد بڑھتا ہے اور اتنا ہی اسے جہاد میں اعلیٰ

خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اپنے کاموں کو مکمل کرنے کے لیے رازداری سے کام لو۔ اسی لیے صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ کی تربیت میں بھی نبی پاک ﷺ نے رازداری کی تعلیم کا بہت خیال رکھا۔ یہاں تک کہ بچوں اور خواتین تک میں رازداری کا خیال رکھنے کا مزاج پیدا کیا۔ خاص طور پر جنگوں میں اور جہادی معاملات میں تو انتہائی قریبی مگر اس کام سے غیر متعلق افراد پر جنگی راز نہیں ظاہر کیے گئے۔ پھر آقا مدنی ﷺ کے مطابق اچھا انسان وہ ہے جو اپنے کام سے کام رکھتا ہو، یعنی نہ لایعنی کام میں پڑتا ہو اور نہ ہی کسی ایسی بات کی ٹوہ میں لگا رہتا ہو کہ جس کو جانا اس کے لیے ضروری نہ ہو۔ پس رازداری اور ترک لایعنی یہ دونوں صفات ایسی ہیں کہ ان صفات کا حامل مجاہد اگر باقی دیگر صفات میں کچھ کمزور بھی ہو، جیسا کہ علم، تجربہ وغیرہ میں، مگر اس صفت کی وجہ سے اسے دین کے دفاع میں بعض اہم اور بڑی خدمات کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

ہوتا کہ مجھے فلاں بات کیوں نہیں بتائی یا فلاں سے کیوں نہیں ملوایا فلاں جگہ پر کیوں نہیں لے کر گئے اور کیا آپ میرے اوپر اعتماد نہیں کرتے، یا مجھے مخلص مجاہد نہیں سمجھتے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک اچھے مجاہد کو تو اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ میرے دین کا کام آگے بڑھتا رہے، اسے خود کسی بات کا علم ہو یا نہ ہو اس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

میں نور باقی جان کی اس صفت پر غور کرتا ہوں تو بڑا حیران ہوتا ہوں کہ کیسے اس نے اپنے نفس پر اتنا قابو پایا کہ نہ وہ راز کسی کو بتاتا اور نہ ہی راز کی ٹوہ میں رہتا، حالانکہ وہ ایک سادہ ساقبا کلی نوجوان تھا۔ اس کی کوئی خاص تعلیم بھی نہیں تھی، نہ کسی ادارے سے وہ پڑھا تھا اور نہ ہی مجاہدین کے کہنہ مشق استادوں سے اس نے عسکری دورے کیے تھے۔ مگر اس کے باوجود خود ہی سے رازداری میں مضبوط ہونے کی ایک ہی وجہ مجھے سمجھ میں آتی ہے، مگر اس بات کو تھوڑا سا تفصیل سے بیان کرنا پڑے گا۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کو کوئی راز کی بات معلوم ہوتی ہے تو نفس اس کو اس کام کے لیے اکساتا ہے کہ وہ یہ راز کسی اور سے بھی بیان کرے۔ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ بھائی! دوسرے بھی تو اپنے دوستوں اور قریبی لوگوں کو راز بتاتے ہیں تو میں کیوں نہ بتاؤں۔ یا پھر یہ بات دل میں ڈالتا ہے کہ یار! یہ راز کوئی اتنا اہم تو نہیں ہے کہ اسے نہ بیان

کیا جائے، یا یہ کہ میں جس کو بتا رہا ہوں وہ بڑا رازدار ہے وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ الغرض اس طرح کے وسوسوں اور خیالات کا اسیر ہو کر ایک کمزور انسان غلط جگہ پر راز ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنے اور تجسس کی صفت ہے۔ شیطان جو کہ رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، وہ انسان کو اکساتا رہتا ہے کہ اس معاملے کی تفصیل جاننے کی کوشش کرو۔ پس تجسس کا مرض ایک ایسی بیماری ہے کہ جو کہ پیٹ کے درد کی طرح مریض کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی اور اس کا ہر وقت کا وظیفہ دوسروں کے رازوں اور معاملات کی ٹوہ میں لگے رہنا بنا دیتی ہے۔ پس رازداری کی صفت ایک ایسا خلق ہے کہ جسے باقاعدہ نفس پر بوجھ ڈال کر، اللہ کے خوف اور تقویٰ کو بڑھا کر، مجاہدہ کر کے، باقاعدہ تربیت سے گزر کر پیدا کیا جاتا ہے۔ ہاں! مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مجاہد میں اپنے مشن اور مقصد سے لگاؤ اور محبت انتہائی شدید ہوتی ہے اور وہ اس کو نقصان پہنچانے سے اتنا ڈرتا اور خوف کھاتا ہے کہ یہ دل کا شدید لگاؤ اور اپنے مقصد سے لگن اس کو پکارا رازدار بنا دیتی ہے، خواہ اس نے کسی معسر سے یا کسی کتاب سے یہ

تعلیم حاصل کی ہو یا نہیں۔ میرے خیال میں یہی جہاد اور مجاہدین سے شدید محبت اور اس مقصد میں اخلاص ہی نور باقی جان کے ایک اعلیٰ رازدار ہونے کی بڑی وجہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

من کان فی حاجۃ اخیہ

نور باقی جان بہت حساس دل تھا۔ مجاہدین کی تکلیف پر وہ بے چین ہو جاتا تھا اور جہاں تک اس کا بس چلتا، ان کی مدد کرنے اور ان کو سکون فراہم کرنے کے لیے مصروف ہو جاتا تھا۔ اس کی اسی دلی محبت اور حساسیت نے ایک دفعہ لطیف کی صورت اختیار کر لی۔ ہوا یوں کہ ہم نے تو ابتدا میں اس کو اس بات سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ شیخ عزام امریکی رحمہ اللہ ایک انتہائی مطلوب شخصیت ہیں اور ان کی حفاظت کی خاطر ان کا بازاروں میں اور ادھر ادھر گھومنا پھرنا مناسب نہیں ہے۔ نور باقی جان تو حساس اور نازک دل کا مسلمان تھا۔ وہ اس بات پر بہت کڑھنا شروع ہو گیا کہ کیوں باقی ساتھی گھومتے پھرتے ہیں مگر یہ بھائی (شیخ عزام امریکی) کیوں نہیں گھومتے پھرتے اور دیگر ساتھیوں سے قدرے ناراض ہو گیا کہ وہ کیوں ان کو بھی اپنے ساتھ گھمانے پھرانے یا دیگر جہادی کاموں سے نہیں لے جاتے۔ پھر ایک دن اس کو جوش چڑھا اور وہ شیخ کو گاڑی میں بٹھا کر بازار لے گیا۔ دتہ خیل اور اس کے گرد و نواح کی سیر کروائی اور جب اس کا دل مطمئن ہو گیا کہ اس نے اپنے اس مہاجر بھائی کی اچھی تفریح کروادی ہے تو پھر واپس لا کر ان کو ان کے گھر چھوڑا۔ بعد میں جب ذمہ داران کو علم ہوا تو وہ سر پکڑ کر رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ نور باقی جان سے پوچھا تو اس نے انتہائی معصومیت سے بتایا کہ میں چاہتا تھا کہ ان بھائی کو خوشی دے دوں اس لیے میں نے یہ کام کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر ساتھی کو خوشی دینے اور اس کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے وہ کوشاں رہتا تھا اور اس کا یہ رویہ ذمہ دار یا عام ساتھی سب کے لیے یکساں ہوتا تھا۔ جب اسے علم ہوتا کہ کسی دور دراز کے مرکز میں بھی کوئی بھائی بیمار ہے یا اسے کسی دوا کی ضرورت ہے تو وہ اپنے آرام یا حالات کی پرواہ کیے بغیر فوراً روانہ ہو جاتا اور مشکل پہاڑی راستوں میں کئی گھنٹے کے پرتھکن سفر کر کے مجاہدین کے علاج یا کسی سہولت کا انتظام کرتا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرنے میں لگا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کرتا ہے۔ اپنے مجاہد بھائیوں اور بالخصوص غریب الدیار مہاجر بھائیوں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہنا اس کی ایک خاص صفت تھی۔ اس کا گھر دریائے ٹوچی کے

کنارے اس عام سڑک کے بالکل قریب تھا جو کہ افغان بارڈر لواڑہ کی طرف جاتی تھی۔ اس جگہ سے گاڑیاں دریائے ٹوچی کو پار کرتی تھیں اور پھر پہاڑی گزر گاہوں سے ہوتے ہوئے بارڈر تک پہنچتی تھیں۔ دریا میں اکثر ہی اور خاص طور پر بارشوں کے زمانے میں پانی زیادہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے ناواقف ڈرائیوروں کی گاڑیاں دریا میں بھنس جایا کرتی تھیں۔ مقامی ڈرائیور تو دریا کی صفات سے واقف ہی ہوتے تھے لیکن اکثر مہاجرین کی گاڑیاں ہی دریا کے مزاج سے ناواقفیت کی وجہ سے پانی میں بھنس کر خراب ہو جاتیں۔ ایسے میں نور باقی جان اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے پہنچ جاتا۔ ان کے لیے گاڑی کو نکالنے کا بندوبست کرتا، پھر ان کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتا اور پانی میں بھیگے کپڑوں کو تبدیل کروانے کے لیے کپڑوں اور غسل کا بندوبست کرواتا۔ رات اپنے گھر میں ٹھہراتا اور پھر اگلے دن جب تک ان بھائیوں کی گاڑی کی مرمت نہ ہو جاتی اس وقت تک ان کی خدمت کے لیے حاضر رہتا۔ اور پھر جو ایک دفعہ اس کے پاس سے ہو کر گزر جاتا اس سے اس کی شناخت اور دوستی پکی ہو جاتی۔ شاید خدائی خدمتگار اسی کو کہتے ہیں، اللہ کے لیے خدمت کرنے والا۔

محبت کا ایک انوکھا انداز

اپنے مہاجر بھائیوں سے ان کی زندگی میں محبت تو اس کی واضح تھی ہی مگر ان کی شہادت کے بعد ان سے محبت کا ایک عجیب انداز میں نے اس میں دیکھا۔ وہ یہ کہ اس بات کی کوشش کرنا اور اس پر اصرار کرنا کہ یہ مہاجر شہداء لازماً اس کے قبیلے کے قبرستان میں ہی دفن ہوں۔ یہ اس کے لیے فخر کی بات ہوتی اور اپنے مہاجر بھائیوں سے ایک انجانا قربت کا احساس ہوتا۔ اس کا علاقہ دتہ خیل پاکستان کو افغانستان سے ملانے والی عمومی شاہراہ پر واقع تھا۔ اس شاہراہ پر مجاہدین کی آمد و رفت عموماً کافی زیادہ ہوتی تھی، جس کی وجہ سے امریکیوں اور ان کے غلام پاکستانی فوج کے لیے اس شاہراہ پر ان کے ہدف بنانے کے مواقع بھی زیادہ ہوتے تھے۔ آئے دن دتہ خیل کے علاقے میں ڈرون حملوں کی اطلاعات آتی رہتی تھیں۔ جیسے ہی کہیں ڈرون میزائل کی آواز آئے یا مخابرے پر ڈرون حملے کی اطلاع ملتی، نور باقی جان مابے آب کی طرح بے چین ہو جاتا، پلک جھپکتے ہی اپنی سواری پر سوار ہوتا اور اس مقام پر پہنچنے میں جلدی کرتا کہ جہاں ڈرون حملہ ہوا ہوتا۔ اس کو اس بات کی ٹینشن ہوتی تھی کہ شاید امت کے ان بیٹوں میں سے کوئی باقی بچ گیا ہو، یا زخمی ہو تو میں جلدی پہنچ کر اس کی مدد کر سکوں۔ بالعموم ڈرون حملوں کے بعد بھی کئی گھنٹوں تک ڈرون طیارے فضا میں موجود رہتے تھے اور ایک حملے کے بعد وہاں جمع ہونے والے لوگوں پر دوبارہ حملہ کرنا بھی بزدل امریکیوں کی عادت تھی، اس لیے بیشتر ناصحین اس کو بھی سمجھاتے کہ یہ وقت حملے کی جگہ پر جانے کا نہیں ہے، کچھ دیر انتظار کر لو۔ مگر اس کے کسی بھائی کو اس کی ضرورت ہونے کا امکان بھی ہو اور وہ کارہے، یہ اس کے لیے

ناممکن ہوتا۔ حملے کے بعد ابھی آگ کے شعلے بجھے نہیں ہوتے تھے کہ وہ پہنچ جاتا اور زخمیوں کو نکال کر علاج کی جگہ تک پہنچانے کی کوشش کرتا۔ پھر اگر زخمی نہ ہوں تو سب سے پہلے شہداء کے قیمتی سامان اور اسلحے کو محفوظ کر دیتا پھر شہداء کے ٹکڑوں کو جمع کرتا۔ اور پھر اس کی شہداء کے متعلقین سے ہی ضد ہوتی کہ یہ شہداء ہمارے قبرستان میں دفن ہوں گے اور اگر اس کی اجازت مل جاتی تو پھر شہداء کو دفنانے اور پھر ان کے سامان اور اسلحے کو ان کے متعلقین تک پہنچانے تک نور باقی جان اسی کام میں مصروف رہتا۔

سن ۲۰۱۲ء میں شیر اسلام ملا سنگین رحمہ اللہ کی قیادت میں مجاہدین نے غلام خان بارڈر کے اُس پار افغانستان کے صوبہ خوست میں امریکیوں اور ان کی غلام افغان آرمی کے ایک کیمپ پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ دیگر مجاہدین کے ہمراہ مہاجر مجاہدین کی بھی ایک بڑی تعداد نے اس حملے میں شریک ہونا تھا۔ مہاجرین کل تین گاڑیوں میں سوار تھے، جن میں سوار ساتھیوں کی تعداد تین درجن کے قریب تھی۔ ان ساتھیوں میں عرب، پنجابی، پشتون، ازبک، شیشانی مجاہدین شامل تھے۔ میرانشاہ سے کوئی دس کلومیٹر کے فاصلے پر ڈرون طیاروں نے امت محمدی ﷺ کے اس ہراول دستے کو نشانہ بنایا۔ شہداء کی تعداد کافی زیادہ تھی، کل بائیس یا تیس شہداء تھے جو سب کے سب مہاجرین تھے۔ دتہ خیل میں رات گئے ہمیں اس کی اطلاع ملی تو آدھی رات میں جبکہ راستے میں پاکستانی فوج کی پوسٹوں پر خطرے کا امکان بھی تھا، نور باقی جان شہداء کے پاس پہنچنے کے لیے بیتاب ہو گیا۔ میرانشاہ بازار کی ایک عمارت میں ان تمام شہداء کو رکھا گیا تھا۔ شہداء کے سرہانے مجاہدین کے قائد، جرأت و عزم کے پیکر کماندان بدر منصور رحمہ اللہ کھڑے تھے اور شہداء کی تدفین کے مراحل طے کر رہے تھے۔ ڈرون طیاروں کے شدید گھومنے کی وجہ سے اس بات کا امکان موجود تھا کہ مہاجرین کی اتنی بڑی تعداد کو دفنانے وقت پھر کہیں خسیں امریکی کوئی وارنہ کر دیں۔ نور باقی جان نے فوراً اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں ان شہداء کو دتہ خیل لے جا کر دفنانے کا بندوبست کرتا ہوں، مگر بدر منصور رحمہ اللہ نے کہا کہ اتنے زیادہ ایک جگہ نہیں دفناتے بلکہ تقسیم کر کے مختلف قبرستانوں میں دفناتے ہیں۔ اس طرح چار شہداء کی تدفین نور باقی جان کے ذمہ لگی جو ضلع انک کی تحصیل جند کے مجاہد منظور (قاسم) اور حافظ عبد المتین (سعید اللہ)، ضلع لیہ کے عثمان اور کوہاٹ کے شہید داد اللہ رحمہم اللہ تھے۔ میرانشاہ سے ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر واقع اپنے گاؤں میں پہنچ کر پھر اس نے ان شہداء کی تدفین کے انتظامات کروائے۔ پورے گاؤں میں ایسا ماحول تھا کہ جیسے آج ان کے کوئی قریبی رشتہ دار شہید ہو گئے ہیں۔ اپنی قوم اور رشتہ داروں سے سینکڑوں میل دور بیٹھے ان مہاجرین کے لیے اس غم کے موقع پر اپنے ان ایمانی بھائیوں کی محبت اور اپنائیت ایک ایسا اکرام تھا کہ جس کی حلاوت بھلائی

نہیں جاسکتی۔ شہداء کا یہ اعزاز اور اپنی زمینوں میں ان کو دفنانے پر فخر کرنا اور اس کے لیے مسابقت کرنا انصاران و وزیرستان کی مہاجرین سے انوکھی محبت کا ایک انداز تھا۔

قومیت نہیں، اسلامیت!

نور باقی جان نے مہاجرین کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ کبھی دتہ خیل کی شاہراہ پر بھری ڈاٹسن ڈبل کمبن میں پنجاب سے آئے ہوئے مہاجر مجاہدین کو معسر پہنچاتے ہوئے نظر آتا اور کبھی صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والے کسی مجاہد کو علاج کی غرض سے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہو پایا جاتا۔ کبھی مالدیپ کے غازیوں کی کسی عسکری ورکشاپ کے پرزے پورے کرنے کے کام کر رہا ہوتا تو کبھی کسی عرب یا ازبک مجاہد کو منزل مقصود تک پہنچانے میں مدد کر رہا ہوتا۔ اس

کی صبح و شام ان اللہ والوں کے لیے وقف تھی، جو دنیا سے کٹ کر بس اللہ کے ہو گئے تھے۔ جنہوں نے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس کے نظام ہی کو دنیا میں غالب ہونا ضروری ہے۔ جو یہ کہتے تھے کہ تاریخ کی سب سے بڑی اس صلیبی جنگ میں اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ ہمیں بھی امت مسلمہ کے دفاع کے لیے نکلنا ہے۔ پس اُن کے وطنوں کی حکومتیں ان کے درپے ہوئیں، ان کے لیے جینا حرام کیا، ظلم و ستم کا ہر حربہ ان پر آزمایا گیا، پس وہ انبیائے کرام

علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے علاقوں کو چھوڑ کر سرزمین ایمان و غیرت و وزیرستان ہجرت کر گئے۔

ظاہر ہی بات ہے کہ سالہا سال تک مہاجرین کی نصرت میں لگے رہنے کی وجہ سے نور باقی جان اس حوالے سے جانا جانے لگا۔ پھر بالخصوص اس کا زیادہ وقت پاکستان کے شہری علاقوں سے آنے والے مجاہدین بھائیوں کے ساتھ گزرتا تھا، جن کو وزیرستان کے عرف عام میں پنجابی مجاہد کہا جاتا تھا۔ جہاں قبائل میں دین کی بنیاد پر نصرت و مدد کرنے والوں کی اکثریت ہے وہیں پر کچھ ایسے افراد بھی موجود تھے جو کہ کفار کی پیدا کردہ اور ان کے مکر و فریب سے نشوونما پانے والی قومی عصبیتوں اور نفرتوں کو پھیلایا کرتے تھے۔ وزیرستان ہمارا ہے اور یہاں سے باہر سے

آنے والوں کو نکل جانا چاہیے، باہر سے آنے والے اپنے ملک میں کیوں جہاد نہیں کرتے ہمارے وزیرستان کو کیوں خراب کرتے ہیں، ان مہاجرین کے اندر بہت سے خراب لوگ اور خفیہ ایجنسیوں کے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے ان سے دور ہو جانا چاہیے، وزیرستان و زیریوں کا ہے اس میں باہر سے آنے والوں کو کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اس طرح کے پُر فریب نعرے بلند کر کے اور پروپیگنڈے کر کے مہاجرین اور ان کے انصار کے درمیان میں تفریق ڈالنے کی کوششیں کی جاتیں۔ ان تمام تبلیغات کا مرکز اور منبع میرانشاہ، وانا اور دیگر ایجنسی ہیڈ کوارٹروں کی چھاؤنیاں ہوتیں، جہاں سے فوج کے کسی افسر کی زیر نگرانی اس پروپیگنڈہ مہم کو چلایا جاتا۔

دینی و ملی غیرت سے سرشار دیگر وزیرستانی مجاہدین کی طرح نور باقی جان بھی منافقین کے ان فتنوں کے آگے آہنی دیوار بن کر ڈٹ جاتا تھا اور ہر بازار، محفل اور حلقہ اثر میں ان نظریات کی گندگی کو بیان کیا کرتا۔ وہ بیان کرتا کہ اگر یہ پنجابی مہاجرین ہمارے علاقے میں باہر سے آئے ہیں تو ہمارے نبی ﷺ بھی تو مدینہ میں باہر سے آئے تھے۔ وہ واضح کرتا کہ مہاجروں کو نکال باہر کرنے اور ذلیل کرنے کے خواب دیکھنے والے عین رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں جس نے اپنی

امت محمدیہ ﷺ کے خلاف یہود و نصاریٰ کا پچھلی کچھ صدیوں سے سب سے خطرناک حربہ قوم پرستی کو رائج کرنا اور خلافت اور امت کے تصور کو توڑ کر قومیت، لسانیت یا وطنیت کی بنیاد پر حکومتوں کا قیام کرنا ہے۔ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے سب سے گھناؤنی چال قوم پرستی کے بیج بونے کی تھی، جس کے ذریعے عرب اقوام میں ترک عثمانیوں کی نفرت کو پروان چڑھایا گیا اور دوسری طرف ترکوں کے اندر عربوں سے بغض اور بیزاری کے جذبات پیدا کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے ذرائع ابلاغ کے تمام موجودہ ذرائع کو استعمال کیا گیا اور نام نہاد دانشوروں اور مفکرین کے ذریعے سے قوم پرستی کے نظریات متعلقہ اقوام میں پھیلائے گئے۔

مختلف چالیں، مکر و فریب، فتنوں، بہتانوں اور پروپیگنڈے کر کے مہاجرین کو مدینہ طیبہ سے نکالنے کی کوششیں کیں اور اللہ کے نزدیک ملعون و مغضوب ہوا۔ وہ زیادہ علم تو نہیں رکھتا تھا مگر اپنی ایمانی بصیرت سے بیان کرتا کہ اسلام کا عقیدہ تو قوم پرستی کے عقیدے کی ضد ہے۔ اسلام تو دین کی بنیاد پر مدد و نصرت کے لیے اکساتا ہے، جبکہ قوم پرست اپنا ہم قوم یا ہم زبان ہونے کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اگر قوم یا زبان ہی ہماری محبت اور قربتوں کا معیار ہے تو پھر سرکارِ دو عالم نبی اکرم ﷺ جو نہ ہمارے ہم قوم ہیں اور نہ ہی ہم زبان، ان سے محبت اور عشق کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر نماز اور دیگر عبادات سے کیا تعلق کہ وہ تو ہماری زبان میں ہی نہیں اور پھر حج و عمرے اور مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفا سے کیا نسبت کیونکہ وہ تو ہمارے وطن

¹ قبائل میں بالعموم غیر پشتون پاکستانیوں کو پنجابی کہا جاتا ہے۔

سے ہزاروں میل کی دوریوں پر ہیں۔ پس دین مصطفوی ﷺ کا پاسدار نور باقی جان ہر فتنہ گر کے مقابلے میں ڈٹا رہا اور بے گناہ دہل بیان کرتا رہا کہ جو بھی دین کی بنیاد پر مظلوم ہوا، اس کی مدد ہم پر فرض ہے خواہ وہ جہاں کا بھی ہو، اور اسی راستے میں وہ بالآخر شہید ہوا۔ اللہ اس سے راضی ہو۔

امت محمدیہ ﷺ کے خلاف یہود و نصاریٰ کا پچھلی کچھ صدیوں سے سب سے خطرناک حربہ قوم پرستی کو رائج کرنا اور خلافت اور امت کے تصور کو توڑ کر قومیت، لسانیت یا وطنیت کی بنیاد پر حکومتوں کا قیام کرنا ہے۔ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے سب سے گھناؤنی چال قوم پرستی کے بیج بونے کی تھی، جس کے ذریعے عرب اقوام میں ترک عثمانیوں کی نفرت کو پروان چڑھایا گیا اور دوسری طرف ترکوں کے اندر عربوں سے بغض اور بیزاری کے جذبات پیدا کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے ذرائع ابلاغ کے تمام موجودہ ذرائع کو استعمال کیا گیا اور نام نہاد دانشوروں اور مفکرین کے ذریعے سے قوم پرستی کے نظریات متعلقہ اقوام میں پھیلانے گئے۔ دونوں طرف کے قوم پرست لیڈروں اور مفکرین کی بڑی تعداد خود عیسائی یا یہودی ہوتے یا ملحدانہ نظریات رکھنے والے ایسے نام کے مسلمان جو کہ محمد عربی ﷺ کے بجائے ’لینن‘ اور ’سٹالن‘ کو اپنا راہنما کہا کرتے تھے۔ پھر خلافت کے سقوط کے بعد اسی متعصب قومی نظریات پر ریاستیں قائم کی گئیں، جن کی حکومتوں اور افواج کی بنیادی ذمہ داری اپنے وطن اور قوم کا دفاع قرار دیا گیا، خواہ اس راہ میں انہیں دین اور امت مسلمہ کے مفاد کو داؤ پر ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ پھر انہی عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں کسی ایک ملک کے اندر بھی ایک قوم یا طبقے کی طرف سے دوسری قوم پر ظلم و ستم¹، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم اور دوسرے استحصالی طریقے اختیار کروا کر نفرتیں اور تعصب کی ایسی دیواریں قائم کی جاتی ہیں کہ جس کے بعد مظلوم و مقہور قوم کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور باب نہیں بچتا کہ وہ عالمی کفار کی پناہ لے کر مقامی حریف کے ظلم و ستم سے بچنے کی راہ تلاش کرے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہی امریکہ کہ جس کے کہنے پر، بلکہ اصرار پر اور بار بار امداد دے دے کر، پاکستان کی وحشی افواج نے قبائل کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور ہزاروں پشتون مسلمانوں کو شہید کیا اور ایسے مظالم ڈھائے کہ جن کو سن کر حقیقی کفار بھی شرما جائیں، وہی امریکہ دوسری طرف پشتونوں کے حقوق کے دفاع کرنے اور پشتون قوم پرستی کے نعرے کو ترویج دینے کے لیے پچھلی دو دہائیوں سے اپنے تمام ابلاغی ادارے وقف کیے ہوئے ہے۔

¹ وار آن ٹیر میں قبائل کی بیچ کنی کرنے کے لیے ریاست پاکستان کی طرف سے جو کچھ کیا گیا، کیا وہ امریکی سرپرستی میں نہ تھا؟

قوم پرست کبھی اسلام پر فخر نہیں کرتا بلکہ اسے فخر کرنے کے لیے اپنی قوم ہی میں سے کسی قوم پرست کو تلاش کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ اس کی قوم کا ارذل ترین شخص یا غلیظ ترین کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کفار کی کاشت کردہ قوم پرستی کا ثمرہ ہی تھا کہ عرب قومیت کا نعرہ لگانے والے عرب، رسول عربی ﷺ کے بجائے عیسائی عرب ’مسیح علق‘ کو اپنا قائد کہتے تھے جو سرعام اسلام کی توہین کرتا، بنگالی قوم پرست متعصب ہندو بنگالی شاعر راہندر ناتھ ٹیگور کو اپنا راہنما کہتے، مصری قوم پرست فراعنہ مصر کو اپنا مورث اعلیٰ کہتے اور اپنے آپ کو ابنائے فرعون کہلانے پر فخر کرتے اور سندھی قوم پرست سندھ کے ہندو راجہ داہر کو ہیر داہر کا قائد جبکہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو ظالم لٹیر اور پرایا کہتے۔ مگر نور باقی جان جانتا تھا کہ اسلام ہی سے پشتون قوم کی عزت اور اسلام ہی سے اس کا تعارف ہے۔ اس عظیم قوم کی غیرت، حمیت، جرأت اور علو ہمتی کی ہر تاریخ اسلام کی عزت اور شان و شوکت کی تاریخ ہے اور اسلام کو اس سے جدا کرنے یا محض قومیت کے نعرے کے گرد اکٹھا کرنے سے زیادہ اس غیور قوم سے بڑی اور کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔

اسلحے کی حفاظت

نور باقی جان کی امانت اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اسلحہ و گولہ بارود کی حفاظت کا کام اس کے سپرد کر دیا گیا۔ دتہ خیل میں گولہ بارود کا ایک بڑا ذخیرہ اس کے سپرد تھا جسے اس نے اپنے متعلقین کے پاس محفوظ کیا ہوا تھا۔ اس سامان میں چھوٹے گولوں سے لے کر بڑے میزائل اور توپوں کے گولے تک شامل ہوتے تھے۔ نور باقی جان نے بہت امانت داری اور دیانت سے اسلحے کے مخازن کا حساب کتاب رکھا اور اس کام کا حق ادا کیا۔ وہ زمین دوز کیے ہوئے اسلحے اور گولوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ بھی لیتا رہتا، ان کی صفائی اور مرمت کا خیال بھی رکھتا اور اگر ان میں سے کوئی زیادہ پرانا ہونے یا کسی اور خامی کی وجہ سے استعمال کے لیے نامناسب ہوتا تو اس کو تبدیل کروا کر دوسری مناسب چیز بھی خریدتا۔ اس کے علاوہ بھی بازاروں میں گھومتے پھرتے ہوئے اسے کوئی مناسب ہتھیار مجاہدین کے لیے ملتا تو اس کی بھی خریداری کی کوشش کرتا۔

جب سن ۲۰۱۳ء کے اواخر میں قائد جہاد فضیلۃ الشیخ ابمن الظواہری کی ہدایت کے مطابق جماعت القاعدہ بڑے صغیر کا قیام کیا گیا تو جماعت میں اسلحے اور اس کے مخازن اور حساب کتاب کے لیے مستقل شعبے کا قیام کیا گیا۔ نور باقی جان کو بھی خدمات کے لیے اسی شعبے کے ساتھیوں کے

ساتھ جوڑ دیا گیا اور اس نے اپنے پاس موجود تمام کام سامان شعبے کے مسئولین کی ہدایات کے مطابق نئی جگہوں اور ٹھکانوں پر منتقل کیا۔

کہیں میں پیچھے نہ رہ جاؤں!

جس طرح جماعت کی تاسیس کے بعد نور باقی جان کو نئے شعبے کی خدمات میں مصروف ہونا پڑا، اسی طرح راقم کو بھی قائد جہاد برصغیر امیر محترم مولانا عاصم عمر کی ہدایات کی روشنی میں بعض دوسرے جہادی کاموں میں مصروف ہونا پڑا، جس کی وجہ سے نور باقی جان سے کچھ عرصے کے لیے میرا رابطہ کٹ گیا۔ یہ عین وہی زمانہ تھا کہ جب ظالم و وحشی پاکستان آرمی نے امریکی حکم اور تعاون پر شمالی وزیرستان آپریشن کا آغاز کر دیا تھا۔ مسلمانان وزیرستان اور مہاجرین پر آتش و آہن کی بمباری شروع تھی۔ ایک طرف پاکستان آرمی کی آرٹلری کی توپیں آگ اگلتی تھیں، دوسری طرف پاکستانی جیٹ طیارے دقیق بمباری کے لیے امریکہ سے جی بی ایس سسٹم خرید کر وحشی بمباری کرتے تھے اور تیسری طرف امریکی ڈرون طیارے تاک تاک کر اہم مجاہدین کو نشانہ بناتے تھے۔ اسلام اور کلمہ طیبہ کے نام پر آئے ہوئے مہاجرین کی نصرت کے جرم میں وزیرستان کی ایک دفعہ پھر سے اینٹ سے اینٹ بجائی جا رہی تھی۔ علاقے کی عام آبادیاں بھی تیزی سے انخلا کر رہی تھیں۔ بمباری کی شدت کی وجہ سے مجاہدین کی قیادت نے مجاہدین کی بڑی تعداد کو دیگر علاقوں میں منتشر کرنے کا کام شروع کروا دیا تھا۔ میں تو اپنے کاموں کے سلسلے میں وانا کی طرف تھا اور جن ساتھیوں کے حوالے نور باقی جان کو کیا تھا انہوں نے آپریشن کے نئے حالات میں اپنے نئے ٹھکانے بنائے تھے اور اس طرح وہ بھی نور باقی جان کے رابطے سے کٹ گئے تھے۔ پھر دہ خیل کا علاقہ فوجی کیمپ سے قریب ہونے کی وجہ سے خطرناک بھی ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے ہمارے دیگر بھائیوں کا اس طرف جانا بھی انتہائی کم ہو گیا تھا۔ چنانچہ نور باقی جان کسی ساتھی سے رابطے میں نہ رہا۔ یہ مرحلہ نور باقی جان کے لیے انتہائی اذیت اور تکلیف دہ تھا۔ اس کا دل اس غم سے پھٹا جا رہا تھا کہ وہ اس نازک موقع پر کیوں اپنے بھائیوں سے دور ہے اور کیوں اس وقت اپنے مہاجرین بھائیوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے کچھ نہیں کر پا رہا۔

دوسری طرف اس کی قوم خدر خیل کے سرکردہ افراد کے حوالے سے مشہور ہوا کہ انہوں نے فوج سے جنگ نہ کرنے کا اور فوج کی پیش قدمی کی صورت میں افغانستان ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بات کے مشہور ہونے کے بعد ہمارے کچھ بھائیوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ شاید نور باقی جان بھی اپنی قوم کی اس ممکنہ پالیسی کی وجہ سے ہماری مدد سے کتر رہا ہے، مگر اسلام کا یہ شیر مرغہ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا اور اس کسک میں گھلا جا رہا تھا کہ وہ کیوں اس وقت

اپنے بھائیوں کے ساتھ رابطے میں نہیں ہے۔ اس دوران اس نے مجھ سے رابطے کی کوشش بھی کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ پھر ایک دن اسے اتفاقاً ایک ساتھی ملا۔ نور باقی جان نے چھوٹے ہی اس سے گزارش کی کہ کسی طرح راقم تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ وہ ملنے کے لیے بیتاب ہے اور جس قسم کی خدمت بھی اس کے ذمے لگائی جائے گی وہ سر دھڑکی بازی لگا کر اسے پورا کرے گا۔ نور باقی جان نے ساتھی سے اپنی دل کی تڑپ اور رابطے میں نہ ہونے کے غم کا ایسا اظہار کیا کہ جس نے بھی یہ سنا اس کا دل بھر آیا۔ البتہ نور باقی جان کا یہ پیغام مجھے جنوبی وزیرستان میں کئی دن کے بعد ملا، مگر نور باقی جان میں اپنے بھائیوں سے دور رہنے کی مزید برداشت ختم ہو چکی تھی، اس کے صبر کا پیمانہ لہریز ہو چکا تھا، لہذا وہ گھر سے نکل پڑا۔

نور باقی جان نے اپنے ماموں زاد بھائی کا کا کو اپنے ساتھ جانے کے لیے تیار کیا۔ کا کا جو کہ ’موسم بہار‘ کے تخلص سے جانا جاتا تھا، ایک غیور و بہادر نوجوان تھا۔ ہمارا نور باقی جان سے جب سے تعلق بنا تھا اس وقت سے اس کا کزن کا کا بھی ہر کام میں مدد اور تعاون کے لیے حاضر رہتا تھا۔ خاص طور پر اگر کبھی نور باقی جان کو کسی اہم کام سے جانا پڑتا یا وہ مرلیض ہوتا تو اس صورت میں وہ لازماً کا کا کو اپنے متبادل کے طور پر ہمارے ساتھ کر دیتا۔ کا کا کا گھر بھی نور باقی جان کے گھر کی طرح مجاہدین کی خدمت کے لیے وقف ہوتا۔ عام حالات میں کا کا دہ خیل کے مقامی مجاہدین کے مختلف کاموں کو سنبھالے رکھتا۔ الغرض نور باقی جان نے کا کا کو ہمراہ کیا، اپنی اپنی کلاشن کوفیں کندھوں پر لٹکائیں، چند جوڑے ایک تھیلے میں ڈالے اور دونوں ہماری تلاش میں روانہ ہو گئے۔ بارڈر کے علاقے میں مجاہدین سے معلومات کر کے القاعدہ برصغیر کے مراکز میں پہنچے اور دونوں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب کہ جماعت کے مراکز اور ساتھیوں پر شدت سے ڈرون حملے جاری تھے جن میں کئی ذمہ داران اور دیگر ساتھی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ ڈرون طیاروں کی پروازیں اتنی شدید تھیں کہ ان میں کئی کئی ہفتوں تک لمبے بھر کا سکون نہیں آتا تھا اور ہمارے سائے سے بھی اس زمانے میں لوگ گھبرا کر تے تھے۔ مگر اس خطرناک ترین وقت میں نور باقی جان اور کا کا، اپنے ایمان کی پکار پر لبیک کہہ کر نکل پڑے اور ان خطرات میں کود پڑے۔ بلکہ ان کی توسلج اور تڑپ ہی یہ تھی کہ اس وقت جب کہ ہمارے ان مہاجر بھائیوں پر حملوں کی شدت ہے تو ہمیں چاہیے کہ آگے بڑھ کر ان کا بوجھ ہلکا کریں اور ان کی مدد و نصرت کریں۔

امیر المجاہدین مولانا عاصم عمر کی طرف سے اس وقت شمالی وزیرستان میں موجود جماعت کے ساتھیوں کے عمومی مسئول داعی و مربی جہاد شہید استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کو مقرر کیا گیا تھا، جب کہ ان کی نیابت اور بالخصوص عسکری امور کی ذمہ داری پیکر شجاعت و جرأت مولانا قاری عبید اللہ عمران شہید رحمہ اللہ کر رہے تھے۔ ساتھیوں نے نور باقی جان اور کا کا کی آمد کی خبر

قاری عمران رحمہ اللہ تک پہنچائی۔ قاری صاحب نے ان دونوں سے ملاقات کی اور ان کے جذبات جان کر بہت خوش ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے ان دونوں کو مختلف اداراتی کاموں کی ذمہ داری سونپ ڈالی، جن میں ساتھیوں کی منتقلی، اسلحے اور سامان کی محفوظ مقامات پر شفٹنگ اور دیگر انتظامی نوعیت کے کام تھے۔

آخری اکٹھے سفر

اللہ نے راقم کی قسمت میں ایک دفعہ دوبارہ نور باقی جان کی رفاقت و قربت لکھی تھی۔ ہوا یہ کہ امیر محترم نے جماعت کے قائد استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ اور راقم کو بعض جہادی امور کے لیے خیبر ایجنسی کی طرف جانے کا امر کیا۔ حکم کی تعمیل میں ہم روانہ ہوئے۔ خیبر ایجنسی کی طرف سفر کرنے کے لیے ہمیں لواڑہ بارڈر سے افغانستان کے صوبہ خوست میں داخل ہونا تھا، پھر وہاں سے صوبہ پکتیکا، لوگر، پکتیا، ننگرہار کو پار کر کے بالآخر وادی تیراہ، خیبر ایجنسی میں داخل ہونا تھا۔ سفر میں جابجا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کئی دن پر مشتمل اس سفر میں بلند و بالا پہاڑی سلسلوں پر مشتمل اس سفر میں جہاں ایک طرف امریکی ڈرون حملے کے خطرات سر پر ہوتے تو دوسری طرف راتوں کے چھاپے اور افغان آرمی کی گھاتوں کا خطر بھی ہوتا۔ پھر ضرب عضب آپریشن کی خاصیت ہی یہ تھی کہ پاکستانی علاقے میں خود امریکی غلام پاکستانی فوج اور امریکی ڈرون مل کر یہ آپریشن چلا رہے تھے جبکہ افغانستان کی طرف نکلنے والے مجاہدین کے خلاف امریکی فوج اور اس کی غلام افغان آرمی مل کر گھات لگائے بیٹھے تھے۔ الغرض سفر کی اس نزاکت کی وجہ سے امیر محترم کی ہدایات کی روشنی میں یہ طے پایا کہ سفر کو دو قسطوں میں کیا جائے۔ پہلے میں کچھ ساتھیوں کو لے کر سفر کروں اور میرے پیچھے کے بعد استاد محترم اسامہ محمود حفظہ اللہ سفر کریں۔ خیر، میں انگور اڈہ سے روانہ ہوا اور مختلف مراحل کو طے کرتا ہوا لواڑہ کے علاقے میں پہنچا۔ وہاں میرا استقبال میرے رفیق اور دوست نور باقی جان نے کیا۔ ملاقات پر اس نے وہی کہا کہ جو ایک طویل عرصے کے چھڑنے کے بعد دو دوست کہا کرتے ہیں۔ یہی کہ آپ مجھے بھول گئے تھے اور مجھے پیچھے چھوڑ بیٹھے اور اسی طرح کے گلے شکوے!۔ مجھ سے جو عذر بن پایا وہ میں نے بیان کر دیا، مگر نور باقی جان اب مصر تھا کہ اب کی بار میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گا بلکہ جہاں بھی جائیں گے ساتھ ہی جاؤں گا۔ میں نے سمجھا یا کہ ایک تو ہمارا سفر بہت دور کا ہے، پھر واپسی اور دوبارہ رابطے کا بھی کوئی علم نہیں اور راستہ بھی خطرات سے پر ہے، مگر وہ پُر عزم اور بضد تھا کہ میں بھی سفر میں ساتھ رہوں گا۔ دلی خواہش تو میرے بھی یہی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ جائے۔ ایک تو اس کی ہمسفری ویسے بھی خوشی کی بات تھی، پھر مشکل پہاڑی راستوں پر وہ گاڑی چلانے کا اور راستے یاد کرنے کا بھی ماہر تھا۔ پھر ذہن میں یہ بھی آیا کہ وہ ہمیں پہنچا کر واپس آجائے گا اور پھر استاد محترم اور ان کے ساتھ آنے والے بھائیوں کو لے

آئے گا۔ مگر ایک مشکل یہ تھی کہ محاذ جنگ کے مسؤل قاری عمران شہید رحمہ اللہ نے نور باقی جان کے حوالے کچھ ایسے کام لگائے تھے جن کو بیچ میں چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ قاری صاحب رحمہ اللہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے نور باقی جان کی اور اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا اور اپنی سفری مشکلات بھی بیان کیں۔ قاری صاحب رحمہ اللہ انتہائی شفیق اور مہربان شخصیت تھے، آپ نے ایثار و قربانی کی عملی تصویر بننے ہوئے اپنی ضرورت پر ہماری ضرورت کو ترجیح دی اور ہمیں اجازت مرحمت فرمائی کہ ہم نور باقی جان کو ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ اللہ آپ سے راضی ہو اور جنت الفردوس میں آپ کا اکرام فرمائے، آمین۔

خ، برکتور ۲۰۱۳ء کے آخری ہفتے میں ہمارا سفر شروع ہوا اور سفر میں نفاذ شریعت کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے سوات کے مہاجر بھائی ہمارے رہبر تھے۔ بہترین اخلاق، منظم تدبیر اور جرأت کے ساتھ انہوں نے یہ سفر ہمیں کروایا۔ اللہ ان کو اس کی بہترین جزا دینا و آخرت میں عطا فرمائے۔ نور باقی جان بھی ہمارے ہمراہ تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے آئینے میں دیکھ کر بار بار مسکراتا اور راستے کی مشکلات اور پریشانی کے باوجود اپنے حواس کو قائم رکھتا اور بھائیوں کو تسلی دینا، یہ اس کا پورے راستے شیوہ رہا۔ وہ ویسے بھی کثیر الاتباسمہ تھا مگر اس سفر میں تو اس کی مسکراہٹ اور خلق حسن مزید بڑھ چکا تھا۔ ساتھیوں کے آرام کا خیال رکھنے اور ہر کسی کی دل آزاری سے بچنے کی کوشش میں لگا رہتا۔ ہاں! شہادت کا تذکرہ اب اس کی باتوں اور خوش گپیوں میں بڑھتا جا رہا تھا۔ اس سفر میں وہ عجیب عجیب سالگنے لگا تھا۔ دل میں ایک دھڑکا سا تھا کہ کہیں وہ بھی.....

ہم تیسری شام کو ننگرہار کے ضلع 'دیہ بالا' پہنچے۔ یہاں سے آگے ابھی مزید تین چار دن کا سفر تھا جو کہ ہمیں کچھ خچروں پر اور کچھ پیدل کرنا تھا۔ یہاں سے گاڑیوں نے واپس جانا تھا اور اب ہمارا نور باقی جان سے جدائی کا وقت آ پہنچا تھا۔ گو کہ اس نے کچھ دن بعد دوبارہ استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ کو لانا تھا مگر دل میں ایک کھٹکا سا تھا، کیا پتہ دوبارہ ملاقات ہو پائے یا نہیں۔ الوداعی ملاقات پر اس کو جلد واپسی کی یاد دہانی کرائی، دعاؤں کی درخواست کی اور جب جدا ہونے لگے تو دل غم سے بھر آیا۔ اس کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ تھی، خوشی سے اس کا چہرہ کھلا ہوا، عجیب شرارتی سی مسکراہٹ اور حیا سے آنکھیں جھکیں ہوئیں تھیں۔ ایسی عجیب خوشیاں اور مسکراہٹیں اکثر شہداء کے آخری زمانے میں دیکھی جاتی ہیں۔ لبوں پر اس کے لیے دعائیں تھیں۔ وہ سلام کر کے پہاڑی سے اترا، بھاگ کر اپنی ڈاٹسن میں بیٹھا، پیچھے مڑ مڑ کر، مسکرا مسکرا کر ہمیں دیکھتا اور ہاتھ ہلاتا روانہ ہو گیا اور ہم پھر خچروں پر سوار ہو کر خیبر ایجنسی کی طرف روانہ ہوئے۔

نور باقی جان جب واپس وزیرستان پہنچا تو سردی نے شدت اختیار کر لی اور راستے میں ہندوکش کی پہاڑیوں پر برف پڑ گئی۔ لہذا اب اگلی بہار تک کے لیے یہ راستہ بند ہو گیا جس کی وجہ سے استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ اور نور باقی جان کا سفر ملتوی ہو گیا۔

بالآخر وہ شام آگئی کہ جس کا انتظار تھا!

ہجرت کے راہبوں کی

نصرت کا یہ سفر خود

جس شام کے لیے ہی

میں نے بھی طے کیا تھا

وہ شام آگئی تو پھر انتظار کیسا؟

جنت ہے منتظر گر اس سے فرار کیسا؟

پرواز کے لیے ہیں

تیار بال و پر بھی

اللہ کے راستے میں

حاضر ہے میرا سر بھی!

بالآخر وہ وقت آ ہی گیا کہ جس کی خاطر ساہا

سال تک امت مسلمہ کا یہ بیٹا، وزیر قوم کا

ہیرا، دین اسلام کی لیلیٰ کا عاشق، ہجرت کے

راہبوں کی نصرت کرتا رہا۔ ہر وقت اللہ کے

راستے میں اپنے سر کٹانے کے لیے تیار گھومتا

رہا۔ اس کی ملک میں ایک اس کی جان ہی تو تھی سو اس نے وہ ہی اس دین کی نصرت میں قربان

کردی۔ ننگر ہارے واپسی پر وزیرستان پہنچ کر اس نے ڈاٹسن کی مرمت کروائی، اپنے گھروالوں

کو الوداع کہا اور پھر سے دوبارہ نصرت دین کے کام میں منہمک ہو گیا۔ چونکہ موسم اور بر فباری

کی وجہ سے اس کا ہماری طرف کا سفر ملتوی ہو چکا تھا، اس لیے قاری عمران شہید رحمہ اللہ نے

اس کے ذمے جماعت کے اسلحے کے ذخائر کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا کام لگا دیا۔ یہ نومبر

۲۰۱۴ء کے دوسرے ہفتے کی بات تھی۔ ایک صبح وہ لواڑہ سے روانہ ہوا۔ وہاں اسلحے کا ایک

ذخیرہ تھا جسے حالات کی وجہ سے شوال کی پہاڑیوں میں منتقل کرنا تھا۔ اس نے گاڑی کو اسلحے اور

دیگر سامان سے بھرا۔ اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے لاہور کا ایک بھائی سعد سلطان

(عسلی) اور کراچی کا ایک بھائی ضرا ہرماہر تھے۔ فضا میں بہت زیادہ ڈرون طیاروں کی جھنڈا

تھی مگر راہ حق کے دیوانے، اپنے دین کی سربلندی کے لیے کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے روں دواں تھے۔ راستے کی بیشتر آبادیاں انخلا کر چکی تھیں، اکا دکا افراد اور گاڑیاں راستے میں نظر آتی تھیں۔ گاڑی جب ’مانزرداخیل‘ کی آبادیوں کو پار کر کے ’دواتوئی‘ کے نالے کے قریب پہنچی تو اللہ کے دشمنوں، صلیب اور شیطان کے پجاری امریکیوں نے اپنی غلام پاکستانی فوج کی مدد سے چلنے والے ڈرون طیاروں سے امت محمدی ﷺ کے ان محسنوں کی گاڑی پر حملہ کیا۔ میزائل گاڑی کے بالکل قریب لگے اور یہ تینوں بھائی شہید ہو گئے۔ ان کی گاڑی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ان کے اجسام بھی کٹ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھ ان کو نصیب فرمائے۔ اللہ ان کے پاکیزہ خون کی برکت سے پورے عالم میں اسلام کے کلمے کو بلند فرمائے اور کفر کے کلمے کو ذلیل و خوار فرمائے، آمین۔

میں وادی تیراہ کے ایک گاؤں میں خیمہ

ابجینی کے انصار مجاہدین کے ساتھ بیٹھا تھا

کہ شہید عالم ربانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کا

ایک خط راقم کو وصول ہوا۔ خط سے معلوم

ہوا کہ نور باقی جان شہید ہو گیا ہے۔ دل پر جو

گری اسے قلمبند کرنا ممکن نہیں تھا۔ دل کی

ہر دھڑکن کے ساتھ یہ آواز محسوس ہوتی

تھی؛ اے ہمارے انصار! اے اللہ کے دین

کے مددگار! اللہ تم سے راضی ہو جائے، اللہ

تم سے راضی ہو جائے! دل اس خیال پر ندامت کے احساس میں غم سے نڈھال ہو جاتا ہے کہ

ہم اس حقیر دنیا میں اپنے ان محسنوں کے احسانات کا کوئی بدلہ نہیں چکا سکے اور نہ ہی چکا سکتے

ہیں۔ پھر دل اس احساس سے دوبارہ کھل اٹھتا ہے کہ جس ذات سے صلہ لینے کے لیے امت

کے یہ عظیم بیٹے اپنے سروں کو کٹواتے آئے ہیں، وہ رب ان کی ایک نیکی بھی نہیں بھولا،

اس نے سب کچھ دیکھا ہے اور گن گن کر بدلا بھی دے گا اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ دے

گا۔ اُس ذات باری کا اعلان ہے کہ:

وَأَذْلَقْتُ الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۖ هَذَا مِمَّا تُوَعَّدُونَ لِلَّذِينَ لَا يَرْغَبُونَ عَنِ حَقِيقَةِ ۝

مَنْ حَشَى الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۖ ادْخُلُوا هَٰذَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ

الْخُلُودِ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ (سورہ ق: ۳۱ تا ۳۵)

”اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی۔ یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر رجوع ہو جانے والے، پابندی رکھنے والے کے لیے ہے۔ (غرض) جو کوئی بھی (خدائے) رحمن سے بے دیکھے ڈرتا ہو گا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا (اس کو حکم ہو گا کہ) داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ دن بھیگتی کاہے ان لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے۔“

آج نور باقی جان ہمارے درمیان نہیں ہے مگر یہ کارواں رکا نہیں۔ انصارِ مدینہ سے لے کر انصارِ وزیرستان تک عشق و وفا کی ایک ہی داستان ہے۔ افغانستان سے لے کر یمن، صومالیہ اور صحرائے افریقہ تک انصار و مہاجرین کی ایک ہی کہانی ہے۔ ہر جگہ ہر محاذ پر کتنے ہی نور باقی جان موجود ہیں۔ نام اور اقوام مختلف، مگر عمل و کردار ایک ہی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب ان سب کا دین ہر جگہ ایک ہی ہے۔ اسلام اور کفر کی ٹکڑی ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہے گی، اور جب تک یہ کشمکش جاری ہے اسلام کی شیع کے کچھ پروانے مہاجرین بن کر اس شیع پر منڈلاتے رہیں گے اور کچھ پروانے ان کے انصار بن کر اس شیع کو حیدر پر قربان ہوتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا! یہ دین کا رشتہ، یہ کلمہ طیبہ کی خاطر دوستی، اللہ کے لیے محبت، اور اس کے نام لیواؤں کی نصرت، یہ اسلام کی سب سے مضبوط کڑی ہے، یہ دین کا سب سے واضح اور مضبوط پہلو ہے، یہ اسلام کا سب سے روشن اور نمایاں چہرہ ہے۔ جس کو اللہ کے دشمن جتنا بھی توڑنا چاہیں، بگاڑنا چاہیں، فساد برپا کرنا چاہیں، کبھی نہ کر سکیں گے۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات رحمۃ اللعالمین ﷺ نے خود کروایا تھا۔ پس جس رشتے کی بنیاد خود آقا مدنی ﷺ نے ڈالی ہو، اس سے زیادہ محکم رشتہ اور کون سا ہو گا۔ اے اللہ! اس دین کے انصاروں سے راضی ہو جا، ان کی ازواج و اولاد سے راضی ہو جا، ان کے اقربا اور قبیلے والوں سے راضی ہو جا، اور ان کو دنیا و آخرت میں اتنی خوشیاں دے کہ وہ بھی تجھ سے راضی ہو جائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: عامرہ احسان صاحبہ

سے تقسیم کریں۔ مسلم معاشرے کی اصل بنیاد ہی عدل و انصاف ہے۔ خدا خونی پر مبنی حق کے گواہ، عدل قائم کرنے والے، کہ یہی تقویٰ ہے۔ (المائدہ۔ ۸)

امام رازی کہتے ہیں کہ ”امن قائم کرنا (جس کی بنیاد عدل و انصاف ہے نہ کہ انصاف طلب مظلوم عورتیں ہر اسال کی جائیں)۔ بھوک رفع کرنے سے بھی مقدم ہے۔ انصاف نہ ہو تو بھوک بھی

ختم ہو جاتی ہے۔“ سستا اور فوری انصاف یقینی بنانا مسلم حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ رعایا کے تحفظ کے لیے ہمارے سیٹی اور ڈنڈا بردار چوکیدار کی مانند ۲۲ لاکھ مربع میل کی وسیع و عریض پر شکوہ مملکت کا امیر المومنین راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں پھرتا پہرہ دیا کرتا تھا۔ قیادت کا کام عوام کی حفاظت کرنا تھی، اپنی حفاظت نہیں۔ یہاں بلٹ پروف، بم پروف قیادت ہے۔ پولیس کی آدھی نفری تو بڑوں کی حفاظت پر متعین ہے۔ جو کنالوں، ایکڑوں پر محیط محلات میں رہتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے ایک مصری شہری کی شکایت پر (جسے ناروا کوڑے مارے گئے تھے) گورنر اور بیٹے کو طلب کر لیا۔ مصری نے بدلے میں اتنے ہی کوڑے (عدل فاروقی پر) بیٹے کو مار کر شرعی بدلہ لے لیا۔ اس پر وہ تاریخی جملہ گورنر سے کہا: ”انہیں ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا تم نے انہیں غلام کب سے بنالیا!“

جب قحط پڑا تو گوشت مکھن دودھ ختم ہو گیا جو بنیادی خوراک تھی۔ سیدنا عمرؓ نے قسم کھالی کہ جب تک عام انسان کو بازار میں یہ چیزیں میسر نہ آئیں گے، وہ یہ نہیں کھائیں گے۔ بازار میں یہ چیزیں آگئیں اگرچہ مہنگی تھیں۔ ملازم گیا اور دودھ، مکھن ۴۰ دینار میں خرید لایا کہ اب آپ کی قسم پوری ہو گئی۔ جب ۴۰ دینار کا سنا تو انکار کر دیا۔ یہ اسراف ہے، میں ہر گز استعمال نہ کروں گا۔ جب تک میں اس تکلیف سے نہ گزروں جس سے عوام گزر رہے ہیں، مجھے ان کے دکھ درد کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا جب تک قیمت نہ گری، نہ خریدانہ استعمال کیا۔ عتبہ آذربائی جان میں تھے۔ مسلمان بہت سادہ غذا کے عادی تھے۔ طرح طرح کے ذائقوں سے نا آشنا۔ فنج آذربائی جان سے وہ ایک نئے میٹھے پکوانے سے آشنا ہوئے۔ سوچا خلیفہ کو بھیجتا ہوں۔ ڈھیر سارا بنوا کر اونٹ پر لاداد اور بھیج دیا۔ سیدنا عمرؓ نے چکھا، فرمایا بہت لذیذ اور میٹھا ہے۔ اگلا سوال یہ تھا۔ کیا یہ آذربائی جان میں تمام مسلمانوں کو میسر ہے؟۔ پتا چلا کہ نہیں! سیدنا عمرؓ نے فرمایا، اسے واپس لے جاؤ اور خط لکھ بھیجا۔ ”یہ پیسہ نہ تمہاری اماں کا ہے نہ بابا کا، جو تم دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے ہو۔ کوئی چیز مت کھاؤ، جب تک وہ تمام مسلمانوں کو میسر نہ ہوں۔ تمہیں یہ خصوصی مراعات کیوں حاصل ہوں، جبکہ یہ تمہارے والدین کا پیسہ نہیں ہے۔“ یہ تھے عمرؓ خود کو کسی ترجیح کے لائق نہ سمجھنے والے!

رہے ہمارے حکمران تو شاید یہ ہم عوام کو اپنے والدین سمجھتے ہیں۔ (سیدنا عمرؓ کے پیرائے میں)۔ بے حد و حساب مراعات عوام کے پیسے سے اڑاتے ہیں۔ اگر اول تا آخر بیوروکریسی، جج، جرنیل، ہر سطح کے حکمرانوں کی مراعات تفصیلاً چھاپ دی جائیں تو عوام کی مفلسی، قرضوں کے انبار اور ان بڑوں کے ارب پتی ہونے کے راز اور وجوہات سب سامنے آجائیں۔ ان سفید ہاتھوں نے عوام سے خون کی ہر رمت چھین لی ہے۔ اللہ کی رحمت ہم سے دور ہو گئی۔ جھوٹ کی بدبو (گناہوں میں بدبو ہوتی ہے) سے نبیؐ کی صراحت کے مطابق، فرشتے دور چلے جاتے ہیں۔ پورے ملک میں جھوٹ سیاہ بادل بن کر چھایا ہوا ہے۔ اس تسلسل، ڈھٹائی اور بے خونی سے

جھوٹ دہرایا جاتا ہے کہ وہی سچ لگنے لگے۔ عقل ماؤف ہو جائے۔ شیطان فارغ ہو کر سو جائے! یہی فتنہ دجال ہے! ۔

تیری رحمت کی رہا! بس اک نظر
بخش دے ہر خطا، ہم سے کر درگزر

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے]

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہند تو اور غزوہ ہند

اب ایسے جان پر کھیلنے والے کم سے کم مسلمان پڑھے لکھوں میں تو نہیں ہیں۔ اس موقع پر راحت مرحوم کا یہ شعر یاد آتا ہے۔ تھوڑے تصرف کے ساتھ

یہ لوگ پاؤں نہیں ذہن سے اپانچ ہیں
ادھر چلیں گے جدھر ”میڈیا“ چلاتا ہے

اور مسلمانوں کا میڈیا تو ہے نہیں اس لیے ہر لال بھکڑ مبصر، تجزیہ کار بنا بیٹھا ہے۔ ایک بات اور ہے سوشل میڈیا کے دنگوں کی اوقات ہی کیا ہے۔ کیا کوئی مائی کال لیل یہ گارنٹی دے سکتا ہے کہ اگر مسلمان چوڑیاں پہن کر گھروں میں بیٹھ گئے تو کوئی انہیں کچھ نہ کہے گا۔ ارے، آج کی حالت تو یہ ہے کہ جس چیز کی گارنٹی دستور نے دی ہے اس کی بھی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ سوشل میڈیا کے دانشوروں سے پوچھا جانا چاہیے کہ تحفظ عبادت گاہ قانون کا کیا ہوا؟ پرسنل لاء میں عدم مداخلت کے قانون کا کیا ہوا؟ لوگوں کے گھروں پر بلڈوزر کس قانون کے تحت چل رہے ہیں؟ شکیل بھائی! ایسا لگتا ہے کہ معترض حضرات کی اب تک کی زندگی والدین کی گود میں گزری ہے۔ خیر!

توہین رسالت پر تھوڑی گفتگو اور کر لیں۔ بخاری شریف پڑھیے تو پتہ چلے گا کہ خود حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی دو شاتمین رسول کو خفیہ طریقے سے مروایا تھا (اسی لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب بھی ہے، یعنی سانپ بھی مر گیا تھا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی تھی) حضور ﷺ کا قریب قریب ہر فعل ہمارے لیے مشعل راہ ہے خود حضور نے ان شاتمین کو سمجھانے بھجانے یا ”تڑی پار“ کا نوٹس کیوں نہ دیا؟ خیر، عربوں کی بیداری سے اور مسلم بچوں کی سرفروشی سے ہندوؤں کے شیطانوں کو یہ احساس تو ہو گیا کہ انہوں نے سرخ لکیر عبور کر لی ہے۔ اب لپیا پوتی کی کوششیں ہو رہی ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ یہ سب عارضی ہے۔ جلد ہی یہ کسی اور طریقے سے مسلمانوں اور اسلام کو تنگ کریں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک غزوہ ہند بھی طے ہے اور ان کا انجام بھی۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: سوشل میڈیا کی دنیا سے

سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمیں بتاتی ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ سجایا اور بعد میں اللہ کی غیبی مدد کے لیے دعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے۔

جبکہ آج کا جہاد صرف بد دعا کی دعا ہے اور نہ دعا سے پہلے اور نہ دعا کے بعد کوئی عملی اقدامات و جدوجہد۔

ایسی صورت میں صرف اللہ کی پکڑ اور عذاب آتا ہے نہ کہ کوئی غیبی مدد۔

9/11 | محمد عیسیٰ نے لکھا

تاریخ اور دیگر علوم کی کم فہمی، احساس کمتری اور شکست خوردہ ذہنیت کو جنم دیتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ دشمن کی کمزوری، نااہلی اور ناکامیوں کو بھی انسان دشمن کی اسٹریٹجک منصوبہ بندی سمجھ بیٹھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہمارا مقصد مسجد اقصیٰ ہے!

”مسجد اقصیٰ ایسا معاملہ نہیں ہے جو ہماری مجلسوں اور یونیورسٹیوں میں محض ایک ثانوی گفتگو کی حیثیت رکھتا ہو۔ نہیں! بے شک یہ انتہائی سنگین معاملہ ہے جس کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے! ہم مجاہدین کے درمیان روزانہ اس امید کے ساتھ اپنی صبح کرتے ہیں کہ شاید ہمیں فلسطین بھیج دیا جائے، اور ہمارے لیے اس زمین کے ٹکڑے پر جانا آسان ہو جائے۔ اور ہمیں پورے یقین کے ساتھ یہ علم ہے کہ بے شک ہماری ساری تربیت جو ہم کرواتے ہیں، اور اس زمین کے مشرق سے لے کر مغرب تک وہ سارا قتال جو ہم اللہ کی خاطر کرتے ہیں، بے شک یہ سب کچھ مسجد اقصیٰ میں یہود کو ذبح کرنے کی تربیت اور تیاری کے لیے میدان ہموار کر رہا ہے۔“

(اسد الاسلام، شیخ ابو الیث الملبی شہید رحمہ اللہ)



بے بسی | حاشر نواز نے لکھا

ہیلی کاپٹر نواز شریف کے لیے ناشتہ لے کر جانے کے لیے ہیں، عمران خان کی بہن کوریکیو کرنے کے لیے ہیں، ہیلی کاپٹر زائیر چیف فاتحہ خوانی کرنے اپنے دادا کی قبر پر جانے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ہیلی کاپٹر آئی ایس پی آر کے گانوں کی شوٹنگ کے لیے دستیاب ہیں۔ ہیلی کاپٹر زپی ایس ایل کے میچز کے دوران مسلسل کئی گھنٹے فضا میں رہ کر نگرانی کرنے کے لیے ہیں۔

مگر ہمارے لیے نہیں۔

اب جب بھی کرکٹ سٹیڈیم کی گیلی کوچ سکھانے کے لیے ہیلی کاپٹر آئے گا آپکو سیلاب میں بہتی لاشیں یاد آتی چاہیں۔ ایسے ہر کھیل ایسی ہر تفریح سے نفرت جو غریب کی بے بسی کا مذاق بناتی ہو.....!

Distraction | ظفر رائے نے لکھا

سرمایہ دارانہ عالمی نظام میں کھیل بھی ایک distraction ہیں جن کے ذریعے عوام کو ایسی غیر حقیقی خوشیوں کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی دیکھ لیں۔

جس ملک میں سیلاب کے مارے تین کروڑ لوگ بھوکے سو رہے تھے وہاں کروڑوں لوگ تین گھنٹے سکرینوں سے جڑے رہے۔

ووٹ کی طاقت پہ یقین | احسن عبداللہ نے لکھا

جمہوریت میں ووٹ ہر وقت سر پر سوار ہوتے ہیں سیلاب زدگان کو ایک تھیلا دیتے ہوئے بھی تصویریں کھینچانی پڑتی ہیں۔ خوف خدا کے تحت چلنے والے اسلامی نظام میں طاقتور خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ریاکاری سے بچنے کے لیے رات کے اندھیرے میں خاموشی سے غریبوں میں سامان بانٹتے پھرتے ہیں.....

نسخہ | شاہد رانجھانے لکھا

بچپن میں جب کبھی تیز بھاگتا ہوتا تو سارے بچے بوٹ یا جوتے اتار کر بھاگتے تھے۔ آج بھی یہ ایک حقیقت ہے اور تیز بھاگنے کے لیے ایک آزمودہ فارمولا ہے.....

خدا را یہ نہ کیجیے | عبداللہ احمد نے لکھا

شہباز گل کا ہسپتال سے خان سب کے نام پیغام:

خان سب خدا کا واسطہ ہے، بے شک میری حمایت نہ کریں مگر اپنا منہ بند رکھیں۔

فرض پہچانیں | عبدالواسطہ نے لکھا

ہم نے منکر سے روکنا چھوڑ دیا..... یہاں تک کہ اہل منکر اس قدر جری ہوئے کہ ہمیں معروف سے روکنے لگے!

صنعتی امتیاز | منتاب عزیز نے لکھا

مسلمان معاشروں میں ہر موقع پر محمد پر محمد لگا کر معمولی چیزوں کو ڈھونڈ کر انہیں صنعتی امتیاز (Gender Discrimination) قرار دینے، اور پھر اسے تنقید کا نشانہ بنانے والی قوم کی ملکہ کے تابوت کے ساتھ ایک بھی خاتون کو چلنے کی اجازت نہیں ملی۔

یہ ہے ان کے نام نہاد معیارات کی حقیقت۔

”ہم پہ روئیں ہماری ہی مائیں.....“ | ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین تھے۔ وہ اگر آج ہوتے تو کبھی یہ پسند نہ فرماتے کہ ان کے گستاخ کی جان لی جائے۔

دیکھیں یہ تو ہم نہیں جانتے کہ وہ آج ہوتے تو کیا فرماتے؛ جو بھی فرماتے، ہم آنکھیں بند کر کے لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیتے.....

لیکن یہ ہم ضرور جانتے ہیں کہ جو بد بخت کائنات کے رحیم ترین انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی گالی دینے سے باز نہ آئے، وہ سب سے بڑا فتنہ پرور ہے اور قرآن کے مطابق فتنہ تو قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ تو جب قتل کی سزا قتل ہے، تو منطقی طور پر فتنے کی سزا تو قتل سے بھی بڑی ہونی چاہیے۔

پس ثابت ہوا کہ اس قسم کے لوگ جن کی انسانیت اس قدر مسخ ہو چکی ہو کہ ان کی دریدہ دہنی سے افضل ترین انسانوں (یعنی انبیاء) سے بھی افضل تر شخصیت تک نہ بچ سکے، ان کے ناپاک بوجھ سے زمین کو پاک کر دینا ہی بہترین حل ہے..... کیونکہ یہ اس ذہنی کیڈنر کی آخری، خطرناک ترین اور لاعلاج سٹیج ہے۔

اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ ترقی کی دوڑ میں پاکستان کیسے شامل ہو سکتا ہے یا آگے نکل سکتا ہے؟؟

تو اس کا ایک ہی جواب ہے:

”.....‘بوٹ‘ اتار کر بھاگنا ہو گا!“

ہر گھر سے ملکہ نکلے گی.....| زبیر منصوری نے لکھا

برطانیہ میں ہائی الارٹ، ریڈ زون جانے والے راستے کنٹینر لگا کر بند۔ موبائل سگنلز جام۔ ڈبل سواری پر پابندی۔

آرمی چیف بالمرول کیسل پہنچ گئے۔ ہنگامی طور پر مشاورتی کور کمانڈرز کا نفرنس طلب۔ نئے بادشاہ کی تقرری کے امور پر تبادلہ خیال کیا جائے گا۔

برطانوی شہریوں کی نعرہ بازی۔ کل بھی ملکہ زندہ تھی آج بھی ملکہ زندہ ہے۔

ہماری لوکل تہذیب و شناخت | اوسیم گل نے لکھا

محمد بن قاسم عرب تھا جبکہ ملکہ الزبتھ گوجرانولہ کے نواحی علاقے میں پیدا ہوئی، اس کا مقامی نام علیزہ بٹ تھا جو بعد میں الزبتھ ہو گیا.....

ترقی کاراز | طلحہ حیدر نے لکھا

اگر ملکہ کی آخری رسومات کے موقع پر ”چارلس“ اعلان کر دے کہ اماں کے ذمے کسی کا کوئی لین دین ہو تو وہ تدفین سے قبل ہی ورثا سے رابطہ کر لے۔

تو برطانیہ کی ایک اینٹ بھی باقی نہ بچے۔

غیبی مدد | مصطفیٰ کامران نے لکھا

غیبی مدد نہ اسپین کے وقت آئی نہ خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے آئی، نہ اسرائیل کا قیام روکنے کے لیے آئی، نہ بابر کی مسجد کے وقت آئی، نہ عراق اور شام کے وقت آئی، نہ میانمار کے وقت آئی، نہ گجرات کے وقت آئی، نہ کشمیر کے لیے آئی۔

پھر بھی گھروں اور مسجدوں میں بیٹھ کر غیبی مدد کی صدا؟؟

غیبی مدد جنگ بدر میں آئی۔ جب 1000 کے مقابلے میں 313 میدان جنگ میں اترے۔

غیبی مدد جنگ خندق میں آئی جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ پر دو پتھر باندھے اور خود خندق کھودی اور میدان جنگ میں اترے۔

غیبی مدد افغانستان میں آئی۔ جب بھوکے پیاسے مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں میدان جنگ اترے۔

دنیا کا قیمتی لباس پہن کر، مال و زر جمع کر کے، لگژری ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں بیٹھ کر، جھک جھک کر لوگوں سے ہاتھ چوموانے کی خواہش لے کر، لوگوں کی واہ واہ کی ہنکار کی خواہشات لیے بیٹھ کر بد دعائیں کر کے غیبی مدد کے منتظر؟

طاغوت کے نظام پر راضی اور پھر غیبی مدد کے منتظر؟

اللہ کی زمین پر اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام کے نفاذ کی جدوجہد کے بجائے صرف نعت خوانی، محفل میلاد یا تسبیح کے دانوں کو دس لاکھ بیس لاکھ گھما کر غیبی مدد کے منتظر؟

آفاقی دین کو چند جزئیات و عبادت میں محصور و مقید کر کے غیبی مدد کے منتظر؟

مسلمانوں کو مجاہد کے بجائے مجاور بنادینے کے بعد غیبی مدد کے منتظر؟

جہاد فی سبیل اللہ اور جذبہ شہادت سے دور رہ کر اور دور رکھ کر مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و جبر اور مصائب و مشکلات دیکھ کر

اللہ دشمن کو غرق کر دے۔

اللہ دشمن کو تباہ و برباد کر دے۔

یا اللہ مظلوموں کی مدد فرما۔

یا اللہ دشمنوں کو ہدایت عطا فرما اور اگر ان کے نصیب میں ہدایت نہیں تو انہیں غرق کر دے۔

جیسی بد دعاؤں پر اکتفاء کر کے سکوت اختیار کر لینے اور سکون سے نوالہ حلق سے نیچے اتار کر پیٹ بھر بھر کر گہری نیند سونے والے غیبی مدد کے منتظر؟

یعنی سب کچھ اللہ کے ذمہ لگا کر اور خود کنارہ کشی اختیار کر کے غیبی مدد کے منتظر؟

میدان جہاد میں اترنے سے ڈرتے اور کتراتے ہوئے آسمانوں سے فرشتوں کے نازل ہو کر مسلمانوں کی غیبی مدد کے منتظر؟

کیا نعوذ باللہ اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ڈرامہ کرتے ہو؟

اتنی جرات تو شیطان میں بھی نہ تھی اور نہ ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 88 پر)

بیادِ محسنِ اُمت شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ

القدس کا شیدائی

اشعار: وسیم حجازی

تقدیر کو دیکھو تو کس جا سے کہاں لائی
حریم کا دیوانہ، القدس کا شیدائی
ہیچ اُس کی نگاہوں میں دنیا کی یہ رعنائی
بے کار ہے دولت وہ کس کام کی دانائی
طاغوت کی چوکھٹ پر انکارِ جبین سائی
جھکنے پہ اُسے ہرگز مجبور نہ کر پائی
تدبیرِ عدو اکثر موقع پہ نہ کام آئی
کھسار سے جب ہوگئی صحرا کی شناسائی
اک مردِ کہستانی اک بندہٴ صحرائی
دونوں نے اندھیرے میں رہ نور کی دکھلائی

جذبوں نے تیرے دل سے لی خوب جب انگڑائی
ہمدردِ مسلماناں، درجے میں فنا فی اللہ
ہر رنگ میں حاضر تھا سامانِ تعیش کا
جو دُور نہ کر پائے امت کی زبوں حالی
توحید کی شمع کے پروانے کی فطرت ہے
اپنوں کی فراموشی اغیار کی ہر سازش
خالق پہ بھروسہ ہی نصرت کا سبب ٹھہرا
اک عزمِ رفیع پایا بینائی کی وسعت نے
وحدت کا خلافت کا عظمت کا نشاں دونوں
اک محسنِ امت کا اک میرِ سفرِ اپنا

* یہاں میرِ سفر سے مراد امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد ہیں





کشیہ میں بسنے والے اے میرے مسلمان بھائیو!
جہاد کیے بغیر، شہادتیں، گرفتاریاں، ہجرتیں اور خود کو اللہ کے سامنے ہر
قسم کی قربانی کے لیے پیش کیے بغیر آپ نہ تو اپنے حقوق حاصل
کر سکتے ہیں، نہ اپنی زمین آزاد کروا سکتے ہیں، نہ اپنی عزت کا دفاع
اور نہ ہی شریعت کو غالب کر سکتے ہیں۔

حکیم الامت فضیلۃ الشیخ

ابو محمد ایمن الظواہری